اللؤلؤ المکنون

جلد ہفتم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- یہودِ بنو نضیر کی عہد شکنی اور جلاوطنی
- رسول اللہ ﷺ کی تین بابرکت شادیاں
- سانحۂ افک اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءتِ قرآنی
- غزوۂ احزاب میں کفار کی شکستِ فاش اور یہودِ بنو قریظہ کا چیلنج، محاصرہ اور استیصال

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 7

اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْن

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 7

- یہودِ بنونضیر کی عہد شکنی اور جلاوطنی
- رسول اللہ ﷺ کی تین بابرکت شادیاں
- سانحۂ افک اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءتِ قرآنی
- غزوۂ احزاب میں کفار کی شکستِ فاش
- یہودِ بنوقریظہ کا چیلنج، محاصرہ اور استیصال

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تین شادیوں اور سانحۂ افک اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت قرآنی، اسلامی ریاست سے بنونضیر کی جلاوطنی، نیز غزوۂ احزاب، بنوقریظہ کا عبرتناک انجام اور سازشی عناصر کا صفایا کردینے والے غزوات وسرایا اور اہم واقعات اس جلد کا موضوع ہیں۔
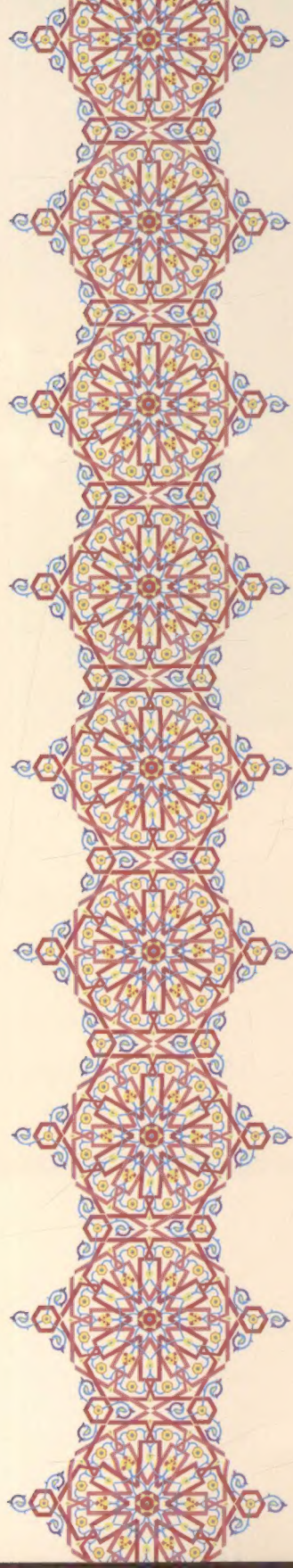
نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مُجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی

(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد

(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی

(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری

(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی

(ایم اے اردو، ماہرِ تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

مولانا محمد اجمل بھٹی

(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

جناب احمد کامران

(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

مولانا سیف اللہ

(فاضل علوم اسلامیہ)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

محمد صفت الٰہی

(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد شعیب

(گرافک ڈیزائننگ)

عبدالخالق

(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

© مكتبة دارالسلام، ١٤٣٥ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دارالسلام

موسوعة السيرة النبوية – ج ٧ / مكتبة دارالسلام – الرياض، ١٤٣٥ هـ

ص: ٥٣١ مقاس: ٢٤×١٧ سم

ردمك: ٦-٢٧٧-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

(النص باللغة الاردية)

١. السيرة النبوية أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٠٤١/١٤٣٥

رقم الإيداع: ١٠٤١/١٤٣٥

ردمك: ٦-٢٧٧-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا- فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221

• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 04 8151121

الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دار مکہ انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180

• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم ایس براک انٹرپرائزز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • دار الایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4 32 24,372 400 34,372 240 373 42 0092 فیکس: 042 373 540 72

• غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 0092 51 22 815 13

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے

خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب: 4

غزوۂ خندق

غزوۂ بنو نضیر

یہود نے بھاری پتھر گرا کر محسن انسانیت ﷺ کا چراغِ زندگی بجھانے کی سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مذموم حربے سے خبردار کر دیا۔ بعدازاں آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن ہونے کا حکم دے دیا۔

هُوَ الَّذِیٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ مَّانِعَتُھُمْ حُصُوْنُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ

فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا

وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

”(وہ اللہ) وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔“ (الحشر 59:2)

اس باب میں

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کا بغضِ باطن عیاں کیا گیا ہے۔ مکاری وعیاری، چالاکی وسفاکی اور سازش وشرارت یہود کی فطرتِ ثانیہ ہے۔ ان کی پرانی عداوت اور خباثت کی روایت آج بھی ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ان کی فتنہ سامانیوں، شرارتوں اور سازشوں کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا۔ 4ھ/625ء میں جب رسول اللہ ﷺ حسبِ معاہدہ بنونضیر کے یہودیوں سے دیت میں حصولِ معاونت کے لیے گئے تو ان بدطینت لوگوں نے سازش کے ذریعے آپ ﷺ کو شہید کرنا چاہا اور مدینہ پر غلبہ پانے کی ناپاک کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو یہود کے مکر وفریب سے نجات دلائی۔ یہود کو ذلیل ورسوا کیا اور ان کی برتری نابود ہوگئی۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھر برباد کرنے لگے۔ ان کے نخلستان ویران ہوگئے۔ وہ خود جلاوطن ہوئے۔ ان حالات میں مسلح تصادم اور کشت وخون کی نوبت ہی نہیں آئی۔ یہود کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ بیش بہا دولت چھوڑ کر نکل بھاگے جس کا وارث اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بنادیا۔ آئندہ اوراق میں آپ اس غزوے کی تفصیلات سمیت شراب اور جوئے کی حرمت کے تدریجی مراحل کا مطالعہ کریں گے۔

یہودیوں کا مذموم کردار

یہودی بہت پرانی قوم ہیں۔ تاریخ ان کی قدامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السلام تک لے جاتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ لوگ انھی کی نسل سے ہیں۔ ان کا ایک مخصوص مذہب ہے، ایک مخصوص تمدن ہے، ایک مخصوص ذہن ہے۔ اور ایک مخصوص ثقافت ہے۔ ان کا آبائی وطن عراق تھا۔ ان کی ایک بڑی تعداد مصر چلی گئی۔ وہاں یہ مدتوں فراعنہ کے مظالم کی زد میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ انھیں تورات دی، سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر عطا کیا اور ان کی قیادت میں فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، مزید برآں انھیں من وسلویٰ جیسے لذت بخش پکوان کھلائے۔ اس کے باوجود انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا۔ ان سے مطالبہ کیا کہ پہلے اللہ کو دکھاؤ، پھر ہم اللہ پر ایمان لائیں گے۔ مصر میں یہ لوگ گائے کو پوجتے رہے۔ بعدازاں انھوں نے اللہ کے احکام میں رد و بدل کیا۔ شرک اور زندقہ کی گندگی کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ انھیں کذاب کہا، سامراج کا ایجنٹ قرار دیا اور سیدنا مریم علیہا السلام کی پاکدامنی پر دھبے لگائے۔ یہ لوگ کاہنوں پر اعتقاد رکھتے تھے، سود کھاتے تھے، دھوکا دھڑی سے دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے، جھوٹ، خیانت، غداری اور عہد شکنی سے یہ لوگ کبھی باز نہیں آئے۔ مکافاتِ عمل نے انھیں فلسطین سے باہر دھکیل دیا۔ ان کا ایک ٹولہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ دوسرا ٹولہ جزیرہ نمائے عرب میں آ کر خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیما اور یثرب کے مضافات میں بس گیا۔ انھوں نے مقامی عرب قبیلوں سے دوستی کی، انھیں اپنا حلیف بنایا، اس طرح اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔

انھیں تورات اور اپنے ثقہ علماء کے ذریعے یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی کہ اللہ کے آخری رسول کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہودی اپنی خوشحالی اور اور نسلی برتری کے غرور کی وجہ سے اس امر کا پکا یقین رکھتے تھے کہ اللہ کے آخری رسول کا ظہور انھی میں سے ہوگا اور اس کے بل پر وہ ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔ ...... لیکن ہمارا مقدس پروردگار تو ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝﴾ ہے۔ اُس کی حکمتِ بالغہ کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری معظم ترین رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وادی غیر ذی زرع کے خاندانِ بنو ہاشم میں پیدا فرمایا۔ یہ خبر یہودیوں پر بجلی بن کر گری اور ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ان کی نامرادی کا یہی وہ پہلا بیج تھا جو وقت کی رفتار کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

حسد، اسلام سے بغض اور مسلمانوں سے دشمنی کا تن آور درخت بن گیا۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کا واسطہ یہودیوں اور منافقوں سے پڑا۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی آبادی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ کے گلی کوچوں، بازاروں، منڈیوں اور مضافات میں جہاں بھی جاتے تھے انھیں یہودیوں سے سابقہ پیش آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کی اتنی بڑی آبادی کے انتظامی، سماجی اور سیاسی مؤثرات کے اندازہ شناس تھے۔ آپ ﷺ نے جہاں انصار و مہاجرین کے مابین بھائی چارہ قائم کر کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی فلاح کی راہ کھول دی، وہیں یہودیوں کو بھی اپنے کریمانہ اخلاق سے بہرہ مند فرمایا۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کی رُو سے یہودیوں کو اس قدر مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی آزادی عطا کر دی جو آج امریکی یہودیوں کو بھی میسر نہیں۔

اگر یہودی تھوڑی سی دانشمندی کا مظاہرہ بھی کرتے تو اپنی تنگ نظری اور تعصب سے دستبردار ہو کر مسلمان ہو جاتے۔ ایسی صورت میں انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جاتی اور مدینہ میں انھیں جو اعلیٰ اقتصادی اور سماجی استحکام میسر تھا وہ بھی برقرار رہتا لیکن ان لوگوں کی رگوں سے اسلام دشمنی کا زہر نہیں نکلا۔ انھوں نے رسول اللہ کے انتہائی فیاضانہ سلوک کے جواب میں مشرکین مکہ سے ساز باز جاری رکھی۔ محسن انسانیت ﷺ کو کبھی بھاری پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سازش کی، کبھی آپ ﷺ کو ضیافت کے نام پر زہر آلود بکری کا گوشت کھلانے کی مذموم ترین حرکت کی۔ جنگ احد کے شعلے بھڑکانے کے لیے درپردہ یہودیوں نے بڑا ایندھن فراہم کیا، بعد ازاں یہ لوگ میثاق مدینہ کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا مشرکین مکہ کے دست و بازو بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف میدان کارزار میں نکل آئے۔ انھوں نے ایک مسلمان خاتون کو حجاب و نقاب سے محروم کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا۔ ان کرتوتوں کی وجہ سے انھوں نے خود اپنی حیثیت خود اتنی مجروح کر لی کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے بارے میں کوئی دوٹوک فیصلہ کر دیں۔ اگلے صفحات میں آپ یہود کی ریشہ دوانیوں، رسول اللہ ﷺ کی داعیانہ زندگی کی جلوہ نمائیوں، اسلام کے فروغ اور اولین اسلامی ریاست مدینہ کے دفاع کے سبق آموز واقعات پڑھیں گے۔

بنونضیر کی جلاوطنی

بنونضیر اور ان کے سردار حُیَیّ بن اَخْطب نے ساری زندگی نبیِ اکرم ﷺ سے شدید عداوت رکھی اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف شرارتوں اور سازشوں میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، حالانکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو تورات میں موجود آپ کی صفات سے پہچان لیا تھا۔ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد اور چچا کی نہایت لاڈلی تھی۔ میں جب بھی انھیں دوسرے بچوں کے ہمراہ ملتی تو وہ مجھے گود میں اٹھا لیتے اور دوسرے بچوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے تو میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابویاسر سویرے سویرے ہی ان کی خدمت میں چلے گئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ نہایت تھکے ماندے، افسردہ اور غمگین حالت میں بڑی مشکل سے چل کر آرہے تھے۔ میں حسب معمول بھاگ کر ان کے پاس گئی لیکن اللہ کی قسم! دونوں نے میری طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ (میں سمجھ گئی کہ ضرور کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔) میں نے اپنے چچا ابو یاسر کو اپنے والد سے یہ کہتے سنا: کیا یہ وہی ہیں؟ وہ کہنے لگے: ہاں، اللہ کی قسم! (یہ وہی ہیں)۔ چچا نے پوچھا: کیا تم انھیں (ان کی علامات سے) پہچانتے ہو؟ کیا یہ بعینہٖ وہی نبی ہیں (جن کا ہمیں انتظار تھا)؟ میرے والد نے کہا: ہاں۔ چچا نے پھر پوچھا: ان کے متعلق تمھارے دلی جذبات کیا ہیں؟ میرے والد نے جواب دیا: اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، میرے دل میں ان کے لیے دشمنی ہی رہے گی۔"[1]
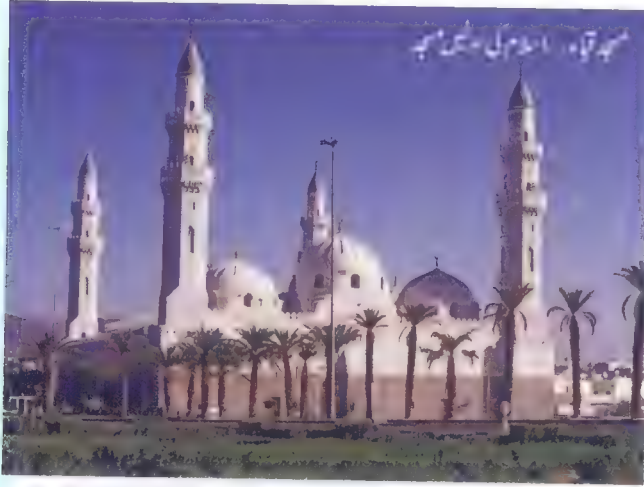
مسجد قباء، اسلام کی پہلی مسجد

ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے یہ واضح ہے کہ بنونضیر حسد کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی

[1] دلائل النبوۃ للبیھقي: 2/533,532.

کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾

''اہلِ کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ اس کے باوجود وہ سابقہ انبیاء و رسل اور ان کی کتب و معجزات کے بارے میں یہود و نصاریٰ کو تفصیلات بتلاتے تھے۔ یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد اور بغض و عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے تھے اور کفر کرتے تھے۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت اور بصیرت سے انھیں اپنا حلیف بنایا تھا۔ انھیں ان کے خاص معاملات میں مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ ان کی شرارتوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد نہ صرف بنو نضیر بلکہ تمام یہودیوں سے عہد و میثاق کیا تھا

بنو قینقاع کے ایک قلعے کے آثار

لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہودی ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ جنگِ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنو قینقاع نے میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کی تو مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا جس کے بعد انھیں شام کی طرف جلاوطن ہونا پڑا، پھر غزوۂ احد کے بعد 4 ھ میں یہودِ بنو نضیر نے شرارتوں اور سازشوں کی روش اپنائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر انھیں بھی مدینہ چھوڑنا پڑا۔

غزوۂ بنو نضیر کی تاریخ

محققین کا خیال ہے کہ غزوۂ بنو نضیر معرکۂ احد کے بعد ربیع الاول 4 ھ/625ء کو پیش آیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تابعی عروہ رحمہ اللہ کے حوالے سے معلق روایت نقل کی ہے کہ یہ غزوہ جنگِ بدر کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے پیش آیا۔[3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 17 رمضان 2 ھ کو

[1] البقرة2:109. [2] تفسير ابن كثير، البقرة2:109، 110. [3] صحيح البخاري، قبل الحديث: 4028.

غزوۂ بدر لڑا، پھر غزوہ بنونضیر پیش آیا، پھر ماہِ شوال 3 ھ کو معرکہ احد برپا ہوا، پھر اس کے بعد شوال 4 ھ کو غزوۂ خندق پیش آیا۔[1] امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہری اس غزوے کو غزوۂ احد سے پہلے بیان کرتے ہیں جبکہ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق اور دیگر اہل مغازی اس غزوے کی تاریخ احد کے بعد بتاتے ہیں۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ زہری کی روایت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: محمد بن شہاب زہری کا خیال ہے کہ غزوۂ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا، یہ ان کا وہم ہے۔ ان کا یہ خیال درست نہیں بلکہ درست بات یہ ہے کہ غزوۂ بنونضیر جنگِ احد کے بعد پیش آیا۔ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد غزوۂ بنوقینقاع پیش آیا تھا۔ غزوۂ بنوقریظہ جنگ خندق کے بعد اور غزوۂ خیبر، حدیبیہ کے بعد رونما ہوا۔[3] واقدی اور ابن سعد کے مطابق یہ ہجرت کے 37 ویں مہینے ربیع الاول میں پیش آیا۔[4] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن ہشام نے بھی اس غزوے کو 4 ھ ہی میں راجح قرار دیا ہے۔[5]

غزوۂ بنونضیر کے اسباب

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ بڑی نرمی اور نوازش سے کام لیا۔ انھیں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے رہنے کے لیے ان کے جداگانہ مذہبی اور شہری حقوق کا خاص خیال رکھا۔ لیکن انھوں نے اپنے قبیح کردار سے بار بار یہ باور کرایا کہ ان کے نزدیک کسی بھی معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں یہاں تک کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازش کی اور وہ انتہائی مکروہ چہرے کے ساتھ منظر عام پر آگئے۔ ان کی معاہدہ شکنی کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے چند اہم حسب ذیل ہیں:

1 قریش کی منافقین و یہود سے ساز باز

امام ابوداود رحمہ اللہ عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کے حوالے سے ایک صحابی رسول کی روایت بیان کرتے ہیں کہ جنگِ بدر سے پہلے قریشِ مکہ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنوا اوس وخزرج کے دوسرے بت پرستوں کو خط لکھا جبکہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دے رکھی ہے اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم لوگ اس سے جنگ کرو یا اسے اپنے ہاں سے نکال دو ورنہ ہم سب مل کر تم پر دھاوا بولیں گے یہاں تک کہ تمھارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے آئیں گے۔ یہ خط جب عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بت پرستوں کو پہنچا تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے

1 البداية والنهاية: 76/4. دیکھیے: المغازي للإمام الزهري، ص: 71-76-79. 2 دلائل النبوة للبيهقي: 176/3 و 180.
3 زادالمعاد: 249/3. 4 المغازي للواقدي: 308/1، الطبقات لابن سعد: 57/2. 5 البداية والنهاية: 76/4، السيرة لابن هشام: 199/3-202.

اکٹھے ہوگئے۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی اور فرمایا:

«لَقَدْ بَلَغَ وَعِيدُ قُرَيْشٍ مِّنْكُمُ الْمَبَالِغَ مَا كَانَتْ تَكِيدُكُمْ بِأَكْثَرَ مِمَّا تُرِيدُونَ أَنْ تَكِيدُوا بِهِ أَنْفُسَكُمْ، تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا أَبْنَاءَكُمْ وَ إِخْوَانَكُمْ!»

''بلا شبہ قریش کی دھمکی تم میں کام کرگئی ہے، تم اس سے بہت متاثر ہوئے ہو۔ وہ تمھارا اس سے زیادہ نقصان نہیں کر سکتے جتنا کہ تم اپنے ہاتھوں سے خود کر بیٹھنا چاہتے ہو، تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہو!''

شہدائے بدر کا احاطہ

جب اہلِ مدینہ نے نبی کریم ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ منتشر ہوگئے۔ کفارِ قریش کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے جنگِ بدر کے بعد یہودیوں کو خط لکھا کہ تم لوگ اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہو۔ تم لوگ یا تو لازماً ہمارے آدمی سے جنگ کرو ورنہ ہم ایسے اور ایسے کریں گے اور پھر ہمارے اور تمھاری عورتوں کی پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوگی، یعنی ہم مردوں کو قتل کردیں گے اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔ جب ان کے لکھے کی خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو اس اثنا میں بنونضیر نے آپ ﷺ سے عہد شکنی کا عزم کرلیا تھا۔ انھوں نے نبی ﷺ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنے تیس اصحاب کے ساتھ ہماری طرف آئیں اور تیس ہمارے علماء آئیں اور ایک درمیانی جگہ میں ملیں۔ یہ لوگ آپ کی بات سنیں۔ اگر انھوں نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

جب نبی ﷺ مقرر جگہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے تجویز پیش کی کہ آپ صرف تین صحابہ کو ساتھ لائیں، ہمارے بھی تین عالم ہوں گے۔ ان تین یہودیوں نے خنجر چھپائے ہوئے تھے لیکن ان کی ایک عورت نے اپنے مسلمان بھائی کے سامنے یہ راز فاش کر دیا۔ اس نے فوراً رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، لہٰذا آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے آئے۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر گئے اور ان کا گھیراؤ کرلیا اور ان سے کہا:

«إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ! لَا تَأْمَنُونَ عِنْدِي إِلَّا بِعَهْدٍ تُعَاهِدُونِي عَلَيْهِ»

''اللہ کی قسم! تم لوگوں پر مجھے کوئی اعتماد نہیں الا یہ کہ تم میرے ساتھ (نئے سرے سے) عہد کرو۔''

ان لوگوں نے عہد و پیمان دینے سے انکار کر دیا۔[1]

---

1 سنن أبي داود: 3004، المصنف لعبدالرزاق: 360,359/5، حديث: 9733.

2 بنونضیر کی عہد شکنی

میثاقِ مدینہ کی رو سے بنونضیر پر لازم تھا کہ وہ دشمن کو جگہ نہ دیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ بنونضیر نے قریش کو مسلمانوں کے راز فراہم کیے، آپ ﷺ کے خلاف جنگ پر ابھارا اور مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی۔ [1]

ان کی بدعہدی غزوۂ سویق میں بھی سامنے آئی تھی۔ بدر کے بعد ابوسفیان جب دوسو سواروں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوا تو بنونضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اس کی حمایت اور مہمان نوازی کی اور اسے مسلمانوں کے پوشیدہ امور سے مطلع کیا مگر مدینہ کے اسرار و احوال پر مامور عہدہ دار ان سے ہرگز بے خبر نہیں تھے۔ [2]

3 رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا منصوبہ

بنو عامر کے علاقے کا ایک منظر

جیسا کہ پہلے بیان ہوا [3] سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سانحۂ بئر معونہ کے بعد گرفتار ہوگئے تھے اور پھر بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل نے اپنی ماں کی نذر پوری کرنے کے لیے انھیں رہا کر دیا تھا۔ مدینہ واپس آتے ہوئے راستے میں انھوں نے بنو عامر کے دو افراد بے خبری میں قتل کر دیے جن کو رسول اللہ ﷺ امان دے چکے تھے۔

عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ تمھارے ایک ساتھی نے میری قوم کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ ان کے پاس آپ کی طرف سے عہد و امان بھی تھا، چنانچہ آپ ان دونوں کی دیت ہمیں بھیج دیں۔ نبیِ کریم ﷺ یہ سن کر بنونضیر کے پاس گئے تاکہ ان دونوں کی دیت ادا کرنے کے لیے بنونضیر سے مدد طلب کریں۔

بنونضیر ان دنوں بنو عامر کے حلیف تھے۔ اس کام کے لیے رسول اللہ ﷺ ہفتے کے دن نکلے۔ آپ نے مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد قباء میں نماز ادا کی، پھر بنونضیر کے پاس جا کر حسبِ معاہدہ دیت کے لیے مدد کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ جو چاہتے ہیں، ہم وہی کریں گے۔ آپ یہیں بیٹھیں تاکہ ہم آپ کو کھانا کھلائیں۔ آپ ﷺ اس وقت ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

---

1 فتح الباري: 415,414/7. 2 السيرة النبوية للصلابي: 185/2. 3 دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 6/500-510.

آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر، عمر، علی، زبیر، طلحہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم تھے۔ ادھر یہود تنہائی میں جمع ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور جو بدبختی ان کا نوشتۂ تقدیر بنی ہوئی تھی، اسے شیطان نے خوشنما بنا کر پیش کیا، یعنی ان یہود نے باہم مشورہ کیا کہ نبی کریم ﷺ ہی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ان کے شیطان صفت سردار حیی بن اخطب نے کہا:

يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ! قَدْ جَائَكُمْ مُّحَمَّدٌ فِي نَفِيرٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ لَا يَبْلُغُونَ عَشْرَةً، فَاطْرَحُوا عَلَيْهِ حِجَارَةً مِّنْ فَوْقِ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي هُوَ تَحْتَهُ فَاقْتُلُوهُ، فَلَنْ تَجِدُوهُ أَخْلٰى مِنْهُ السَّاعَةَ، فَإِنَّهُ إِنْ قُتِلَ تَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ، فَلَحِقَ مَنْ كَانَ مَعَهُ مِنْ قُرَيْشٍ بِحَرَمِهِمْ، وَبَقِيَ مَنْ هَاهُنَا مِنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ حُلَفَاؤُكُمْ فَمَا كُنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَصْنَعُوا يَوْمًا مِّنَ الدَّهْرِ فَمِنَ الْآنَ.

''اے یہود کی جماعت! محمد (ﷺ) اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تمھارے پاس آیا ہے، ان کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔ اس پر اس گھر کے اوپر سے بڑا پتھر گرا کر اسے قتل کر دو، تمھیں اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔ اگر اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے ساتھی بکھر جائیں گے۔ اس کے قریشی ساتھی اپنے حرم (مکہ) میں چلے جائیں گے اور یہاں صرف اوس وخزرج رہ جائیں گے جو تمھارے حلیف ہیں، اس لیے تم جو کچھ کرنا چاہتے تھے تو ابھی کر ڈالو۔''

اس پر ایک بدبخت یہودی عمرو بن جحاش بولا: تب پھر میں اس گھر پر چڑھ کر بڑا پتھر گرا کر محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ (والعیاذ باللہ)

سلّام بن مشکم کا معارضہ

بنو نضیر کے ایک یہودی سردار سلام بن مشکم نے کہا: اے جماعتِ یہود! تم ساری زندگی میری مخالفت کر لینا لیکن اس وقت میری بات مان جاؤ۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کو تمھارے ارادے کی خبر کر دی جائے گی اور یہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی لیکن یہود نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنے منصوبے کو روبہ عمل لانے کے عزم پر قائم رہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع

شیطانی ذہنیت کے حامل یہود اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے ہی والے تھے کہ رب العالمین کی طرف سے جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو یہود کے ارادے سے باخبر کیا۔ آپ ﷺ تیزی سے اٹھے گویا آپ قضائے حاجت کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہیں باتیں کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قضائے حاجت کو گئے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی تلاش میں

جب خاصی دیر ہوگئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے یہاں رکے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آگیا ہے، چنانچہ وہ سب وہاں سے چل پڑے۔ حیی بن اخطب کہنے لگا: ابوالقاسم نے جلدی کی ہے، ہم تو انھیں کھانا کھلا کر ان کی ضرورت پوری کرنا چاہتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینے کی طرف آرہے تھے کہ انھیں ایک آدمی ملا، انھوں نے اس سے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ

مسجد ابوبکر الصدیق، ہیوسٹن (ٹیکساس) امریکہ

کو دیکھا ہے؟ اس نے بتایا کہ میری ابھی ابھی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے، آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں پہنچے تو آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ وہاں سے تشریف لے آئے اور ہمیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَمَّتِ الْيَهُودُ بِالْغَدْرِ بِي»

''یہود نے میرے ساتھ دھوکے کا ارادہ کیا تھا۔''

رسالت مآب ﷺ ازروئے وحی جلد ہی تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے اس لیے کچھ نہیں بتایا کہ وہ خطرے کی زد میں نہیں تھے۔ یہود کا اصل ہدف صرف آپ ﷺ کی ذات بابرکات تھی۔ اس لیے آپ ﷺ مطمئن تھے کہ میرے صحابہ نہ صرف محفوظ و مامون رہیں گے بلکہ وہ میری تلاش میں جلد ہی نکل آئیں گے۔ آپ ﷺ کا صحابہ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ سے جو بہت گہرا تعلقِ خاطر تھا، اُس کی مثال ناپید ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا محفوظ رہنا اور پھر صحابہ کا آپ ﷺ کی جستجو میں کشاں کشاں چلے آنا، آپ ﷺ کے لیے گویا بالکل جانی بوجھی بات تھی۔

کنانہ بن صوریا کی دہائی

بنونضیر اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھے۔ ایک یہودی کنانہ بن صوریا (صُوَیرَاء) نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) یہاں سے کیوں اٹھ کر چلے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں تو معلوم نہیں، تمھیں کچھ پتہ ہے تو بتا دو۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کو تمھارے ارادے کی خبر کر دی گئی ہے،

چنانچہ تم اب مزید اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اٹھے بھی اسی لیے ہیں کہ انھیں بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے کہ تم دھوکہ دہی سے کام لینا چاہتے تھے۔ وہ خاتم الانبیاء ہیں۔ تم چاہتے تھے کہ آخری پیغمبر ہارون علیہ السلام کی نسل سے آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں سے چاہا، انھیں مبعوث فرمایا۔

بلاشبہ ہماری کتابیں جنھیں ہم پڑھتے ہیں، وہ تبدیل نہیں ہوئیں، ان میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس نبی کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور وہ یثرب (مدینہ) میں ہجرت کرے گا۔ اس کی جو صفات ہماری کتاب (تورات) میں بیان کی گئی ہیں، صرف اور صرف ان پر صادق آتی ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں خون خرابے کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ تم اپنے اموال، جائیدادیں اور بچے روتے بلکتے چھوڑ جاؤ گے۔ اگر تم میری بات مان لو تو تمھارا شرف و وقار باقی رہے گا۔ تم اسلام قبول کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی بن جاؤ گے تو تمھارے اموال اور تمھاری اولاد محفوظ رہے گی اور تم لوگ ان کے اونچے مقام والے ساتھیوں میں سے بن جاؤ گے اور اپنے گھروں سے نکالے نہیں جاؤ گے۔

یہود نے کنانہ بن صوریا کی بات کا یہ جواب دیا کہ ہم تورات اور عہدِ موسیٰ کو نہیں چھوڑیں گے۔ کنانہ نے کہا: تو انتظار کرو، عنقریب وہ تمھیں حکم دے گا کہ تم لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، پھر تم لوگ کہنا: ہاں۔ پھر وہ تمھارے خون اور تمھارے مال اپنے لیے حلال نہیں بنائے گا اور تمھارے مال اور جائیداد تمھارے لیے چھوڑ دے گا، چاہو گے تو بیچ دو گے اور چاہو گے تو اپنے پاس رکھ لو گے۔ انھوں نے کہا: ہاں، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

ابنِ صوریا نے کہا: اللہ کی قسم! میں پہلی چیز کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر مجھے تمھاری رسوائی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اسلام قبول کر لیتا اور مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے میری بیٹی شعثاء کو عار دلائی جائے گی۔ اب میں تمھارے ساتھ ہی ہوں حتی کہ مجھے بھی وہی مصیبت پہنچے گی جو تمھیں پہنچے گی۔

سلام بن مشکم نے کہا: تم نے جو کہا، میں مجبور ہو کر تمھارے ساتھ اس میں شریک ہوا ہوں۔ وہ اب ہمیں پیغام بھیجنے والا ہے کہ تم اس علاقے سے نکل جاؤ۔ اے حیی! اس کی بات کے سامنے پس و پیش نہ کرنا اور خوشی سے جلاوطنی قبول کر لینا۔ اس نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا اور اس جگہ سے چلا جاؤں گا۔[1]

سفیرِ نبوی دیارِ بنو نضیر میں

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا:

«اِذْهَبْ إِلٰى يَهُودِ بَنِي نَضِيرٍ، فَقُلْ لَهُمْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَرْسَلَنِي إِلَيْكُمْ أَنِ اخْرُجُوا مِنْ بَلَدِهِ»

[1] سبل الهدى والرشاد: 4/319.

''بنونضیر کے یہودیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمھاری طرف یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم اس کے شہر سے نکل جاؤ۔''

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام دیا کہ تم میرے علاقے سے نکل جاؤ۔ تم نے میرے ساتھ دھوکہ دہی کی بنا پر عہد شکنی کی ہے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ان کی باہمی سازش، غداری اور عمرو بن جحاش کے گھر کے اوپر جانے اور وہاں سے آپ ﷺ کے سر پر ایک بڑی چٹان گرانے کی بات بتائی تو وہ سب کے سب خاموش ہو گئے اور ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم بھی دیا ہے:

«أُخْرُجُوا مِنْ بَلَدِي، فَقَدْ أَجَّلْتُكُمْ عَشْرًا فَمَنْ رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ ضَرَبْتُ عُنُقَهُ»

''میرے علاقے سے نکل جاؤ، میں تمھیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد اگر کوئی نظر آیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔''

یہودِ بنونضیر نے کہا: اے محمد (بن مسلمہ)! ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ قبیلہ اوس کا کوئی شخص ہمارے پاس یہ پیغام لے کر آئے گا (قبیلہ اوس بنونضیر کا حلیف تھا)۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: دل بدل چکے ہیں۔ اسلام نے اوس اور بنونضیر کے درمیان (جاہلیت میں ہونے والے) تمام معاہدے ختم کر دیے ہیں۔

منافقین کا کردار

بنونضیر نے جلاوطنی قبول کرلی اور مدینہ منورہ چھوڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا قاصد ان کے پاس آیا اور انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: عبداللہ بن ابی تم سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلو اور اپنے قلعوں میں مقیم رہو۔ میرے پاس میری قوم اور دیگر عربوں کے دو ہزار جنگجو افراد موجود ہیں جو تمھارے ساتھ قلعے میں داخل ہو جائیں گے اور تمھارا دفاع کرتے ہوئے اپنی جانیں دے دیں گے اور بنوقریظہ کے یہود بھی تمھاری مدد کریں گے۔ وہ تمھیں اکیلا نہیں چھوڑیں گے اور قبیلہ غطفان کے تمھارے حلیف بھی تمھاری مدد کریں گے۔ اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمھارے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ﴾

”(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہل کتاب میں سے کافر ہوگئے، کہتے ہیں: یقیناً اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے۔“[1]

سلام بن مشکم کا انتباہ

عبداللہ بن ابی مسلسل حیی بن اخطب کو پیغام بھیجتا رہا جس سے یہود کو حوصلہ مل گیا۔ بنونضیر کے سردار حیی نے ڈٹ جانے کا عزم کرلیا۔ سلام بن مشکم نے حیی بن اخطب سے کہا: اے حیی! اللہ کی قسم! تمھارے نفس نے تمھیں دھوکے میں ڈال دیا ہے، آؤ محمد (ﷺ) نے ہمیں جو امان دی ہے، اسے قبول کرلیں اور اس کے شہر سے نکل جائیں۔ ابن ابی کی بات کی کوئی اہمیت نہیں، وہ تمھیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے تاکہ تم محمد (ﷺ) کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ اور وہ تمھیں چھوڑ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے جیسا کہ اس نے اس سے پہلے اپنے حلیفوں بنوقینقاع کے ساتھ کیا تھا یہاں تک کہ انھوں نے بدعہدی کی اور جنگ کی اور اپنے آپ کو اپنے قلعوں میں بند کر کے عبداللہ بن ابی کی مدد کا انتظار کرتے رہے۔ وہ جا کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ محمد (ﷺ) نے ان کا محاصرہ کرلیا یہاں تک کہ انھیں مجبور ہو کر اس کے فیصلے کو ماننا پڑا لیکن اس سب کچھ کو سننے کے بعد بھی حیی بن اخطب اپنے فیصلے پر اڑا رہا۔

[1] الحشر 59:11.

عبداللہ بن ابی نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھی قبیلے بنو نضیر کی مدد کریں تو کعب بن اسد نے دوٹوک جواب دیا کہ بنو قریظہ کا کوئی شخص عہد شکنی نہیں کرے گا۔

عبداللہ بن ابی بنو قریظہ کی طرف سے کمک آنے کی امید کھو بیٹھا تھا۔ وہ بنو نضیر اور رسول اللہ ﷺ کے مابین فتنہ کھڑا کرنا چاہتا تھا، اس لیے حیی بن اخطب کو مسلسل پیغامات بھیج کر ڈھٹائی پر آمادہ کرلیا۔ ابن مشکم کی نصیحت نے حیی پر کوئی اثر نہ کیا اور حیی نے اس سے کہا: ہم اپنے قلعوں کی مرمت کرکے ان میں قلعہ بند ہو جائیں گے، اپنے جانور قلعوں میں داخل کرکے تمام راستے بند کرلیں گے، اپنے قلعوں میں پتھروں کا ذخیرہ کرلیں گے۔ ہمارے پاس اتنا اناج ہے جو سال بھر ہمارے لیے کافی ہے اور وافر پانی بھی موجود ہے جس کے چشمے خشک ہونے والے نہیں۔ تیرے خیال میں بھلا محمد (ﷺ) پورا سال ہمارا محاصرہ کرسکے گا؟ میں نہیں سمجھتا کہ وہ ایسا کرے۔

سلام بن مشکم نے اسے بڑا زور لگایا کہ اللہ کی قسم! تو جانتا ہے اور ہمیں بھی معلوم ہے کہ بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کی صفات ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ ہم اس کی اطاعت صرف حسد کی بنا پر قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ آلِ ہارون سے نہیں ہے۔ میری بات مان لو اور ہم اس کا علاقہ چھوڑ جائیں۔ جب پھلوں کے پکنے کا وقت آئے گا تو ہمارے کچھ لوگ آجائیں گے، پھر وہ اپنے پھل بیچ کر یا مناسب حال اپنا کام مکمل کرکے واپس چلے جائیں گے۔ اگر ہم اس بات پر عمل کرلیں تو گویا ہم اپنے علاقے ہی میں ہیں جبکہ ہمارے مال ہمارے قبضے میں ہوں گے کیونکہ اپنی قوم پر اثر و رسوخ اور سیادت و قیادت ہمارے اموال کی بنا پر ہے۔ جب ہمارے ہاتھوں میں ہمارے مال ہی نہیں رہیں گے تو ہمارے اور دوسرے غریب و خوار یہود میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اگر محمد (ﷺ) نے ہماری طرف رخ کرلیا اور ہمارا ایک دن بھی محاصرہ کرلیا، پھر ہم اسے جو بھی پیغام بھیجیں گے، وہ قبول نہیں کرے گا۔ لیکن حیی بن اخطب رسول اللہ ﷺ سے ٹکراؤ کے علاوہ کوئی دوسرا مشورہ تسلیم نہیں کر رہا تھا۔

دیوانے کی بات

بنو نضیر میں ایک بوڑھا شخص ساروک بن ابی الحقیق تھا، وہ لوگ اس کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اس نے کہا: اے حیی! تو بدبخت اور منحوس آدمی ہے، تو بنو نضیر کو ہلاکت میں ڈالے گا۔ دیوانے کی یہ بات سن کر حیی بن اخطب غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا: سارے بنو نضیر میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں حتی کہ یہ پاگل بھی میرے خلاف باتیں بنا رہا ہے۔ ساروک کے بھائیوں نے اس کو مارا پیٹا اور حیی کی منت سماجت کی اور اسے یقین دہانی کرائی کہ آپ فکر نہ کریں، ہم ہر بات میں آپ کے پیچھے ہیں۔ آپ جیسے کہیں گے، ہم ویسے ہی کریں گے۔ ہم ہرگز آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

یہود کا نبوی اطلاع کو مسترد کرنا

حیی پر شیطان مکمل غالب آ چکا تھا۔ اس نے ڈینگ مارتے ہوئے اپنے بھائی جُدیّ بن اخطب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے اور اپنے اموال سے دستبردار نہیں ہوں گے، تم نے جو کرنا ہے کرلو۔ اس نے اپنے بھائی کو یہ بھی حکم دیا کہ محمد (ﷺ) سے فارغ ہو کر عبداللہ بن ابی کے پاس جانا اور اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر کے کہنا: اب تم اپنا مدد کرنے کا وعدہ جلدی پورا کرو۔

جدیّ بن اخطب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے آپ ﷺ کو حیی کا پیغام سنایا۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حیی بن اخطب کا پیغام سن کر تکبیر بلند کی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بآوازِ بلند اللہ اکبر کہا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«حَارَبَتِ الْيَهُودُ»

''یہود جنگ پر تل گئے ہیں۔''

نبی ﷺ کا جنگ کی تیاری کرنا

صرف ذاتِ رسول ﷺ ہی بنو نضیر کی مذموم کوششوں کا ہدف نہ تھی بلکہ انھوں نے اسلامی نظام اور مسلمانوں کی قوت کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر سے نمٹنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ آپ ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور کوچ کا اعلان کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس امر کا احسان جتایا کہ اس نے انھیں یہود کے شر سے محفوظ رکھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''[1]

ابنِ جریر طبری نے اس آیت کی شانِ نزول میں بنو نضیر والے واقعے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ نعمت سے مراد وہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنو نضیر کے برے ارادے سے محفوظ رکھنے

[1] المآئدۃ 11:5.

کے سلسلے میں فرمائی۔

یہودی قاصد ابنِ ابی کے در پر

یہودی قاصد جدیّ بن اخطب رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے اٹھا اور عبداللہ بن ابی کے پاس جا پہنچا۔ ابنِ ابی اپنے حلیفوں کے ساتھ مجلس سجائے بیٹھا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کے خلاف جنگ کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا تھا، چنانچہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے صحابیِ رسول عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے۔ انھوں نے اپنی زرہ پہنی اور اپنی تلوار پکڑ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

جدی بن اخطب کہتا ہے کہ جب میں نے ابن ابی کو گھر کے ایک جانب بیٹھے پایا اور اس کے بیٹے کو مسلح ہو کر مسلمانوں کی جانب جاتے دیکھا تو میں ابن ابی کی طرف سے تعاون کی امید کھو بیٹھا۔ میں تیزی سے نکلا، حیی کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا: کیا صورتِ حال ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ شر ہی شر ہے۔ میں نے محمد (ﷺ) کو تمھارا پیغام دیا تو اس نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور کہا: «حَارَبَتِ الْيَهُودُ» ''یہود لڑائی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔'' حیی نے کہا: یہ تو اس کی چال تھی۔

جدی نے کہا: اس کے بعد میں ابنِ ابی کے پاس گیا۔ حیی نے پوچھا: اس نے کیا جواب دیا؟ جدی نے بتایا: مجھے اس میں کوئی بھلائی نظر نہیں آئی۔ اس نے کہا ہے کہ میں اپنے حلیفوں کو پیغام بھیجوں گا، وہ تمھارے ساتھ قلعے میں داخل ہو جائیں گے۔

دیارِ بنونضیر کا محاصرہ

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال نازک تھی کیونکہ ان کے لیے اپنی تاریخ کے اس نازک موڑ پر دشمنوں سے ٹکراؤ کچھ زیادہ مفید و مناسب نہ تھا۔ اس کا انجام خطرناک ہو سکتا تھا۔ سارا عرب مسلمانوں کے خلاف تھا اور ان کے دو تبلیغی وفود بڑی بے دردی سے تہ تیغ کیے جا چکے تھے، پھر بنونضیر کے یہود اتنے طاقتور تھے کہ ان کا ہتھیار ڈالنا آسان نہیں تھا اور ان سے جنگ مول لینے میں طرح طرح کے خدشات تھے مگر بئر معونہ کے المیے سے پہلے اور اس کے بعد کے حالات نے جو نئی کروٹ لی تھی، اس کی وجہ سے مسلمان قتل اور بدعہدی جیسے جرائم کے سلسلے میں زیادہ حساس ہو گئے تھے اور ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مسلمانوں کا جذبۂ انتقام فزوں تر ہو گیا تھا، لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ چونکہ بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا پروگرام بنایا تھا، اس لیے ان سے بہر حال لڑنا ہے، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی برآمد ہوں، چنانچہ اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ

وادی قناة
بنوحارث بن خزرج
العُریض
بنوعبدالاشہل اور زعوراء
نبیت
بنوظفر
حرۃ واقم
اَلسُّنح
مسجد نبوی
جبل سلع
البقیع
مدینہ منورہ
وادی بطحان
بنوزُریق
بنوواقف
بنوحارث
بنوقینقاع
وادی مہزور
بعاث
حرۃ وبرہ
بنوقریظہ
وادی رانوناء
وادی العقیق
بنوعوف بن خزرج
بنونضیر کے مکانات
بنوعوف بن مالک بن اوس
مسجد قباء
غزوۂ بنونضیر (ربیع الاول 4ھ)

ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے کا انتظام سونپا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کے علاقے میں جا کر عصر کی نماز پڑھی۔

جب بنونضیر نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو انھوں نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لے لی اور قلعہ بند ہو کر فصیل سے تیر اور پتھر برساتے رہے حتیٰ کہ اندھیرا چھا گیا۔ اسلامی لشکر کے جو سپاہی پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی عشاء کی نماز تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد اپنے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

مسجد علی بن ابی طالب، بوفاریک (الجزائر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی کمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ مسلمانوں نے بنونضیر کا محاصرہ کر رکھا تھا، انھوں نے اسی حالت میں رات گزاری اور صبح تک اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرتے رہے۔ فجر کے وقت بلال رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اذان کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دیارِ بنونضیر کی طرف نکل آئے اور بنوخطمہ کے علاقے میں آ کر نماز پڑھی۔

یہودِ بنونضیر کی باہمی چپقلش

بنوقریظہ نے بھی بنونضیر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، چنانچہ انھوں نے ان کی افرادی قوت مضبوط کرنے کے لیے کمک بھیجی نہ رسد کا سامان بھیجا۔ اگلا دن بھی گزر گیا لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ہمنواؤں میں سے کوئی ان کے قریب نہیں پھٹکا۔ وہ اپنے گھروں میں بڑے امن وسکون سے بیٹھے تھے۔ بنونضیر ان کی معاونت ونصرت سے مایوس ہو چکے تھے۔ سلّام بن مشکم اور کنانہ بن صوریا نے حُیی کو طنز کی کہ کہاں ہے ابن ابی کی مدد جس کا تجھے بڑا مان تھا؟ حیی نے کہا: میں کیا کروں؟ یہ مصیبت ہمارے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔

منافقین کی مذمت

بنوعوف بن خزرج سے تعلق رکھنے والے منافقین نے بنونضیر کو بڑی تسلیاں دی تھیں اور ان سے جھوٹے وعدے کیے تھے۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن ابی، ودیعہ، مالک بن ابوقوقل، سوید اور داعس سرِ فہرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ ﴾

''(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہوگئے، کہتے ہیں: یقیناً اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ (منافقین) ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''[1]

منافقین اپنے وعدے میں جھوٹے تھے کیونکہ انھوں نے یہود سے زبانی وعدہ تو کیا تھا مگر ان کی نیت یہ تھی کہ وہ اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کریں گے کیونکہ بُزدلی و کم ہمتی کی وجہ سے وہ لشکرِ اسلام کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔

منافقین و یہود کے باہمی برتاؤ کی مثال

یہود اور منافقین بظاہر ایک دوسرے کے حلیف و مددگار تھے لیکن دونوں گروہ دلی طور پر ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال اس طرح بیان فرمائی:

﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾

''آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ (ان کی مثال) ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر میں) اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں۔ بے شک میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا ان دونوں کا انجام یہی ہے کہ بے شک وہ ہمیشہ (دوزخ کی) آگ

[1] الحشر 59:11، 12.

میں رہیں گے اور ظالموں کی سزا یہی ہے۔"[1]

گویا منافقین کا کردار شیطان کا سا تھا۔ یہود منافقین کے وعدے سے دھوکا کھا گئے، جب حقائق سامنے آئے اور ان کا محاصرہ کر لیا گیا تو منافقین ان سے الگ ہو گئے اور انھیں ہلاکت کے سپرد کر دیا۔ اسی طرح شیطان جب انسان کو کفر پر آمادہ کر کے کفر کرا لیتا ہے تو خود بری الذمہ اور لاتعلق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

محاصرے میں یہود کے مقتولین

رسول اللہ ﷺ زرہ پہن کر شب و روز بنونضیر کے محاصرے میں مشغول تھے۔ ایک رات سیدنا علی رضی اللہ عنہ عشاء کے وقت کہیں چلے گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے کہا: اللہ کے رسول! علی نظر نہیں آ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَإِنَّهُ فِي بَعْضِ شَأْنِكُمْ»

"اسے چھوڑو، وہ تمھارے ہی کسی کام گئے ہوں گے۔"

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ عَزْوَک نامی یہودی کا سر قلم کر کے لے آئے۔ اس یہودی نے رسول اللہ ﷺ کے خیمے پر تیر اندازی کی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا سر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اس خبیث کی گھات میں چھپا بیٹھا تھا۔ جب شام کا وقت ہوا تو یہ دھوکے سے ہم پر شب خون مارنا چاہتا تھا۔ یہ اپنے یہودی ساتھیوں کے ہمراہ اپنی تلوار سونتے ہوئے آ رہا تھا تو میں نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ نکلے، وہ ابھی قریب ہی ہوں گے۔ اگر آپ میرے ساتھ کچھ جانباز بھیج دیں تو مجھے امید ہے، میں ان کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ابودجانہ اور سہل بن حنیف سمیت دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ بھیجا۔ وہ یہودی ابھی اپنے قلعوں میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اسلام کے شاہینوں نے انھیں پا لیا اور ان تمام کو قتل کر کے ان کے سر آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے انھیں کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کے سر بنوخطمہ کے ایک ویران کنویں میں پھینک دیے گئے۔

کھجوروں کے باغات کاٹنے کا حکم

یہودِ بنونضیر اپنے قلعوں کی فصیلوں سے پتھر اور تیر برسا رہے تھے۔ کھجوروں کے باغات ان کے لیے سپر کا کام دے

[1] الحشر 59:14-17.

رہے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ کر جلا دیا جائے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ ذمے داری دو صحابہ کرام ابولیلیٰ مازنی اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کو سونپی گئی۔ ابولیلیٰ مازنی عجوہ کھجوروں کو جلا رہے تھے اور عبداللہ بن سلام لینہ (ہلکی قسم کی کھجوریں) کاٹ کر آگ میں جھونک رہے تھے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لینہ وہ ردی کھجوریں ہوتی تھیں جو اونٹوں کے چارے میں استعمال کی جاتی تھیں اور یہ عجوہ اور برنی کے سوا کھجوروں کی قسم ہے۔ عجوہ اور برنی لوگ کھانے میں استعمال کرتے تھے۔

سیدنا ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: عجوہ کھجوروں کا جلنا ان (یہود) کے لیے زیادہ تکلیف کا باعث ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کے مال غنیمت کے طور پر دے گا اور عجوہ ان (یہود) کا بہترین مال ہے۔

یہود کا احتجاج

بنونضیر نے جب اپنے کھجوروں کے باغات کٹتے اور آگ میں بھسم ہوتے دیکھے تو یہودِ بنونضیر کی عورتیں فرطِ غم سے اپنے گریبان چاک کرنے لگیں، اپنے رخسار پیٹنے لگیں اور انھوں نے واویلا شروع کر دیا۔ ان سے کسی صورت یہ برداشت نہ ہوا کہ ان کے لدے پھندے کھجوروں کے باغات اس طرح آناً فاناً تباہ و برباد ہو جائیں اور ان کی جمع پونجی ضائع ہو جائے۔ یہود مال کے سب سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ بنونضیر کے یہودی سرداروں نے نبیِ کریم ﷺ کو فوراً پیغام بھیجا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کی شان بڑی عظمت والی ہے، آپ تو زمین میں فساد سے منع فرماتے ہیں اور فساد برپا کرنے والوں کو نہایت برا سمجھتے ہیں تو اب خود کھجوروں کے باغات جلانے اور کاٹنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟

کاٹنے اور جلانے کی اس کارروائی میں یہودیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تائید میں اور یہودیوں کے واویلے کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

”تم نے جو بھی کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔“[1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

[1] الحشر 5:59.

عَلٰٓی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے بنونضیر کو ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ بات مسلمانوں کے سینوں میں کھٹکی اور انھوں نے کہا کہ ہم نے بعض درختوں کو کاٹ دیا اور بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کریں گے کہ درخت کاٹنے کی وجہ سے بھی ہمیں اجر ملے گا اور جن کو چھوڑ دیا ہے، کیا ان کی وجہ سے ہمیں گناہ ملے گا؟ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ (مذکورہ) آیت کریمہ نازل فرما دی۔[1]

یعنی تم نے کھجوروں کے جن درختوں کو کاٹا اور جن کو چھوڑ دیا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن، مشیت اور تقدیر و رضا کے مطابق تھا، اس میں دشمن کی توہین و تذلیل اور ذلت و رسوائی تھی۔

اسی کی طرف سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے:

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

''بنولؤی (قریش) کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ بویرہ میں چاروں طرف آگ کے شعلے بلند ہوں (بویرہ بنونضیر کے نخلستان کا نام تھا)۔''

یہود کا اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دینا

جب یہودی عورتوں کی آہ و بکا اور چیخ و پکار بلند ہوئی تو ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے انھیں جھوٹی تسلیاں دیتے ہوئے کہا: کیا ہو گیا ہے اگر یہاں سے عجوہ کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے ہیں، ہمارے لیے خیبر میں عجوہ کے درخت بہت ہیں۔ ان میں سے ایک بوڑھی عورت نے بڑے تعجب سے کہا: خیبر! وہاں بھی یہ تاریخ دہرائی جائے گی۔ سلام نے اسے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے دانت گرائے۔ خیبر میں ہمارے دس ہزار جنگجو حلیف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ مسکرا پڑے۔

تدبیر کے شاطر مات کھا گئے

محاصرے نے کچھ زیادہ طول نہیں پکڑا تھا بلکہ صرف چھ رات یا بقول بعض پندرہ رات جاری رہا۔ بنونضیر کی مدد کو کوئی نہ آیا۔ ابن ابی اپنے عیش کدے میں آرام کر رہا تھا اور ان کے غطفانی حلیف اپنی موج مستیوں میں مگن تھے۔

[1] السنن الكبرٰی للنسائي :6/483، حديث : 11574، جامع الترمذي :3303، الروض الأنف :3/388، تفسير ابن كثير، الحشر 5:59.

ادھر مسلمانوں نے یہود کے درختوں کو کاٹ جلا کر انھیں مزید گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب بھر دیا۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکلنے کو تیار ہیں۔ آپ ہمیں پر امن جلاوطنی کا موقع دیں۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی اور حکم دیا:

«أُخْرُجُوا مِنْهَا وَلَكُمْ دِمَائُكُمْ وَمَا حَمَلَتِ الْإِبِلُ إِلَّا الْحَلْقَةَ»

''مدینہ سے نکل جاؤ، تمھاری جانیں محفوظ رہیں گی۔ تمھارے اونٹ جو سامان اٹھا سکیں، وہ بھی لے جاؤ، سوائے اسلحہ کے۔''

جلاوطنی کی شرائط

بنو نضیر کے ساتھ جلاوطنی کی مندرجہ ذیل شرائط طے کی گئیں:

- بنو نضیر کے یہود مدینہ منورہ کے علاقے سے جہاں چاہیں، کوچ کر جائیں۔
- یہود مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے کے وقت مکمل طور پر بغیر ہتھیار ہوں گے۔
- ہتھیاروں کے سوا یہود جس قدر اپنے اموال اپنے اونٹوں پر لے جا سکتے ہوں، وہ لے جائیں۔
- یہود کے مقدور بھر اموال اٹھا لینے کے بعد ان کے جو منقولہ وغیر منقولہ اموال بچ جائیں گے، وہ مسلمانوں کی ملکیت ہوں گے۔

جلاوطنی کے نگران اور یہود کے عذر بہانے

بنو نضیر کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کی ذمے داری سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔ اس وقت یہود نے ایک اور عذر کیا کہ یہاں کے بہت سے لوگ ہمارے مقروض ہیں۔ وہ قرض انھیں مقرر مدت کے بعد ادا کرنا ہے، ان کا کیا بنے گا؟ ان کا مقصد تھا کہ ہمیں مدینہ میں ٹھہرنے کا مزید موقع مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَجَّلُوا وَضَعُوا»

''تم (سود ختم کر کے) قرضے کی رقم کم کر دو اور جلدی کرو۔''

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیس دینار لینے تھے، چنانچہ اس نے 40 دینار سود ختم کر کے اصل زر اسّی (80) دینار وصول کر لیے۔

بنو نضیر میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے

جب نبی کریم ﷺ نے جلاوطنی کی شرائط عائد کیں تو ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب سے کہا: تیرا ناس ہو! اسلام قبول کر لے، اس سے پہلے کہ اس سے بھی بدتر انجام بھگتنا پڑے۔ حیی نے کہا: اس سے بدتر انجام کیا ہو سکتا ہے؟ ابورافع نے کہا: ہمارے بال بچوں کو قید کر لیا جائے گا۔ ہمارے بہادر قتل ہوں گے اور ہمارے اموال مسلمانوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ آج مال چھوڑ کر جانیں بچانا آسان ہے۔ اگر ہم نے کوئی فتنہ کھڑا کیا تو اس کا انجام قتل اور قید ہی ہوگا۔ حیی ایک دو دن اس فیصلے پر سوچتا رہا۔

قلعہ قموص جہاں ام المومنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا غزوہ خیبر کے موقع پر پناہ گزیں ہوئیں

جب یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وہب نے ان کی یہ کشمکش دیکھی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: بلاشبہ تمھیں پتہ ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں تو کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ ہم مسلمان ہو جائیں؟ اس طرح ہمارے مال اور جانیں محفوظ ہو جائیں گی، چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں اپنے قلعوں سے نکلے اور اسلامی عسکر گاہ میں آ گئے۔ انھوں نے اسلام قبول کر کے اپنے جان و مال محفوظ کر لیے۔

عمرو بن جحاش کا قتل

جب بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَمْ تَرَمَا لَقِيتُ مِنِ ابْنِ عَمِّكَ وَمَا هَمَّ بِهِ مِنْ شَأْنِي؟»

”تم نے دیکھا نہیں کہ مجھے تمھارے چچا کے بیٹے کی طرف سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اس نے میرے بارے میں کیا ارادہ کیا تھا؟“

یامین نے جواب دیا: اللہ کے رسول! میں آپ کی طرف سے اسے کافی ہو جاؤں گا، چنانچہ انھوں نے بنو قیس سے ایک کرائے کا قاتل لیا اور اسے دس دینار اور ایک روایت کے مطابق پانچ وسق (تقریباً 20 من) کھجوریں دیں اور اس کو عمرو بن جحاش کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ اس شخص نے موقع پا کر عمرو بن جحاش کو قتل کر دیا۔ یامین بن

عمیر رضی اللہ عنہ نے آکر نبی ﷺ کو اس کے قتل کی خوشخبری دی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے۔

جلاوطنی کی تکمیل کیسے ہوئی؟

جلاوطنی کے اس فیصلے کے نتیجے میں بنونضیر کے یہودی مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونے لگے اور وہ اپنی طاقت کے مطابق جو کچھ اونٹوں پر لاد سکتے تھے، لادنے لگے حتی کہ ان میں سے ایک شخص اپنے گھر کے دروازے کی چوکھٹ اکھیڑتا اور اسے اپنے اونٹ کی پیٹھ پر رکھتا اور اپنے بیوی بچے اونٹ پر سوار کر کے نکل بھاگتا۔

بنونضیر کے یہود سب سے زیادہ مالدار تھے اور انھوں نے ان اموال کے چھ سو اونٹ لادے جنھیں وہ اٹھا سکتے تھے اور وہ اس مال کو اٹھانے کے لیے اس چیز کو منتخب کرتے تھے جس کا بوجھ کم ہو اور قیمت زیادہ ہو۔ یہود سونا چاندی جمع کرنے کے بہت حریص تھے۔ انھوں نے اپنے سونے چاندی کی بڑی مقدار اٹھالی حتی کہ اکیلے سلام بن ابی الحقیق نے اپنے ساتھ بیل کے چمڑے سے بنا بورا اٹھا لیا جو سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا اور وہ مدینہ سے نکلتے وقت سونے چاندی سے بھرپور چمڑے کے بورے پر ہاتھ مارتا اور مسلمانوں پر دھمکی آمیز غصہ جھاڑتے ہوئے کہتا تھا: ہم نے اسے زمین کو زیر و زبر کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔

اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا منظر

یہود کے لیے مال و زر لے جانا جتنا ممکن تھا، انھوں نے اسے لے جانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ جو چیز وہ ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے، اسے خراب کر دیا تاکہ مسلمان اس سے استفادہ نہ کرسکیں۔ یہود مدینہ کو چھوڑتے وقت اپنے گھروں کی چھتوں، ستونوں اور دیواروں کو توڑتے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کے کام نہ آسکیں، اپنے گھروں کی تباہی اپنے ہاتھوں سے کر کے وہ چلتے بنے اور جو چیز ان کے گھروں سے باہر تھی، اسے مسلمانوں نے کاٹ کر جلا دیا تھا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝﴾

”وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔“[1]

جلاوطنی کے وقت یہود کا مظاہرہ

بنونضیر جلاوطنی کے وقت بظاہر بڑے خوش نظر آرہے تھے جبکہ ان کے سینے آتشدان بنے ہوئے تھے جن سے کسی

[1] الحشر 59:2.

بھی وقت آگ کے الاؤ بھڑک اٹھتے۔ مدینہ چھوڑتے وقت انھوں نے بڑی دھوم دھام کا مظاہرہ کیا تاکہ مسلمان خوش نہ ہوں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کو اچھلتے کودتے چھوڑا۔ انھوں نے اپنی عورتوں کو ہودجوں پر آراستہ کر کے سوار کیا۔ وہ دیباج و حریر اور سرخ و سبز ریشم اور سونے چاندی کے زیورات پہنے ہوئے تھیں اور ان کے ساتھ گلوکارائیں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور گیت گا رہی تھیں۔ وہ قطار در قطار روانہ ہو رہے تھے۔

ربیع الاول 4 ھ/625ء میں اسلام کا یہ مقدس مرکز اس خبیث دشمن سے پاک ہوگیا جس کی فطرت میں اسلام کی عداوت، عہد شکنی، وعدہ خلافی اور شیطانی منصوبہ سازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پیچھے بنو قریظہ رہ گئے تھے جو شوال 5 ھ/ فروری 627ء میں اپنے انجام کو پہنچے۔

بنونضیر کی نئی جائے سکونت

بنونضیر کو جب جلاوطنی کا حکم ہوا تو ان کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ سارے جزیرہ نمائے عرب سے نکل جائیں بلکہ ضروری یہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ سے نکل جائیں اور اس کے سوا جہاں چاہیں آباد ہو جائیں، چنانچہ ان میں سے کچھ تو شام کے علاقے اذرعات کی طرف چلے گئے اور اکثر نے خیبر کا رخ کیا۔ خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً 96 میل (155 کلومیٹر) دور ہے اور یہ جزیرہ نمائے عرب میں پناہ گزین یہودیوں کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ اس میں مسلح جنگجوؤں کی تعداد دس ہزار تھی۔ علاوہ ازیں وہاں یہودیوں کے بہت سے قلعے بھی تھے اور یہ علاقہ زرعی دولت سے مالا مال تھا۔

رومی تھیٹر کے آثار، درعا (اذرعات)، شام

جزیرہ نمائے عرب کے تمام یہودی بنونضیر کی سیادت و قیادت کے قائل تھے کیونکہ یہ اپنے آپ کو سیدنا ہارون علیہ السلام کی نسل قرار دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ شاطر ذہنیت کے مالک تھے، چنانچہ جب بنونضیر کے یہود خیبر چلے گئے تو وہاں یہود کی طاقت و قوت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کا نسبی تعلق

ابراہیم علیہ السلام
اسحاق علیہ السلام
یعقوب علیہ السلام
یوسف علیہ السلام
نافس
نفتالی
صارون
بنیامین
یوحنان
مَنسّیٰ
عمشیل
قینقاع
لاوی
عمران
موسیٰ علیہ السلام
ہارون علیہ السلام
ناخوم
نحام
نضیر
ابوالحبیب
خزرج
اخطب
حیي
صفیہ رضی اللہ عنہا
ام المؤمنین
عیزر
عازر
یسع
سبط
صریح
خزرج
نمام
قریظہ

ان میں بنونضیر کے اکابر حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع جیسے لوگ بھی تھے۔ خیبر کے یہودی جنگی صلاحیت و مہارت میں ممتاز اور فائق تھے لیکن بنونضیر کے یہودی جنگ کی نسبت سیاسی بصیرت میں آگے تھے۔ خیبر میں قدم رکھتے ہی انھوں نے بڑی سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو سیادت و قیادت کے منصب پر فائز کرلیا اور اس کے نتیجے میں خیبر مسلمانوں کے لیے بڑا جنگی محاذ بن گیا۔

اسلام میں زبردستی نہیں

بنونضیر میں انصار کے کچھ بیٹے تھے جو یہود کے زیرِ تربیت رہ کر یہودیت اختیار کر چکے تھے، اس لیے وہ بھی بنونضیر کے ساتھ جلا وطن ہوگئے۔ امام ابوداود سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ کسی عورت کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو وہ نذر مان لیتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ جب بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا تو ان میں انصار کے کئی بیٹے تھے۔ انصار نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو نہیں جانے دیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
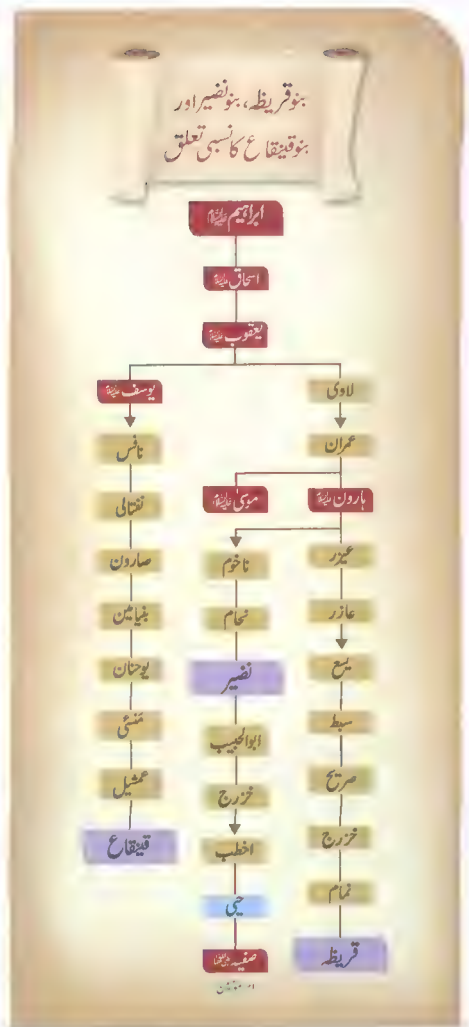
﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرة2:256)

”دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہوچکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[1]

[1] سنن أبي داود: 2682.

بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال

بنونضیر کے چلے جانے کے بعد ان کے اموال، ان کا اسلحہ، باغات، زمینیں اور مکانات رسول اللہ ﷺ نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ ہتھیاروں میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

مال فے اور اس کی تقسیم

بنونضیر کے یہ باغات، زمینیں اور مکانات خالص رسول اللہ ﷺ کا حق تھا۔ آپ ﷺ کو اختیار تھا کہ آپ ان میں اپنی مرضی سے تصرف فرمائیں، اپنے لیے محفوظ رکھیں یا جس کو چاہیں عنایت کریں۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کی طرح اس کا خمس نہیں نکالا کیونکہ یہ مالِ فے تھا۔ مال فے سے مراد ہر وہ مال ہے جو کفار سے لڑائی بھڑائی اور اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر حاصل کیا جائے جیسا کہ بنونضیر سے لیے گئے یہ اموال تھے۔ ان کے سلسلے میں مسلمانوں نے دشمنوں سے لڑائی نہیں کی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے دلوں میں اپنے رسول ﷺ کی ہیبت اور رعب ڈال دیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کا مال دلوایا۔ آپ ﷺ نے ان اموال کو مسلمانوں میں تقسیم فرمایا تا کہ وہ انھیں نیکی کے امور میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

”اور اللہ نے ان (بنونضیر) سے اپنے رسول کی طرف جو (مال) لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا، نہ اس کے حکم کو ٹالا جا سکتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر سے حاصل ہونے والے مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیے، انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے کہا:

«اُدْعُ لِي قَوْمَكَ»

”میرے لیے اپنی قوم کو اکٹھا کرو۔“

انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! بنوخزرج کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] الحشر 6:59.

«اَلْأَنْصَارَ كُلَّهَا»

”(نہیں) تمام انصار کو۔“

سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے سارے اوس و خزرج کو اکٹھا کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے خطاب فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر انصار کے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ فرمایا اور مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دینے کو بہت سراہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ أَحْبَبْتُمْ قَسَمْتُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ، وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ عَلٰى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ السُّكْنٰى فِي مَسَاكِنِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَعْطَيْتُهُمْ وَخَرَجُوا مِنْ دُورِكُمْ»

”اگر تم چاہو تو میں یہ مال جو اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر سے میری طرف لوٹایا ہے، اس کو تمھارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دوں۔ مہاجرین حسب سابق تمھارے مکان اور تمھارے اموال استعمال کرتے رہیں۔ اور اگر تم چاہو تو میں یہ مال ان کو دے دوں اور وہ تمھارے گھروں سے الگ ہو جائیں۔“

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیں اور وہ معمول کے مطابق ہمارے گھروں ہی میں رہیں۔ اس پر تمام انصار نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے رسول! ہم راضی ہیں اور ہمیں یہ فیصلہ منظور ہے۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور انھیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ»

”اے اللہ! انصار اور ان کی اولادوں پر رحم فرما۔“

رسول اللہ ﷺ نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیے۔

آپ نے انصار میں سے صرف دو آدمیوں کو فقر و تنگ دستی کی وجہ سے مال عنایت فرمایا۔ ان کے نام ابودجانہ سماک بن خرشہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے اس میں سے کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا جس میں سے آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے سال بھر کا خرچہ نکالتے۔ غریبوں میں تقسیم کرتے اور جو بچ جاتا، اس کو جہاد کی تیاری میں صرف کرتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال اپنے رسول ﷺ کو دلوائے تھے اور مسلمانوں نے

ان پر اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ یہ اموال رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے خاص تھے۔ آپ ﷺ انھی اموال میں سے اپنے اہل و عیال کو سال بھر کا خرچہ، ایک روایت کے مطابق سال بھر کی خوراک، دے دیتے تھے اور جو اموال بچ جاتے تھے، انھیں اللہ کے رستے میں جہاد کرنے کے لیے جانور اور ہتھیار خریدنے کے لیے صرف کر دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے باغات پر اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافع کو مقرر کیا۔ آپ ﷺ ان باغات اور مخیریق کے باغ سے غریبوں میں صدقات کی تقسیم فرماتے۔ یہ سات باغ تھے جن کے نام یہ ہیں: میثب، صافیہ، دلّال، حُسنی، بُرقہ، اعواف اور مشربہ اُمِ ابراہیم جس میں آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رہتی تھیں اور آپ ﷺ ان کے پاس حسبِ معمول آتے تھے۔

بنو نضیر کی جلاوطنی سے منافقین کو دکھ

مشربہ ام ابراہیم کا مقام (مدینہ منورہ)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بنو نضیر کی جلاوطنی سے منافقین کو بہت دکھ ہوا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ان کے دست و بازو تھے۔ جس روز بنو نضیر جلاوطن ہوئے، اس روز میں زید بن رفاعہ بن تابوت سے ملا۔ وہ عبداللہ بن ابی کے ساتھ بنو غنم کے حوالے سے بات چیت کر رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا: بنو نضیر کے چلے جانے سے مدینہ وحشت ناک ہو گیا ہے۔ لیکن اگر وہ یہاں سے چلے گئے ہیں تو کوئی بات نہیں، وہ اپنے صاحبِ ثروت اور معزز حلیفوں کے پاس گئے ہیں جہاں پہاڑوں کی بلندیوں پر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے مضبوط قلعے ہیں۔ وہ اس طرح باتیں کرتے رہے۔ میں کچھ دیر کھڑا ان کی یاوہ گوئیاں سنتا رہا۔ وہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کرنے والے تھے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 1/308-320، البداية والنهاية: 4/76-82، السيرة لابن هشام: 3/199-204، فتح الباري: 7/412-417، دلائل النبوة للبيهقي: 3/176-186، تاريخ الطبري: 2/223-226، السيرة النبوية للصلابي: 2/184-190، زاد المعاد: 3/246-249، موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 1/402-412.

سورۂ حشر کے تناظر میں غزوۂ بنونضیر

سورۂ حشر تمام کی تمام واقعۂ بنونضیر پر مشتمل ہے۔ حبرُ الأمہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو اس سورت کو سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے روبرو کہا: ''سورۃ الحشر۔'' انھوں نے کہا: بلکہ تم اس سورت کو ''سورۂ بنی نضیر'' کہو۔[1]

سورۂ حشر نے غزوہ بنونضیر کے تمام متعلقہ امور واضح کر دیے ہیں اور بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ اور مالِ فے کے احکام و مصارف بھی ذکر کیے ہیں۔ یہود سے منافقین کا تعلق واضح کیا ہے۔ یہود کے نفسیاتی حقائق طشت از بام کیے ہیں۔ یہود سے منافقین کے گہرے تعلق کو مثال دے کر نمایاں کیا ہے۔ جنگ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے تقویٰ اختیار کرنے اور نافرمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بلند شان اور اپنے لائق بعض بلند و بالا صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۂ حشر پر غور کرنے سے کئی ایک حکمتیں اور عبرتیں سامنے آتی ہیں اور بنونضیر کی سازشیں اور اسلام دشمنی نمایاں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا تذکرہ

سورت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہوتی ہے اور یہ کہ تمام مخلوقات جن، انسان، حیوان، نباتات اور جمادات اللہ تعالیٰ کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور بزرگی کے شاہد ہیں اور اس کی عظمت کے گن گاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہی غالب ہے، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

ابتدا ہی میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے، وہ کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کرتا اور بغیر مصلحت کے کوئی حکم جاری نہیں کرتا۔ اس کا بنونضیر کے خلاف اپنے پیغمبر کی مدد کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا۔ جب

[1] صحيح البخاري :4029. [2] الحشر 1:59.

بنو نضیر نے بدعہدی کی تو انھیں ان کے محبوب گھروں سے نکال باہر کیا گیا۔[1]

اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے

اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کو ان کے مضبوط قلعوں سے باہر نکال دیا۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ ان کے مضبوط قلعے ان کو تحفظ فراہم کریں گے، مگر ان کی کوئی امید بر نہ آئی اور وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنی ویرانی کر کے نکل بھاگے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝﴾

”وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی، پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔“[2]

یعنی ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایسا حکم آ گیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:

﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (النحل 26:16)

”ان سے پہلے لوگوں نے بھی یقیناً ایسی ہی مکاریاں کی تھیں تو اللہ (کا حکم) ان کی عمارتوں کی بنیادوں پر آ پہنچا، پھر ان پر چھت ان کے اوپر سے گر پڑی اور (اس طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا۔“[3]

اقبال اور زوال کے اصل اسباب و عوامل

سورۂ حشر کی دوسری آیت پر غور و فکر سے پتہ چلتا ہے کہ یہود بنو نضیر کو ان کے گھروں سے مقامِ محشر (شام) کی

---

[1] تفسير السعدي، الحشر 1:59. [2] الحشر 2:59. [3] تفسير ابن كثير، الحشر 2:29.

طرف نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، حالانکہ بنونضیر کے پاس تمام مادی وسائل موجود تھے، انھیں اپنے مضبوط قلعوں پر اندھا یقین تھا، وہ اس نشے میں تھے کہ کوئی مائی کا لال انھیں ان کے قلعوں سے نہیں نکال سکتا۔ لیکن قادرِ مطلق نے ایسے زبردست طریقے سے ان کی گرفت فرمائی کہ وہ ہکا بکا رہ گئے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ یہ کچھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا اس قدر رعب ڈال دیا کہ ان کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ اپنے گھر خود ویران کرنے لگے۔ بنونضیر کی اس جلاوطنی میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں چمک رہی ہیں اور قرآن کریم میں اقبال وزوال کی وجوہ کے طور پر جابجا نمایاں ہیں۔

قرآن کریم کا اسلوب ''کلام الملوک ملوک الکلام'' کے مصداق یکسر جداگانہ ہے۔ بھلا اس اسلوب تک عام مؤرخوں اور سیرت نگاروں کی رسائی کہاں؟ قرآن کریم اصل حقائق اجاگر کرتا ہے اور حالات وحوادث کے مخفی امور کی طرف انگشت نمائی کردیتا ہے۔ قرآن نے صاف بتلا دیا ہے کہ حالات وحوادث کا اصل خالق اللہ رب العزت ہے جو افراد اور اقوام قوانینِ قدرت سے بغاوت کرتے ہیں، ان کا مقدر ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہود اللہ کے باغی تھے۔ حق وصداقت کے دشمن تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا چراغ زندگی صرف اس لیے بجھا دینے کے درپے تھے کہ آپ ﷺ لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف اور گمراہی سے ہدایت کی طرف کیوں بلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کی دربدری کی شکل میں ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ ان کی رسوائی انھی کے کیے دھرے کی سزا ہے۔

حالات کی تبدیلی اعمال کی تبدیلی پر موقوف ہے۔ اصلاح احوال کی تنہا صورت یہی ہے کہ اللہ کی ذاتِ عالی پر ایمان محکم بنایا جائے۔ اور رسالت مآب ﷺ کی سنت کے مطابق اعمالِ صالحہ انجام دیے جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمام مصائب ومکروہات دور فرما دیتا ہے اور زبوں حالی کی جگہ کامیابی اور سرفرازی کا تاج پہنا دیتا ہے۔ غزوہ بنونضیر کا اصل سبق یہی ہے۔

رجوع الی اللہ مدد کا انتہائی قریبی اور یقینی راستہ ہے

غزوۂ بنونضیر ہر دور میں امت کے لیے ایک سبق لیے ہوئے ہے کہ مدد کا رستہ انتہائی قریب ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اسی پر اعتماد، اس کے احکام کو تسلیم کرنا اور اس کے حق کو قبول کرنا۔ مومن جب یہ بات جان لیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد فرمائے گا، خواہ ان کا دشمن کتنا ہی قوی اور تعداد میں زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تو کوئی چیز ہرا نہیں سکتی۔ اس کا ثبوت بنونضیر کی وطن بدری ہے۔ عقل مند وہی ہے جو غیر سے عبرت حاصل کرے۔[1]

[1] حدیث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص: 271,270.

دشمن کی مملوکہ اشیاء کو تباہ کرنا

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے ہمراہ بنونضیر کی بستی میں پہنچ کر ان کا محاصرہ کرلیا۔ وہ قلعہ بند ہوگئے، تب آپ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے آوازیں دیں: اے محمد! آپ تو فساد سے منع کرتے تھے اور فسادی کو معیوب سمجھتے تھے، یہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا کیسا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

”تم نے جو بھی کھجور کا درخت کاٹا یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑ دیا تو (یہ) اللہ کے حکم سے ہے تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔“[1]

الشیخ ابوزہرہ نے اس آیت کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ فقہاء کی آراء ذکر کرنے کے بعد انھوں نے لکھا ہے:

اصل تو یہ ہے کہ دورانِ جنگ درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ عمارتوں کو خراب کیا جائے۔ جنگ کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام کو ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی جائے۔ متعدد آیات و احادیث سے یہی چیز واضح ہوتی ہے۔

لیکن جب درخت کاٹنا اور عمارتیں گرانا جنگی ضرورت بن جائے، مثلاً: دشمن ان کے پیچھے چھپا ہو اور اسلامی لشکر کو ایذا رسانی کے لیے انھیں آڑ کے طور پر استعمال کر رہا ہو تو ایسی صورتِ حال میں درختوں کے کاٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس صورت حال میں یہ فعل جنگی ضرورت بن چکا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر اور ثقیف کے محاصرے میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

جن فقہاء نے عمارتیں گرانے یا درخت اکھاڑنے کی اجازت دی ہے، ان کے قول کو جنگی ضرورت پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی بنیاد محض دشمن کو تکلیف دینا یا فساد نہیں ہے۔ دشمن عوام نہیں بلکہ صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو جنگ کے لیے ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوں۔[2]

مالِ فے

مالِ فے سے مراد وہ مال ہے جو کفار سے جنگ کیے بغیر محض رعب و ہیبت کی بنا پر حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال اپنے رسول ﷺ کو دیے تھے۔ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد مسلمانوں نے جو اموال قبضے میں

[1] الحشر 5:59. [2] خاتم النبيين لأبي زهرة :269-265/2.

لیے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم واضح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور اللہ نے ان سے اپنے رسول کی طرف جو (مال) لوٹایا تو اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، غلبہ دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ سخت جنگ لڑے بغیر بنونضیر سے حاصل شدہ اموال محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔ مسلمان دشمن کی طرف بڑھے تو تھے مگر نہ گھوڑوں پر سوار ہوئے، نہ اونٹ استعمال کیے۔ مسلمانوں نے بغیر جنگ کے انھیں مغلوب کرلیا اور جلاوطن کر کے اموالِ غنیمت قبضے میں لے لیے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا، رسول اللہ ﷺ نے یہ مال صرف کیا۔

مالِ فے کے مصارف

بنونضیر سے حاصل ہونے والا مالِ فے رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اللہ کے بیان کردہ مصارف میں خرچ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کے مصارف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

''اللہ اپنے رسول کی طرف بستیوں والوں (کے مال) سے جو کچھ لوٹا دے، تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور (ان کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''[2]

مالِ فے سے مہاجرین کی خود انحصاری

رسول اللہ ﷺ نے انصار کو جمع کر کے ان کو اعتماد میں لیا اور ان سے رائے لے کر آپ ﷺ نے بنونضیر سے حاصل ہونے والا مال مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔ صرف دو محتاج و تنگ دست انصاری صحابہ ابودجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو اس مال سے عطا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے انصار کی رائے لی تاکہ اموال کی تقسیم کے متعلق ان کے دل مطمئن رہیں۔ سیاسی امور کے

[1] الحشر 6:59. [2] الحشر 7:59.

سلسلے میں آپ ﷺ کا یہی عمدہ طرزِ عمل تھا۔ اس تقسیم کا مقصد یہ تھا کہ انصار کے بوجھ کو کم کیا جائے، چنانچہ مہاجرین بنونضیر کے گھروں میں جا بسے اور انصار کے گھر مالکوں کو واپس کر دیے گئے۔ بعض مہاجرین نے اپنے آپ کو غنی سمجھتے ہوئے اس میں سے حصہ نہ لیا۔ گویا مہاجرین کے معاشی حالات میں بتدریج بہتری آ رہی تھی۔[1]

نئی مالی پالیسی کا نفاذ

بنونضیر کے اموال کی تقسیم نے اسلامی حکومت کی مالی پالیسی میں اچھے اور مستحسن اقدام کا اضافہ کیا۔ اس سے پہلے جنگی غنیمتیں قرآن کے متعین کردہ خمس کے علاوہ صرف مجاہدین میں تقسیم ہوتی تھیں لیکن بنونضیر کے اس غزوے کے بعد غنائم کے متعلق نئی مالی پالیسی کا اضافہ ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگی غنیمتیں دو اقسام کی ہو گئیں:

- وہ مالِ غنیمت جو مجاہدین نے تلوار کے زور پر حاصل کیا تھا، خمس کے سوا سارے کا سارا مجاہدین میں تقسیم ہونا قرار پایا۔
- وہ غنائم جو اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے مجاہدین کے ہاتھ میں دی تھیں، اس قسم کے مال کا مکمل اختیار اسلامی حکومت کے سربراہ کو حاصل ہے کہ وہ مصلحت کے پیشِ نظر جہاں چاہے، خرچ کرے۔ چاہے تو ملک کی اقتصادی حالت بہتر کرنے کے لیے خرچ کرے یا فقراء کو غربت کی دلدل سے نکالنے، اسلحہ خریدنے، نئے شہر آباد کرنے یا راستے درست کرنے پر خرچ کرے۔ مقصد یہ ہے کہ حاکم وقت کے پاس خاص بجٹ موجود ہے جو وہ خاص مصلحت کے تحت فی الفور خرچ کر سکتا ہے۔

مالِ فے کے مستحق مہاجرین و انصار کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کے مستحق فقراء کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيٰرِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

”(مالِ فے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“[2]

ان لوگوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی قوم کی مخالفت مول لے لی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بات کو اپنے عمل سے سچ ثابت کر دکھایا۔ یہ سادات مہاجرین ہیں۔ پھر انصار کی

[1] السيرة النبوية للصلابي: 195/2. [2] الحشر 8:59.

مدح وستائش، ان کے فضل وشرف، کرم، عدمِ حسد اور ضرورت کے باوجود ایثار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

’’(اور ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس مال کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ’’میں اپنے بعد والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو جانے اور ان کے فضل وشرف کی حفاظت کرے، نیز ان انصار کے بارے میں بھی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے، کہ ان کے نیکوکار کی بات کو قبول کرے اور غلطی کرنے والے سے درگزر کرے۔‘‘ [2]

مہاجرین وانصار میں ایثار ومحبت کے رشتے

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ جن کے پاس ہم آئے ہیں، ہم نے مال کی قلت کے باوجود ان سے بڑھ کر دل جوئی کرنے والے اور کثرتِ مال کی صورت میں ان سے زیادہ بہتر خرچ کرنے والے نہیں دیکھے۔ انھوں نے ہمیں ضرورت سے بے نیاز کر دیا اور کام کاج میں اپنے ساتھ شریک کر لیا حتی کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ سارا اجر وثواب یہ لوگ لے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا، مَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَدَعَوْتُمُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَهُمْ»

’’نہیں، جب تک تم ان کی ستائش کرتے رہو گے اور ان کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کرتے رہو گے (تم اجر وثواب سے محروم نہیں رہو گے)۔‘‘ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف پیغام بھیجا مگر

[1] الحشر 9:59. [2] صحيح البخاري :4888. [3] مسند أحمد :201,200/3.

ان میں سے کسی سے بھی کھانے کی کوئی چیز نہ ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَا رَجُلٌ يُّضَيِّفُهٗ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟»

''کوئی شخص ہے جو آج رات اس کی مہمان نوازی کرے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے؟''

ایک انصاری اٹھا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا: یہ اللہ کے رسول ﷺ کا مہمان ہے، اس سے کچھ نہ چھپانا۔ اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میرے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے، اس نے کہا: بچے جب کھانا مانگیں تو انھیں سلا دینا اور کھانا لے آنا اور آکر چراغ بجھا دینا، چنانچہ اس نے چراغ روشن کیا، کھانا لے کر آئی اور بچوں نے کھانا مانگا تو انھیں تھپکا کر سلا دیا، پھر وہ چراغ صحیح کرنے کے بہانے اٹھی اور اسے بجھادیا، پھر وہ مہمان کھانا کھانے لگا۔ یہ دونوں میاں بیوی بھی اس کو یوں محسوس کرا رہے تھے جیسے یہ بھی کھا رہے ہوں جبکہ وہ ویسے ہی منہ ہلا رہے تھے۔ دونوں میاں بیوی پیٹ لپیٹ کر، یعنی بھوکے ہی سوگئے۔ جب صبح ہوئی اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فِعَالِكُمَا»

''آج رات اللہ تعالیٰ تمھارے طرزِ عمل پر مسکرایا یا (آپ ﷺ نے فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے تمھارے طرزِ عمل پر تعجب کا اظہار کیا۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

(الحشر 9:59)

''اور وہ (انصار) ان (مہاجرین) کو اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود حاجت ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

معاشی عدل اسلامی شریعت کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال کی تقسیم کی حکمت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس تقسیم میں سے کسی کو دیا گیا اور کسی کو محروم رکھا گیا تا کہ مال صرف اغنیاء ہی میں نہ گھومتا رہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مال کے متعلق اسلامی شریعت کی سیاست اسی قانون کے تابع ہے۔ اسلامی شریعت اقتصادی بنیاد پر ایسا ہی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے جو

[1] صحيح البخاري :4889، صحيح مسلم :2054.

لوگوں کے مختلف طبقات کو قریب کرے اور گروہوں میں اتحاد قائم کر سکے اور ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو معاشرے میں افتراق و انتشار کا باعث بنتے ہیں اور عدل و انصاف کے عملی نفاذ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ اگر مال سے متعلق اسلامی شریعت کے احکام عملاً نافذ کر دیے جائیں، مثلاً: زکاۃ کا نظام، سود کی ممانعت، ذخیرہ اندوزی کے مختلف طریقوں کا انسداد تو بلاشبہ لوگ بڑی عمدہ گزر بسر کریں۔ اس میں رزق کی اونچ نیچ تو ہوسکتی ہے مگر سب آسانی سے گزارہ کر سکتے ہیں اور کوئی کسی پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ سب آپس میں ضرور تعاون کریں گے۔[2]

مال بنی نضیر میں دو صحابہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب دن خوب روشن ہوا تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو انھیں چارپائی پر بیٹھے دیکھا، ان کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا۔ انھوں نے فرمایا: مالک! تمھاری قوم کے کچھ (ضرورت مند) لوگ آئے ہیں۔ میں نے ان کے لیے کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے، وہ تم ان میں تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کی: اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو اس کا حکم دیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ انھوں نے فرمایا: یہ مال لے لو۔ اسی اثنا میں ان کا غلام یَرْفا آ گیا، اس نے عرض کی: امیر المومنین! عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم آئے ہیں، وہ آپ سے ملاقات کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دے دی تو وہ اندر آ گئے۔

مسجد زبیر بن عوام (دمام)، سعودی عرب

یرفا پھر آیا اور اس نے کہا: امیر المومنین! عباس اور علی رضی اللہ عنہما آئے ہیں۔ انھوں نے ان کو بھی اجازت دے دی، وہ بھی اندر تشریف لے آئے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المؤمنین! میرے اور اس (علی) کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے بھی عرض کی کہ امیر المؤمنین! آپ ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں اور انھیں راحت عطا فرمائیں۔

---

1 قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 169. 2 فقه السيرة للبوطي، ص: 258.

وہ دونوں اس مال کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بنونضیر کے اموال سے دیا تھا۔ مالک بن اوس نے کہا: میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ ان دونوں نے ان حضرات کو اسی لیے اندر بھیجا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقفِ حق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا تو پھر ٹھہریے، ذرا دم لے لیجیے۔ میں آپ لوگوں سے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں! کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہم پیغمبروں کے اموال و جائیداد تقسیم نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہم چھوڑ کر جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اس سے نبی کریم ﷺ کی مراد خود اپنی ذات گرامی بھی تھی۔

ان حضرات نے تصدیق کی: جی ہاں، آپ ﷺ نے ایسے ہی فرمایا تھا۔ اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہوئے: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا آپ حضرات کو بھی معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے فرمایا تھا؟ انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ آپ ﷺ نے بلاشبہ ایسے ہی فرمایا تھا۔

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب میں آپ لوگوں کے سامنے اس معاملے کی وضاحت کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے اس مالِ فے سے ایک مخصوص حصہ مقرر کر دیا تھا جسے آپ ﷺ نے کسی دوسرے کو نہیں دیا تھا۔ پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور جو (مال) اللہ نے ان (بنونضیر) سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''[1]

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مال اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خاص رہا مگر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ جائداد اپنے لیے جمع کر رکھی تھی نہ خاص اپنے خرچ میں لائے بلکہ تم ہی لوگوں کو دی اور تمھارے ہی کاموں میں خرچ

[1] الحشر 6:59.

کی۔ یہ جو جائیداد بچ رہی ہے، اس میں سے آپ ﷺ اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ لیا کرتے تھے، اس کے بعد جو باقی بچتا، وہ اللہ کے مال میں شریک کر دیتے تھے۔ خیر، آپ ﷺ تو اپنی زندگی میں ایسا ہی کرتے رہے۔

حاضرین! تمھیں اللہ کی قسم! کیا تم یہ نہیں جانتے؟ انھوں نے کہا: بے شک جانتے ہیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے مخاطب ہوئے: میں آپ حضرات سے بھی اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا آپ لوگ یہ نہیں جانتے؟ (دونوں حضرات نے ہاں میں جواب دیا۔)

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یوں گویا ہوئے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ کریم ﷺ کو اپنے پاس بلا لیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بنے، اس لیے یہ جائداد ان کے قبضے میں چلی گئی اور جس طرح آپ ﷺ اس میں تصرف کیا کرتے تھے، وہ بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اس طرزِ عمل میں سچے، مخلص، نیکوکار اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور اب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نائب مقرر ہوا۔ میری خلافت کو دو سال ہو گئے ہیں اور میں نے بھی اس جائداد کو اپنی تحویل میں رکھا ہے جو مصارف رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں کیا کرتے تھے، ویسا ہی میں بھی اس میں کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرزِ عمل میں سچا، مخلص اور حق کا پیروکار ہوں۔ پھر آپ دونوں میرے پاس گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے اور میرے ساتھ بات چیت کی کہ دونوں کا مقصد ایک تھا۔
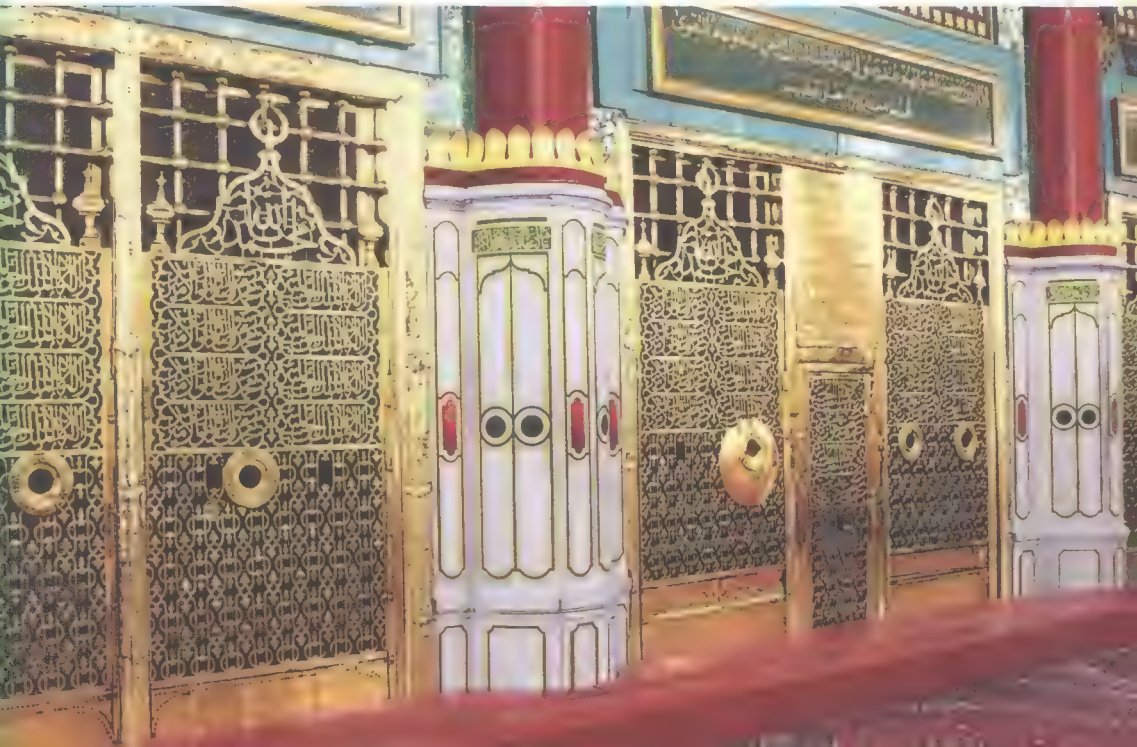
خلیفۂ ثانی کا لاجواب فیصلہ

اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور چچا زاد سے یوں مخاطب ہوئے:

جناب عباس! آپ تو اس لیے تشریف لائے کہ آپ کو اپنے بھتیجے کی میراث کا دعویٰ میرے سامنے پیش کرنا تھا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ اس لیے تشریف لائے کہ آپ کو اپنی بیوی (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ پیش کرنا تھا کہ ان کے والد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی میراث انھیں ملنی چاہیے۔ میں نے آپ دونوں حضرات سے عرض کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے ہیں:

«لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہم پیغمبروں (کی میراث) تقسیم نہیں ہوتی۔ ہم جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

پھر مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ میں یہ جائدادیں تمھارے قبضے میں دے دوں تو میں نے تم سے کہا: دیکھو، اگر تم چاہو تو میں یہ جائدادیں تمھارے قبضے میں دے دوں لیکن اس عہد اور اقرار پر کہ تم اس کی آمدنی سے وہ سب کام کرتے رہو گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں کرتے رہے اور جو کام میں اپنے عہد خلافت کے شروع میں کرتا رہا۔ تم لوگوں نے اس شرط کو قبول کر کے درخواست کی کہ یہ جائدادیں ہمارے سپرد کر دو۔ میں نے اس شرط پر یہ تمھارے سپرد کر دیں۔

حاضرین! گواہی دو، کیا میں نے یہ جائدادیں ان کے حوالے کر دیں یا نہیں؟ انھوں نے کہا: بے شک آپ نے اسی شرط پر دیں، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، میں نے یہ جائدادیں تمھارے سپرد اسی شرط پر کی ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: بے شک۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب تم مجھ سے اس سے ہٹ کر فیصلہ کرانا چاہتے ہو؟ قسم اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں! میں تو اس کے سوا اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ ہاں! اگر تم اس سے عاجز آ گئے ہو تو یہ میرے سپرد کر دو، میں اس کی دیکھ بھال کر لوں گا۔[1]

منافقین و یہودِ مدینہ کے باہمی رویّے

بنونضیر کے یہود نے اپنے ساتھی قبیلہ بنوقینقاع کے انجام سے سبق نہ سیکھا بلکہ وہ اپنے جھوٹے حلیفوں عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دیگر منافقین کی باتوں میں آ گئے جو بار بار نصرت و اعانت کا جھانسا دے کر انھیں مسلمانوں پر حملے اور بغاوت پر ابھار رہے تھے، چنانچہ جب انھوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت کر دی تو کوئی منافق و مشرک ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بزدلی اور باہمی ٹوٹ پھوٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے منافقین و یہود کی حقیقت اس طرح عیاں کی ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

"(اے نبی!) کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنھوں نے منافقت کی؟ وہ اپنے ان بھائیوں سے، جو اہلِ کتاب میں سے کافر ہو گئے، کہتے ہیں: اگر تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملے میں کبھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد

[1] صحيح البخاري :3094، صحيح مسلم :(49)1757، سنن أبي داود :2963.

کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (یہود) نکالے گئے تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کو پہنچے بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (اے مسلمانو!) یقیناً ان کے سینوں میں اللہ کی نسبت تمھارا ڈر زیادہ ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ وہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکیں گے مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہیں یا دیواروں کی اوٹ سے، ان کی آپس کی لڑائی (دشمنی) بہت سخت ہے۔ آپ انھیں اکٹھے سمجھتے ہیں جبکہ ان کے دل جدا جدا ہیں، یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے پہلے قریب ہی (بدر میں) اپنی بداعمالی کا وبال چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے: بے شک میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔''[1]

انجامِ یہود سے عبرت

بری تدبیر کرنے والے خود اس کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق یہود کا خبثِ باطن وقتاً فوقتاً واضح ہوتا رہتا تھا حتی کہ انھوں نے پیغمبرِ کائنات ﷺ کو شہید کرنے کی مذموم سازش کی جس کا انجام انتہائی عبرتناک ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر انھیں کے ہاتھوں تباہ و برباد کرائے۔ انھیں گھر بار سے بیگانہ ہونا پڑا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکانات و باغات کا وارث اپنے مسلمان بندوں کو بنا دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾

''(اللہ) وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو پہلے اکٹھ کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ تم نے کبھی یہ خیال نہیں کیا تھا کہ وہ (مدینہ سے) نکلیں گے اور انھوں نے سمجھا تھا کہ بے شک ان کے قلعے انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے، پھر ان پر اللہ (کا عذاب) آیا جہاں سے انھوں نے گمان بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ اپنے گھر اپنے ہاتھوں اجاڑتے تھے اور مومنوں

[1] الحشر 59:11-16.

کے ہاتھوں بھی، تو اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔"[1]

ڈاکٹر علی محمد صلابی لکھتے ہیں کہ بری سوچ اور دھوکا دہی کا یہی نتیجہ ہے۔ دیکھیے اس کے بعد قرآن پاک نے اس واقعے میں عبرت کے مقامات کی طرف کیسے اشارہ فرمایا ہے اور کس احسن انداز میں علانیہ طور پر اس نے زجر و توبیخ کا ذکر کیا ہے جو ہر اس انسان کو آسکتی ہے جو تکلیف دہ مکر و فریب اور مہلک بغض و کینہ کا رستہ اختیار کرے گا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ "اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔"

اس آیت میں میرے سامنے عبرت کا بہت سا سامان ہے۔

1 ہر وہ شخص جو حق کے رستے میں رکاوٹ بنتا ہے، لوگوں کو اس سے روکتا ہے، داعیانِ حق کو دور ہٹاتا ہے، بالآخر وہ شکست کھاتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾

"(اے نبی!) کافروں سے کہہ دیجیے: تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔"[2]

2 حق و باطل کی کشمکش کبھی تھمنے والی نہیں، یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ مستقبل میں کبھی حق اور کبھی باطل کو عروج ہوگا، بالآخر کامیابی حق کی ہوگی۔

3 یہود کی خیانت اور دھوکا دہی سے عبرت حاصل کر کے اس طرز عمل سے اجتناب کیا جائے تاکہ جو ذلت و رسوائی اور شکست ان کا مقدر بنی، اس سے بچا جاسکے۔[3]

[1] الحشر 2:59. [2] آل عمرٰن 12:3. [3] السيرة النبوية للصلابي :208,207/2.

شراب اور جوئے کی حرمت

شراب اور جوا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ شراب پی کر فخر کرتے تھے حتی کہ اسلام کی ابتدا میں کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شراب پیتے تھے۔ اسلام نے انھیں منع نہیں کیا تھا کیونکہ انھوں نے جب ہوش سنبھالا تو یہ عربوں کا عام مشروب تھا، اس لیے اسے یکبارگی چھوڑنا ان کے لیے انتہائی مشکل تھا، چنانچہ اس کو بتدریج حرام کیا گیا۔[1] اس کی قطعی حرمت غزوہ بنونضیر کے محاصرے کے دوران 4ھ/625ء میں ہوئی۔[2]

اسی طرح عرب جوئے میں بھی فخر محسوس کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں اس سے سخاوت آسان ہو جاتی ہے۔ جو شخص جوا جیت جاتا تھا، وہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال مسکینوں میں خرچ کر دیتا تھا۔ اسی لیے قرآن کریم نے اس کے نفع کا انکار نہیں کیا۔[3]

بلاشبہ اس میں نہایت حقیر سا نفع ہے لیکن اس کے گناہ اور مفاسد بہت زیادہ ہیں، اس لیے قرآن کریم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو ذکر فرما کر اس کی قطعی حرمت کا حکم نازل فرمایا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝﴾

''شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''[4]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بلاشبہ جوئے کی خرابی سود سے بڑھ کر ہے کیونکہ جوئے سے دو بگاڑ پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ حرام مال کھانا اور دوسرا یہ کہ حرام کھیل کھیلنا، مزید برآں اس لیے کہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کرتا ہے اور باہمی دشمنی اور کینے کو ہوا دیتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جوئے کو سود سے پہلے حرام قرار دیا ہے۔[5]

---

1 شرح عمدة الأحكام لابن جبرين: 4/70. 2 حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص: 253/2. 3 الرحيق المختوم، ص: 59. 4 المآئدة 5:91. 5 مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية: 32/337.

ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ جوئے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کا مال باطل طریقے سے ہتھیا لیا اور کھا لیا جاتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النسآء 29:4)

''تم اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّلاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ»

''تم میں سے جو بھی قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں کہے: لات اور عزیٰ کی قسم تو اسے چاہیے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو اپنے ساتھی سے کہے: آؤ، میں تمھارے ساتھ جوا کھیلوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔''[2]

مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ محض جوا کھیلنے کی دعوت دینے ہی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ دینے کا حکم دیا ہے، تو اس پر عمل کرنے کی قباحت و شناعت کس قدر زبردست ہوگی۔ اسی اعتبار سے اس پر سزا بھی زیادہ شدید ہے۔ واللہ اعلم۔

حرمتِ شراب کے تین مراحل

شراب کی حرمت تین مراحل میں ہوئی:

پہلا مرحلہ: امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ شراب کو تین مرحلوں میں حرام کیا گیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے، انھوں نے ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾

''(اے نبی!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے! ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت

[1] الموسوعة الفقهية الكويتية: 406/39. [2] صحيح البخاري: 6107.

بڑا ہے۔ اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضرورت سے زائد ہو۔ اللہ تمھارے لیے اپنے احکام اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔'' [1]

اس آیت کو سن کر لوگوں نے کہا: شراب کو ہم پر حرام قرار نہیں دیا گیا کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ [2]

سید قطب نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ حرمتِ شراب کے متعلق یہ پہلا اقدام تھا۔ کئی امور خالص شر نہیں ہوتے بلکہ کبھی خیر شر سے مل چکی ہوتی ہے اور کبھی شر خیر سے مل جاتا ہے لیکن حرمت وحلت کا دار و مدار خیر یا شر کے غالب ہونے پر ہوتا ہے، چنانچہ جب شراب اور جوئے میں گناہ نفع سے زیادہ تھا تو یہی ان دونوں کی حرمت کا سبب بنا۔

یہاں اسلامی تربیت اور ربانی حکمت کا ایک نادر پہلو سامنے آتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ منہج اکثر شرائع، فرائض اور توجیہات میں بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یہاں شراب اور جوئے کی مناسبت کے اعتبار سے بات کرتے ہوئے ہم منہج اسلامی کے اس قاعدے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ جب امر و نہی کا تعلق عبادت، رسم و رواج، عادت یا طے شدہ اجتماعی قانون سے ہو تو اسلام وہاں مہلت دیتا ہے اور آسانی کو پیش نظر رکھتا ہے اور ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن میں سہولت کو اس کے نفاذ میں مدنظر رکھا جاسکے، چنانچہ جب توحید و شرک کا مسئلہ تھا تو اسلام نے اپنا قطعی حکم ابتدا ہی میں صادر فرما دیا جس میں تردد کی گنجائش تھی نہ مڑ کر دیکھنے کی۔ اس میں کوئی درمیانہ رستہ نہیں دیا گیا۔ یہ مسئلہ اسلام کے بنیادی تصور کا مسئلہ تھا جس کے بغیر نہ ایمان باقی رہتا ہے نہ اسلام قائم۔

لیکن شراب اور جوئے کا معاملہ عادت، پسند اور چاہت کا معاملہ تھا۔ اور عادت کی تبدیلی علاج معالجہ کی محتاج ہوتی ہے، لہٰذا اسلام مسلمانوں کے دلوں میں ایک دینی اور فطری تصور اجاگر کرنے لگا کہ شراب اور جوئے میں گناہ نفع کی نسبت زیادہ ہے جس میں یہ اشارہ تھا کہ انھیں چھوڑنا ہی بہتر ہے۔ [3]

دوسرا مرحلہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرمتِ شراب کا پہلا حکم نازل ہونے کے بعد لوگ شراب پیتے رہے حتی کہ ایک دن ایک مہاجر صحابی نے نمازِ مغرب میں اپنے ساتھیوں کی امامت کراتے ہوئے قراءت کو خلط ملط کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ سخت حکم نازل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْرَبُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمْ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا۟ مَا تَقُولُونَ﴾

1 البقرة 219:2. 2 مسند أحمد: 351/2. 3 تفسير في ظلال القرآن: 229/1، السيرة النبوية للصلابي: 206,205/2.

''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔''[1]

تیسرا مرحلہ: دوسرے مرحلے کے بعد بھی کچھ لوگ شراب پیتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ سخت حکم پر مبنی آیت نازل کی جس سے شراب اور جوئے کی قطعی حرمت ہوگئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔''[2]

شراب اور جوئے کی حرمت اور صحابہ کرام کا اشکال

مندرجہ بالا آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے کہا: اے اللہ! بس اب ہم اس سے باز آگئے، البتہ کچھ لوگوں نے نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور کچھ اپنے بستروں پر فوت ہوئے لیکن وہ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور اعمال شیطان میں سے قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

''ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا (پی) چکے، جب کہ وہ متقی بنے اور ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، پھر وہ متقی بنے اور ایمان لائے، پھر وہ متقی بنے اور انھوں نے نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[3]

اس حکم کے نزول کے بعد نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ حُرِّمَ عَلَيْهِمْ لَتَرَكُوهَا كَمَا تَرَكْتُمْ»

''اگر ان کی زندگی میں یہ شراب حرام ہوئی ہوتی تو وہ بھی اس کو اسی طرح ترک کر دیتے جیسے تم نے اسے ترک کر دیا ہے۔''[4]

1 النسآء 43:4. 2 المآئدة 90:5. 3 المآئدة 93:5. 4 مسند أحمد 352,351/2.

مدینہ کے بازار مے سے بھر گئے

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح، ابودجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو جام شراب پلا رہا تھا حتی کہ کچی پکی کھجوروں کی ملی جلی شراب کی وجہ سے ان کے سر جھومنے لگے تو میں نے آواز سنی، ایک شخص اعلان کر رہا تھا: خبردار! شراب حرام قرار دے دی گئی ہے۔ اس محفل میں کسی کے اندر آنے یا باہر جانے سے پہلے پہلے ہم نے شراب گرادی، مٹکے توڑ دیے، بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے لے کر ہم نے خوشبو بھی استعمال کی۔ ہم ابوطلحہ کے گھر سے نکلے تو شراب مدینہ کی گلیوں میں بہ رہی تھی۔ پھر ہم سب مسجد میں چلے گئے تو وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المآئدة 5:90، 91)

"اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں، لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوائے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟"

ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو شراب پیتا تھا اور وہ فوت ہوگیا؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾ (المآئدة 5:93)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے۔"[1]

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے اس جیسی روایت بیان کی ہے۔[2]

شراب نوشی قابلِ لعنت فعل ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] تفسير الطبري، المآئدة 5:90-93. [2] صحيح البخاري: 2464، صحيح مسلم: 1980.

«لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلٰى عَشْرَةِ وُجُوهٍ: لُعِنَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا، وَشَارِبُهَا، وَسَاقِيهَا، وَبَائِعُهَا، وَمُبْتَاعُهَا، وَعَاصِرُهَا، وَمُعْتَصِرُهَا، وَحَامِلُهَا، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ، وَآكِلُ ثَمَنِهَا»

”شراب پر دس وجوہ سے لعنت ہے: شراب خود بعینہٖ ملعون ہے، اس کا پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا، نچڑوانے والا، اٹھانے والا، جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اور اس کی قیمت کھانے والا، یہ سب ملعون ہیں۔“ [1]

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ»

”ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے جو شخص دنیا میں ہمیشہ شراب پیتے ہوئے مر گیا اور اس نے اس سے توبہ نہ کی تو وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔“ [2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: لوگو! جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت یہ پانچ چیزوں: انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد سے تیار کی جاتی تھی لیکن یاد رکھو:

اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ.

”شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔“ [3]

یاد رہے! آخرت کی شراب جو جنت میں اللہ کے نیک بندوں کو ملے گی، وہ نشہ آور نہیں ہوگی، اسے پینے والے کو بے حد سرور ملے گا مگر وہ پی کر بہکے گا نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۝﴾

”وہ اس سے نہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ مدہوش۔“ [4]

---

[1] مسند أحمد: 25/2، سنن أبي داود: 3674، سنن ابن ماجه: 3380. [2] صحيح مسلم: 2003. [3] صحيح البخاري: 5588، صحيح مسلم: 3032. [4] الواقعة 56:19.

سید البشر ﷺ کی تین شادیاں اور دو غزوات

رسالت مآب ﷺ کی ساری شادیاں انتہائی خیر و برکت اور فروغِ دین کا باعث بنیں۔ اس باب میں آپ ﷺ کی سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام سلمہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے شادی اور ان غزوات کا حال درج ہے جو دور رس نتائج کا باعث بنے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا

”پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کردیا، تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں، اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔“ (الأحزاب 33:37)

آپ غزوۂ بدر صغریٰ کے پس منظر میں مشرکین مکہ کے لیڈر ابوسفیان کی بزدلی اور بدحواسی کا منظر دیکھیں گے اور کئی مسرت بخش واقعات پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے تین عالی رُتبہ خواتین سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام سلمہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے شادی کی۔ آپ ﷺ کی شادیاں روایتی معنوں میں شادیاں نہیں تھیں بلکہ آپ ﷺ نے ان کے ذریعے عملاً مثالی عائلی زندگی بسر کرنے کے مہذب ترین طریقے اور دینی سلیقے سکھائے اور عورت کا وقار اتنا اونچا کر دیا کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کے زمانے میں جسے مغربی دانشور روشن خیالی کا دور کہتے ہیں، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی کی شادی سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے برکات و حسنات کس قدر انقلاب انگیز تھے۔ اس شادی سے اللہ رب العزت کے ایک حکم کی تعمیل ہوئی اور منہ بولے بیٹے کی وہ خانگی حیثیت کالعدم ہوگئی جس نے عربوں کو بہت پیچیدہ وراثتی اور سماجی مسائل سے دوچار کر دیا تھا۔ آپ اس باب میں غزوۂ دومۃ الجندل کا واقعہ بھی پڑھیں گے۔ وہاں لٹیروں کا ایک ٹولہ تھا جو ریاستِ مدینہ پر شب خون مارنے کا ناپاک ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے نکلے تو وہ آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہی فرار ہوگئے۔

غزوۂ بدرِ صغریٰ

اللہ والوں کو جب کوئی پریشانی اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس پر صبر و استقامت دکھاتے ہیں اور عجز و انکسار کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں اور جب کوئی خوشخبری ملتی ہے تو ثبوتِ عبدیت پیش کرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ يَسُرُّهُ خَرَّ سَاجِدًا لِّلّٰهِ.

''نبیِ کریم ﷺ کو جب کوئی خوشخبری ملتی تو آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدے میں گر جاتے تھے۔''[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ اہل یمن نے اسلام قبول کرلیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ یمن کے اسلام قبول کرنے کی روداد آپ ﷺ کی خدمت میں ارسال کی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب پڑھا تو آپ ﷺ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے۔[2]

اس کے برعکس شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں کی حالت عجیب ہے، انھیں جب کبھی دنیاوی اغراض و مقاصد حاصل ہوتے ہیں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی کامیابی ملتی ہے تو وہ غرور کے مارے پھول کر کُپا ہو جاتے ہیں۔

1 سنن أبي داود :2774، جامع الترمذي :1578، مسند أحمد :45/5. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي :369/2.

عدن (یمن) کا ایک منظر

جنگِ اُحد میں جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی غلطی سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا تو قریشِ مکہ بہت خوش ہوئے حتی کہ سالارِ قریش نے دھمکی آمیز لہجے میں چیلنج بھی کر دیا جو غزوۂ بدر دوم کا سبب بنا۔

سالارِ قریش کا چیلنج

غزوۂ اُحد میں ابوسفیان سالارِ قریش تھا۔ جب وہ اپنے لشکر سمیت مکہ واپس آنے لگا تو اس نے ڈینگ مارتے ہوئے نبیِ کریم ﷺ کو یہ چیلنج دیا:

إِنَّ مَوْعِدَكُمْ بَدْرٌ لِّلْعَامِ الْقَابِلِ.

''اگلے سال ہمارا ٹکراؤ بدر میں ہوگا۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ اس نے اعلان کیا:

مَوْعِدٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ بَدْرٌ الصَّفْرَاءُ رَأْسَ الْحَوْلِ نَلْتَقِي فِيهِ فَنَقْتَتِلُ.

''سال کے سرے پر بدر الصفراء نامی مقام ہمارے اور تمھارے درمیان طے شدہ ہے۔ اس میں ہمارا ٹکراؤ ہوگا اور ہم جنگ کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«قُلْ: نَعَمْ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''اسے کہو: ہاں! ان شاء اللہ (ہم ضرور آئیں گے)۔''[2]

[1] السيرة لابن هشام: 100/3. [2] المغازي للواقدي: 324/1، إمتاع الأسماع للمقريزي: 192/1.

میدان احد (مدینہ منورہ)

چونکہ وادی یَلْیَلْ یا وادی الصفراء بدر سے ہو کر بحیرۂ قلزم میں جا گرتی ہے، اس لیے بدر کو بدر الصفراء کہا گیا ہے۔ قصبہ الصفراء (موجودہ الواسطہ) بدر سے مدینہ کی جانب پندرہ سولہ کلومیٹر دور ہے۔

اسلامی لشکر کی تیاری

بدوؤں کی شان و شوکت توڑ دینے اور ان کے شر سے مطمئن ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے اپنے بڑے دشمن قریش سے جنگ کی تیاری شروع کر دی کیونکہ سال تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور احد کے موقع پر طے کیا ہوا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ اب نبیِ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس احساسِ فرض سے سرشار تھے کہ میدانِ کارزار میں ابوسفیان
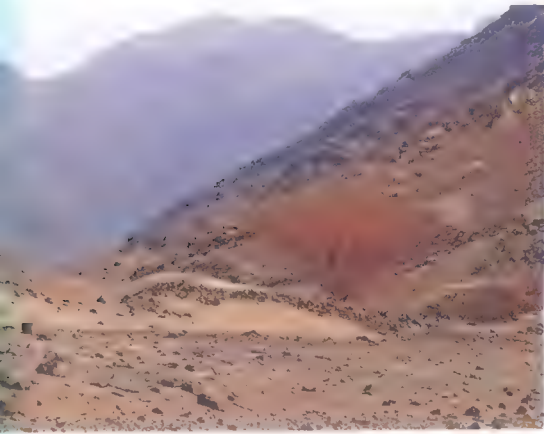
وادی الصفراء کا طاس

وادی الصفراء کا ایک منظر

اور اس کی قوم سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے نکلیں اور جنگ کی چکی اس حکمت کے ساتھ چلائیں کہ جو فریق زیادہ ہدایت یافتہ اور بقا کا مستحق ہو، حالات کا رُخ پوری طرح اُسی کے حق میں ہو جائے۔[1]

ابوسفیان کا لیت و لعل اور پروپیگنڈہ

اُحد میں وقتی فتح کے نشے میں ابوسفیان اعلانِ جنگ تو کر بیٹھا تھا لیکن جوں جوں مقابلے کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی، اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک ذمہ دار سالار کی طرح نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے خوف کھانے لگا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح یہ مڈبھیڑ نہ ہو مگر اسے پورا یقین تھا کہ محمد کریم ﷺ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، اس لیے وہ وعدہ پورا کرنے کے لیے لازماً منطقۂ بدر کی طرف بڑھیں گے۔ اب وہ ایسا طریقہ تلاش کر رہا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے اتنا مرعوب کر دے کہ وہ

[1] الرحيق المختوم، ص: 312.

بدر میں آنے کی جرأت ہی نہ کریں۔ ابوسفیان بظاہر تو یہ اعلان کر رہا تھا کہ وہ لشکرِ جرار لے کر میدانِ بدر میں اُترے گا اور مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ اس نے اس پروپیگنڈے کو تیزی سے پھیلانے کے لیے مدینہ کے گرد و نواح میں اپنے جاسوس بھیج دیے تاکہ وہ اس کے کھوکھلے عزائم کا خوب ڈھنڈورا پیٹیں، لوگوں کو بتائیں کہ ابوسفیان نے مکہ کے بہادروں اور ہمسایہ قبائل سے عظیم لشکر تیار کرلیا ہے اور اب وہ بہت جلد میدان میں پہنچنے والا ہے۔ اس سارے پروپیگنڈے کا مقصد اپنی ہیبت جمانا اور مسلمانوں کو ڈرانا تھا۔[1]

جو شخص بھی مکہ سے مدینہ منورہ آنا چاہتا، ابوسفیان اس سے ملتا، اس کی ذہن سازی کرتا، اس پر یہ ظاہر کرتا کہ ہم بہت بڑا لشکر لے کر محمد (ﷺ) پر حملہ کرنے والے ہیں۔ سننے والا اس کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

جب وہ مدینہ پہنچتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتا اور انھیں بتاتا کہ ابوسفیان نے تو جنگ کے لیے بہت زبردست تیاری کی ہوئی ہے۔ اس نے بہت زیادہ افرادی قوت اور اسلحہ جمع کر لیا ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ وہ سارے عرب میں دندناتا پھر رہا ہے اور بہت جلد میدانِ کارزار کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔ مسلمانوں پر یہ خبر بہت گراں گزرتی تھی۔

ابوسفیان اور نُعیم بن مسعود کی ملاقات

ایک دن بنو اشجع سے تعلق رکھنے والا ایک شخص نعیم بن مسعود مکہ آیا۔ یہ شخص پروپیگنڈہ کرنے اور افواہیں پھیلانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ قریشی سردار ابوسفیان کو اس کی آمد کا پتا چلا تو وہ فوراً اس کے پاس جا پہنچا۔ اس نے کہا کہ اے نعیم! میں نے اُحد کے دن محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو چیلنج دیا تھا کہ ہم ٹھیک ایک سال بعد بدر الصفراء میں ملیں گے اور جنگ کریں گے۔ اب یہ وقت قریب آ گیا ہے۔

نعیم بن مسعود نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا: میں تو مکہ آیا ہی اس لیے

[1] سبل الهدٰى والرشاد :4/337، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل : 1/419.

ہوں تاکہ تمھیں مسلمانوں کی تیاری کے حوالے سے آگاہ کرسکوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے بے تحاشا اسلحہ اور اونٹ گھوڑے جمع کر لیے ہیں۔ ان کے اوسی حلیف بنو بَلّی اور جُہینہ والے بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جب میں مدینہ سے نکلا تھا تو اس وقت وہاں ہر طرف مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھے۔ وہ وقت مقررہ پر ضرور میدان میں پہنچیں گے۔

ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے

ابوسفیان نعیم بن مسعود کی باتیں سن کر گھبرا گیا، اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا: کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو؟ نعیم نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! یہ بات بالکل حقیقت ہے۔ اس نے نعیم بن مسعود کی بلائیں لیں، پھر اس کو اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے کہا: میرا قطعاً ارادہ نہیں کہ بدر میں مسلمانوں سے جنگ کروں کیونکہ علاقے میں قحط سالی ہے۔ عرصے سے بارش نہیں ہوئی، پانی کے تالاب خشک ہیں۔ چراگاہوں میں مویشیوں اور سواری کے جانوروں کے لیے گھاس کا تنکا تک نہیں، ایسے حالات میں جنگ کرنا قرین دانش نہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی تو جنگ کے لیے نکلیں اور میں بیٹھا رہوں۔ اس طرح تو انھیں ہمارے خلاف بڑی جرأت ہوجائے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ وعدہ خلافی ان کی طرف سے ہو، ہماری طرف سے نہ ہو۔ اس کا حل میرے ذہن میں یہ آیا ہے کہ تم مدینہ جاؤ اور وہاں جا کر ہمارے لشکرِ جرار اور جنگی تیاریوں کے حوالے سے ایسی افواہیں پھیلاؤ کہ مسلمانوں میں یہ سکت ہی نہ رہے کہ وہ جنگ کے لیے نکل سکیں۔ اگر تم اس مقصد میں کامیاب ہوگئے تو تمھیں بیس اونٹ بطور انعام ملیں گے جو سُہَیل بن عمرو کی تحویل میں ابھی دے دیے جائیں گے، وہ اس وعدے کی تکمیل کے ضامن ہوں گے۔

نعیم بن مسعود راضی ہوگیا۔ سہیل بن عمرو، نعیم بن مسعود کا گہرا دوست تھا۔ نعیم اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: ابویزید! میں مدینہ جا کر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو جنگ کا ارادہ ترک کرنے پر آمادہ کروں اور اس کے عوض مجھے بیس اونٹ بطورِ انعام ملیں گے، کیا تم اس بات کی ضمانت دیتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔
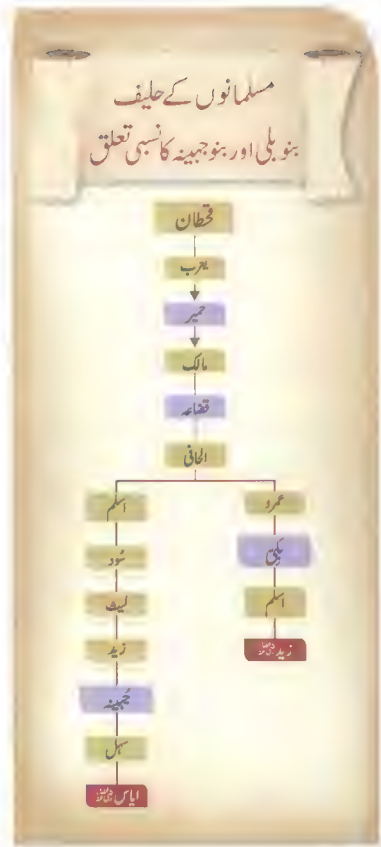
قریش کا ڈھنڈورچی مدینہ میں

قریش نے نعیم بن مسعود کی خوب آؤ بھگت کی اور مدینہ جانے کے لیے تیز رفتار اونٹ بھی مہیا کیا۔ نعیم نے رختِ سفر باندھا اور مدینہ کی طرف چل پڑا۔ اس نے عمرہ کر کے سر مونڈھ رکھا تھا۔ وہ مدینہ کی طرف سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ وہ فوراً مدینہ پہنچنا چاہتا تھا، مبادا اسلامی لشکر مدینے سے چل پڑے، چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے جوش و خروش سے جہاد کی تیاری میں مصروف تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پوچھا: نعیم! کہاں سے آئے ہو؟ اس نے بتایا: میں عمرہ کر کے مکہ سے آ رہا ہوں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: پھر تو تمھیں ابوسفیان کے بارے میں علم ہوگا؟ اس کی حرکات و تدابیر اور جنگ کی تیاری کیسی ہے؟ اس نے کہا: ابوسفیان نے تو بہت لشکر اکٹھے کر لیے ہیں، سارا عرب اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ اتنی بڑی فوج لے کر آ رہا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا تمھارے بس کی بات نہیں۔ میری مانو تو تم لوگ مدینے ہی میں ٹھہرے رہو، جنگ کے لیے مدینہ سے باہر مت جانا۔ وہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے والا ہے کہ اس سے صرف وہی بچ سکے گا جو بھاگ نکلے گا۔ تمھارے سرخیل قتل کر دیے جائیں گے۔ خود محمد (ﷺ) زخموں کی تاب نہ لا سکیں گے۔ کیا تم مدینہ سے نکل کر خود موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو؟ افسوس! تم نے اپنے لیے بہت برا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کوئی بچ نکلے گا۔ اس نے باتوں کا ایسا بتنگڑ بنانا شروع کر دیا کہ کبھی ابوسفیان کی تیار کردہ سپاہ کی عددی کثرت کا تذکرہ، کبھی ان کے اسلحہ کے ذخائر کا بیان، کبھی رؤسائے قریش کے جوش و خروش کی حکایت طولانی، کبھی ان کی خطرناک جنگی چالوں کی مدح سرائی، اس نے ایسی مہارت سے اپنی مہم چلائی کہ چند ہی روز میں مدینہ کی فضا خوف و ہراس سے مسموم ہوگئی۔

مسلمان تذبذب کا شکار اور یہود و منافقین کی خوشی

نعیم بن مسعود کی چال کارگر ثابت ہوئی۔ مسلمان اس کی افواہوں سے واقعی مرعوب ہوگئے حتی کہ جو بھی بات کرتا، وہ نعیم بن مسعود کے قول کی تصدیق کرتا تھا۔ ہر مجلس میں ابوسفیان کے لشکر جرار اور خوفناک تیاری کا ذکر چھڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر یہود اور منافقین خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے اور ایک دوسرے کو یہ خوشخبریاں سنا رہے تھے کہ اب محمد (ﷺ) اس لشکرِ جرار سے بچ نہیں سکیں گے۔ اب اسلام کے ماننے والوں کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ ہمیں بھی سکھ کا سانس ملے گا لیکن ان عقل کے اندھوں کو کیا معلوم تھا کہ

ع ...... یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

رسول اللہ ﷺ کو کامل حمایت کی یقین دہانی

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان قریش کی عظیم جنگی تیاری سے خوفزدہ ہو گئے ہیں تو آپ ﷺ پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ آپ ﷺ کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ شاید کوئی بھی جاں نثار جنگ کے لیے مقررہ وقت اور معین مقام کی طرف نہ نکلے۔ آپ ﷺ اسی سوچ بچار میں تھے کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ مُظْهِرٌ دِينَهُ وَ مُعِزٌّ نَبِيَّهُ، وَقَدْ وَعَدْنَا الْقَوْمَ مَوْعِدًا، وَ نَحْنُ لَا نُحِبُّ أَنْ نَتَخَلَّفَ عَنِ الْقَوْمِ فَيَرَوْنَ أَنَّ هٰذَا جُبْنٌ مِّنَّا عَنْهُمْ، فَسِرْ لِمَوْعِدِهِمْ، فَوَاللّٰهِ! إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَخِيرَةً.

”اے اللہ کے رسول! یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے۔ اپنے نبی کو عزت دینے والا ہے۔ ہم نے مشرکوں کو مقرر جگہ پر پہنچنے کا وعدہ دیا ہے۔ ہم یہ قطعاً پسند نہیں کرتے کہ ہماری طرف سے وعدہ خلافی ہو ورنہ وہ خیال کریں گے کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں، چنانچہ آپ مقررہ وقت اور مقررہ جگہ کی طرف تشریف لے چلیے، اللہ کی قسم! اس میں یقیناً خیر و برکت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ اپنے بے باک فدائیوں کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے، پھر آپ ﷺ نے پوری استقامت و صلابت کی شان سے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَخْرُجَنَّ وَإِنْ لَّمْ يَخْرُجْ مَعِي أَحَدٌ»

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ضرور نکلوں گا، چاہے میرے ساتھ کوئی بھی نہ نکلے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ پُرعزم فرمان مسلمانوں کے کانوں میں پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نورِ بصیرت سے نوازا، ان کے دلوں سے ہر طرح کا خوف اور پریشانی دور ہو گئی اور وہ پھر سے جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے۔“[1]

مدینہ کا منتظم

مدینہ سے روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے انتظامات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ مدینے کا نائب سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو

[1] المغازي للواقدي :326,325/1، إمتاع الأسماع :193/1، سبل الهدى والرشاد :337/4. [2] السيرة لابن هشام : 220/3، البداية والنهاية :89/4.

بنایا گیا تھا۔[1]

اسلامی لشکر کی روانگی

شعبان 4 ھ / جنوری 626ء میں رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ ڈیڑھ ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ واقدی کے مطابق آپ ذوالقعدہ میں اس جنگ کے لیے نکلے تھے۔ مجاہدین کا عَلَم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اسلامی لشکر میں چند گھوڑے تھے جن کے سوار رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر، عمر، ابوقتادہ، سعید بن زید، مقداد، حباب، زبیر بن عوام اور عباد بن

[1] المغازي للواقدي :324/1.
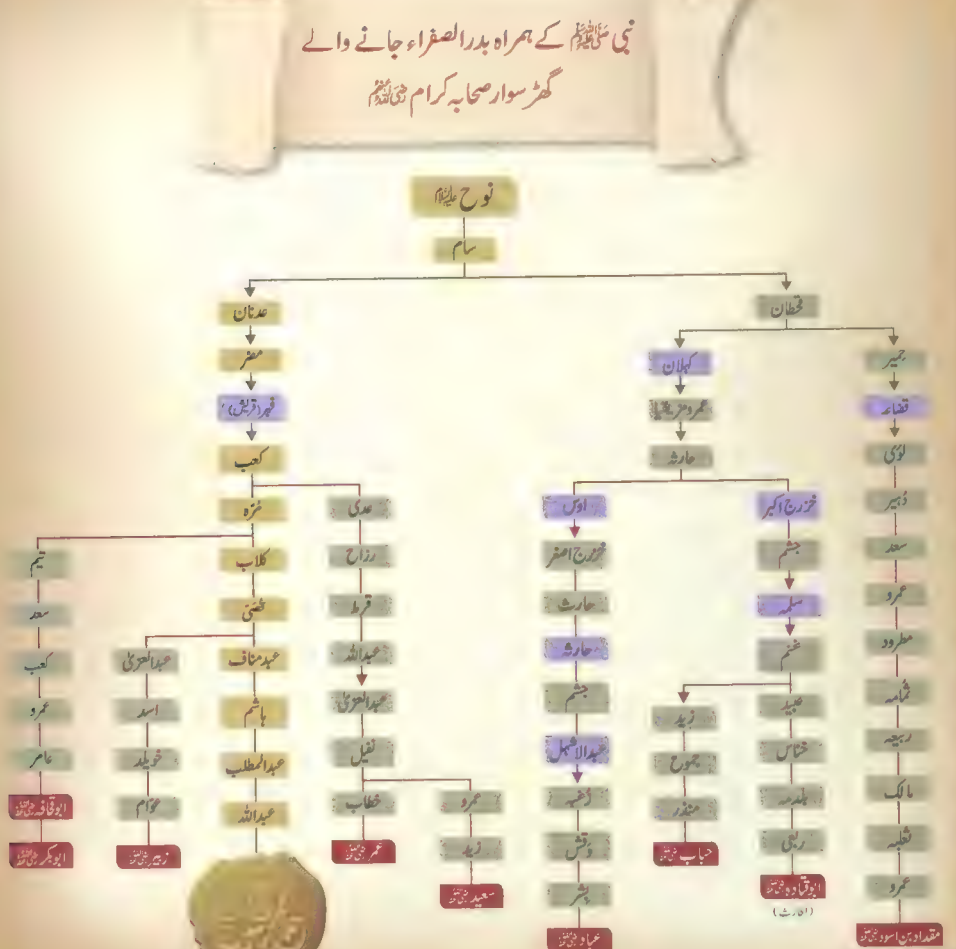
غزوہ بدر دوم (شعبان 4ھ)
اسلامی لشکر کی یلغار
لشکرِ کفار کا خروج اور واپسی
عیص
جبل رضویٰ
وادی بواط
بواط
وادی ظلم
جبل احد
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
نجد
ذی العشیرہ
الفرع
روحاء
منصرف
صفراء
بدر
ینبع کی طرف
وادی بطحان
حمراء الاسد
العشیرہ
بئر معونہ
حرہ
(چٹانی علاقہ)
معدن بنی سُلیم
(مہد الذہب)
وادی فرع
ابواء
مستورہ
وادی النخل
ثنیۃ المرہ
صفینہ
وادی رابغ
رابغ
خرار
غدیر خم
الجحفہ
حصنہ
المریسیع
وادی ستارہ
قدید
وادی قدید
ذات عرق
برکہ
اج
عسفان
الرجیع
عشیرہ
قرن المنازل
وادی مر الظہران
ذی طویٰ
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
طائف

بن بشر رضی اللہ عنہم تھے۔ پاسبانِ توحید ورسالت کا یہ لشکر ابوسفیان کو دیے ہوئے وعدے کے مطابق جب بدر الصفراء میں پہنچا تو وہاں کوئی قریشی موجود نہ تھا۔[1]

مکی لشکر کا کوچ

ابوسفیان اپنے ساتھ دو ہزار بہادروں کا لشکر لے کر نکلا، اس لشکر میں پچاس گھوڑے تھے۔ یہ لشکر دور وادئ مرالظہران میں مجنہ نامی چشمے پر خیمہ زن ہوا۔ مرالظہران مکہ سے 22 کلومیٹر شمال میں ہے۔ قحط سالی کے سبب قریشیوں کے اقتصادی حالات دگرگوں ہو چکے تھے۔ ان کی آمدنی کے ذرائع کم ہو گئے تھے، اس لیے ان کے اندر مقرر وقت اور مقررہ جگہ پر پہنچنے کی ہمت نہیں تھی لیکن عار کے ڈر سے اس لشکر نے کوچ کیا۔ ان کا سالار مکہ ہی سے بوجھل اور بد دل تھا۔ وہ بار بار مسلمانوں سے ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا اور ان کی ہیبت کے مارے لرز رہا تھا۔ مرالظہران پہنچ کر اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا۔

سالارِ قریش کے عذر بہانے اور واپسی کا اعلان

مکی لشکر کا سالار ابوسفیان دلی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا، چنانچہ وہ اپنی فوج میں واپسی کا اعلان اور اسباب کی شرح کرنے کے لیے کھڑا ہوا، اس نے کہا:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّهُ لَا يُصْلِحُكُمْ إِلَّا عَامٌ خَصِيبٌ تَرْعَوْنَ فِيهِ الشَّجَرَ وَتَشْرَبُونَ فِيهِ اللَّبَنَ، وَإِنَّ عَامَكُمْ هٰذَا عَامُ جَدْبٍ وَ إِنِّي رَاجِعٌ فَارْجِعُوا.

”اے قریش کے لوگو! تمھاری جنگ اس وقت موزوں ہوتی جب شادابی اور ہریالی ہو کہ تم جانوروں کو بھی چرا سکو اور خود بھی دودھ پی سکو، اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس چلے چلو۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے لشکر کے اعصاب پر مسلمانوں کی ہیبت چھائی ہوئی تھی کیونکہ ابوسفیان کے اس فیصلے پر کسی قسم کی مخالفت کیے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے ٹکراؤ کی رائے نہ دی۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے مکہ سے کوچ کرنے سے پہلے اپنی فوج کو دلاسہ دیا تھا کہ میں نے نعیم بن مسعود اشجعی کو ایک مہم پر بھیجا ہے، اس کی چال ایسی مؤثر ہو گی کہ مسلمان میدان بدر میں آنے کی جسارت ہی نہیں کریں

---

[1] السيرة لابن هشام :220/3، البداية والنهاية :89/4، المغازي للواقدي :324/1 و 327، عيون الأثر لابن سيد الناس، ص:265. [2] السيرة لابن هشام :220/3، عيون الأثر، ص:266.

گے۔ ہم محض دکھاوے کے لیے ایک دو راتیں سفر کر کے واپس آ جائیں گے۔ اگر محمد (ﷺ) نہ نکلے تو انھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم مکہ سے جنگ کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن مسلمان مدینہ سے نہیں نکلے، اس لیے اہل مکہ کا آگے جانا بے سود تھا، لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔ اس طرح ان کے دلوں میں ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر ہمیں پتہ چلا کہ مسلمان بدر پہنچ گئے ہیں تو پھر بھی واپس آجائیں گے۔ ہماری واپسی کے لیے یہ عذر کافی ہے کہ آج کل قحط سالی ہے، یہ سال جنگ کے لیے موزوں نہیں، ہم کسی ایسے سال میں ان پر حملہ کریں گے جبکہ ہر طرف ہریالی و شادابی ہوگی۔ سب نے اسے داد دیتے ہوئے کہا: کیا خوب رائے پیش کی ہے![1]

اہل مکہ کی اپنے لشکر کو ملامت

ابوسفیان کی قیادت میں قریشِ مکہ کا لشکر اہلِ اسلام کے مقابل آنے کے بجائے اپنی پسپائی کا عذر تراش کر واپس مکہ کو چل دیا تھا۔ ان کی واپسی بزدلانہ پسپائی تھی، چنانچہ اہل مکہ نے جب اپنے بہادروں کو بے نیلِ مرام چند کوس کے فاصلے سے واپس آتے دیکھا تو وہ کہنے لگے: یہ لوگ جنگ کرنے نہیں گئے تھے بلکہ ستو پینے گئے تھے۔ اس وجہ سے یہ لشکر ''جیش السویق'' کے لقب سے موسوم ہوگیا۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بدر میں تجارت

انھی ایام میں مقام بدر میں سالانہ آٹھ روزہ میلہ لگتا تھا جس میں دور دراز سے لوگ خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ساتھ جنگی ہتھیاروں کے علاوہ تجارت کا سامان بھی لے لیا تھا تاکہ اگر قریش کا لشکر میعاد مقرر پر نہ پہنچے تو وہ کاروبار کرلیں گے، چنانچہ اسلامی لشکر نے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک قریش کا انتظار کیا لیکن کوئی قریشی جنگجو اپنے وعدے کے مطابق نہ پہنچ سکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوب تجارت کی اور درہم کے ساتھ درہم اور دینار کے ساتھ دینار کمائے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریشی پروپیگنڈے کی وجہ سے ہم خوفزدہ ہوگئے، چنانچہ مجھے کوئی شخص نظر نہ آتا تھا جو جنگ کے لیے تیار ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سینے کھول کر ہمیں نورِ بصیرت سے نوازا اور ہمارے دلوں سے دہشت ختم کردی۔ اسلام کے جانباز جنگ کے لیے نکلے، میں بھی نکلا اور اپنے ساتھ سامانِ تجارت بھی لے لیا تاکہ بدر کے میلے میں کاروبار بھی کرسکوں۔ میں نے وہاں دینار کے ساتھ دینار کمایا (سو فیصد منافع

---

1 المغازي للواقدي: 327/1، شرح الزرقاني على المواهب: 537/2 2 السيرة لابن هشام: 220/3، السيرة لابن إسحاق: 391/2، عيون الأثر، ص: 266.

کمایا)۔ ہم اپنے پروردگار کے فضل و کرم، خیر اور بھلائی کے ساتھ مدینہ لوٹے۔ [1]

ضمری کی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ آٹھ روز تک قریش کا انتظار کرتے رہے لیکن قریش کا کوئی شخص بدر نہ پہنچا۔ اسی اثنا میں بنوضمرہ کا ایک شخص مَخشِیّ بن عمرو آیا۔ اس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ودان کے موقع پر دوستی کا معاہدہ کیا تھا۔ یہ شخص بدر کے میدان میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور پوچھنے لگا: کیا آپ یہاں قریش سے لڑنے آئے ہیں؟ اس کی گفتگو سے محسوس ہوتا تھا جیسے اب وہ قریش کی طرف میلان رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، يَا أَخَا بَنِي ضَمْرَةَ! وَ إِنْ شِئْتَ مَعَ ذٰلِكَ رَدَدْنَا إِلَيْكَ مَا كَانَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ، ثُمَّ جَالَدْنَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ»

''ہاں، اے ضمری! اور اگر تمھارا منشا ہو تو ہم اس عہد کو جو تمھارے اور ہمارے درمیان ہوا تھا، کالعدم قرار دے دیتے ہیں، پھر ہم تمھارے ساتھ بھی لڑائی کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارا اور ہمارا فیصلہ کر دے۔''

مخشی نے جب نبی کریم ﷺ کا عزم محکم دیکھا تو عرض کیا: نہیں نہیں، اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے آپ سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ [2]

اس ملاقات میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی قوت کا مظاہرہ کیا اور واضح کیا کہ فریقین کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ مسلمانوں کی قوت سے طے پایا ہے نہ کہ کمزوری کی بنا پر اور یہ بھی کہ جنگ بندی کا معاہدہ مخالف فریق کے مطالبے پر طے پایا ہے۔ یوں مسلمانوں کی قوت کا مظاہرہ ہوا اور دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ [3]

---

[1] المغازي للواقدي: 326/1، شرح الزرقاني على المواهب: 538/2. [2] السيرة لابن هشام: 220/3، عيون الأثر، ص: 266. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 288.

ودّان وادیِ ابواء میں واقع تھا جو مستورہ سے 12 کلو میٹر جنوب مشرق میں ہے

خزاعی تاجر کی مکہ آمد

وادیِ فاطمہ میں خزاعہ نامی بستی

بدر کے اس تجارتی میلے میں بنوخزاعہ کا ایک تاجر معبد بن ابومعبد خزاعی بھی شریک تھا۔ اس نے مسلمانوں کی قوت کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مکہ پہنچا۔ بدر کے میلے سے سب سے پہلے واپس آنے والا یہی شخص تھا۔ اس نے اہل مکہ کو خبر دی کہ میں نے بدر میں محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو بڑے قریب سے دیکھا۔ بدر میں شریک ہونے والوں کی غالب اکثریت انھی کی تھی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس دو ہزار کا لشکر تھا۔ علاوہ ازیں خزاعی نے اہلِ مکہ کو رسول اللہ ﷺ اور ضمری کی گفتگو بھی سنائی اور آپ ﷺ کے پُر وقار جواب سے بھی آگاہ کیا۔

قریش پر گھڑوں پانی پڑ گیا

معبد بن ابو معبد خزاعی کی باتیں سن کر قریش نہایت شرمندہ ہوئے اور اپنے زعماء کو طعنے دینے لگے کہ اب مسلمانوں میں ہمارے خلاف کس قدر جرأت پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے پلے کیا رہا؟ سارا عرب کیا سوچے گا؟ حتی کہ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تمھیں اس دن ہی ڈینگ مارنے سے روکا تھا لیکن تم نے فتح کے نشے میں آکر چیلنج کر دیا، آج تم نے ہمیں شرمسار کر دیا ہے۔ وہ سوچیں گے کہ ہم نے وعدہ خلافی کی ہے اور ہم کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے میدان میں نہیں آئے۔[1]

اسلامی لشکر کی مدینہ واپسی

آٹھ روز انتظار کرنے کے بعد نبیِ کریم ﷺ نے اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دیا، چنانچہ اسلامی لشکر اس شان سے مدینہ واپس آیا کہ جنگ میں پیش قدمی ان کے ہاتھ آچکی تھی، مخالفین کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ حالات پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔ یہ غزوۂ بدر موعد (طے شدہ غزوۂ بدر)، بدر ثانیہ، بدر ثالثہ، بدر آخرہ اور بدر صغریٰ

[1] المغازي للواقدي :1/328، إمتاع الأسماع :1/194، سبل الهدٰى والرشاد : 4/338.

کے ناموں سے معروف ہے۔[1]

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے اور مسلمانوں کی شان و شوکت کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔ تاہم ابن ہشام کا خیال ہے کہ یہ اشعار کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہیں:

وَعَدْنَا أَبَا سُفْيَانَ بَدْرًا فَلَمْ نَجِدْ   لِمِيعَادِهِ صِدْقًا وَّمَا كَانَ وَافِيَا

فَأُقْسِمُ لَوْ وَافَيْتَنَا فَلَقِيتَنَا   لَأُبْتَ ذَمِيمًا وَافْتَقَدْتَ الْمَوَالِيَا

عَصَيْتُمْ رَسُولَ اللّٰهِ أُفٍّ لِّدِينِكُمْ   وَأَمْرِكُمُ السَّيِّءِ كَانَ غَاوِيَا

فَإِنِّي وَ إِنْ عَنَّفْتُمُونِي لَقَائِلٌ   فِدًى لِّرَسُولِ اللّٰهِ أَهْلِي وَ مَالِيَا

أَطَعْنَاهُ لَمْ نَعْدِلْهُ فِينَا بِغَيْرِهِ   شِهَابًا لَّنَا فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ هَادِيَا

’’ہم نے ابوسفیان کے ساتھ بدر میں آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن ہم نے اسے اپنے وعدے میں سچا نہ پایا اور وہ وعدہ وفا کرنے والا تھا ہی نہیں۔

اور بخدا اگر اس دن تو ہمارے سامنے آتا اور ہمارے ساتھ جنگ کرتا تو تُو اپنے وطن اس حالت میں لوٹتا کہ تیری مذمت کی جاتی اور تو اپنے چچازاد بھائیوں کو گم کر بیٹھتا۔

تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، تف ہے تمھارے دین پر اور تمھارے اس برے طریقے پر جو گمراہی اور سرکشی کا طریقہ ہے۔

خواہ تم مجھے کتنا ہی برا بھلا کہو، میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ میرے اہل و عیال اور میرا مال سب کچھ اللہ کے رسول پر قربان ہو جائے۔

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ہم اپنے میں سے کسی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پایہ خیال نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اندھیری رات میں ہمارے لیے روشن ستارہ ہیں جو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔‘‘[2]

قرآنِ مجید کا تبصرہ

اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کی حیلہ سازی اور کفار کی سازش کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے فرمایا:

---

1 زاد المعاد: 255/3، جوامع السيرة، ص: 184. 2 البداية والنهاية: 89/4، السيرة لابن هشام: 221/3، سبل الهدیٰ والرشاد: 339/4.

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:172-174)

’’یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیک و پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔‘‘[1]

اس غزوے سے یہ نتیجہ اور سبق حاصل ہوتا ہے کہ فاسق کی خبر پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن مجید نے اسی لیے حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝﴾

’’اے ایمان والو! اگر کوئی نافرمان تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔‘‘[2]

ابوسفیان نے اپنے غلیظ پروپیگنڈے سے مسلمانوں میں اختلاف پھیلانے اور انھیں مایوس کرنے کی سازش کی، آج کل کفر کی تمام طاقتیں مسلمانوں کے اندر انتشار پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ آج میڈیا کے دور میں مسلمانوں کو صرف اپنے رب ہی پر پورے توکل کی ضرورت ہے۔ اس طرح ان شاء اللہ مومنین کے مقابلے میں کفر آج بھی پسپا اور دل گرفتہ ہو کر مایوس ہو جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات

رحمت عالم ﷺ نے اپنی لختِ جگر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کی اہلیہ محترمہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وہیں ان کے بطن طاہر سے

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 244/2. [2] الحجرٰت 49:6.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن کے نام پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی۔ 4 ھ/625ء میں جب ان کی عمر چھ برس ہوئی تو کسی مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، بالآخر جمادی الاولیٰ 4 ھ میں وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کی نمازِ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور انھیں قبر میں ان کے والدِ گرامی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اتارا۔[1]

[1] البداية والنهاية: 91/4، إمتاع الأسماع: 192/1، السيرة النبوية لأبي شهبة: 245/2.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی

رسول اللہ ﷺ نے رمضان 4ھ/626ء میں سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ قیسیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ ان کا نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ام المساکین کہا جاتا تھا کیونکہ یہ مساکین پر بہت زیادہ صدقہ کرتی تھیں اور ان کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک سے پیش آتی تھیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے انھیں پانچ سو درہم بقول بعض چار سو درہم حق مہر دیا۔ ان کی پہلی شادی سیدنا طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی لیکن کسی بنا پر نبھاؤ نہ ہو سکا، اس لیے طفیل رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ بعد ازاں ان کی شادی سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ کے بھائی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی شادی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ جنگِ احد میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

کی ماں جائی بہن سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو بھی سات ہجری میں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بلا اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دو، تین یا آٹھ ماہ رہیں، پھر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد امہات المؤمنین میں سے انھی نے وفات پائی۔ ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔[1]

[1] المستدرك للحاكم : 36/4، البداية والنهاية : 91/4، الطبقات لابن سعد : 115/8، جامع الآثار في السير و مولد المختار لابن ناصر الدين الدمشقي : 186/7، السيرة النبوية لأبي شهبة :246/2.

زینب بنت خزیمہ گرلز پرائمری سکول، الصفوف، البریمی (متحدہ عرب امارات)

نبی ﷺ کی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابوامیہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہا تھا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی سیدنا ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوئی تھی۔ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی نے اپنے دین و ایمان

کی حفاظت کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان دونوں کا آپس میں بہت پیار تھا۔ جمادی الآخرہ 4ھ/625ء میں سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پاگئے۔[1]

ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے راز و نیاز

ایک دن کی بات ہے، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب خاوند سیدنا عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھی راز و نیاز کی باتیں کر رہی تھیں کہ انھوں نے اپنے شوہر سے کہا: مجھے یہ علم ہوا ہے کہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ عورت اس کے بعد شادی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں ضرور جمع کر دے گا۔ آیئے ہم عہد کریں کہ ہم ایک دوسرے کے بعد شادی نہیں کریں گے۔

ابوسلمہ: کیا تم میری بات تسلیم کرو گی؟

ام سلمہ: بالکل، کیوں نہیں؟

[1] إمتاع الأسماع: 53/6، سير أعلام النبلاء: 202,201/2، البداية والنهاية: 91/4.
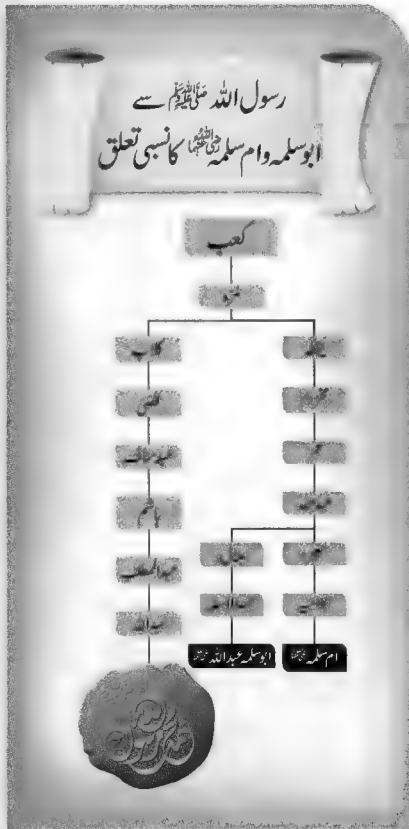
ابوسلمہ: جب میں فوت ہو جاؤں تو تم شادی کر لینا۔

اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! ارْزُقْ أُمَّ سَلَمَةَ بَعْدِي رَجُلًا خَيْرًا مِّنِّي لَا يَحْزُنُهَا وَلَا يُؤْذِيهَا.

''اے اللہ! میرے بعد ام سلمہ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرمانا جو اسے دکھ اور تکلیف نہ دے۔''[1]

خاوند کی وفات اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دعا

اگر کسی نے میاں بیوی کا مثالی پیار دیکھنا ہو تو وہ سیدہ ام سلمہ اور سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہما کی سرگزشت پڑھ لے۔ ان دونوں میں باہم بے حد محبت تھی۔ جب سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ دعا کرو:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِي وَلَهُ، وَ أَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبٰى حَسَنَةً»

''اے اللہ! مجھے اور اسے بخش دے اور مجھے اس سے اچھا بدلہ عطا فرما۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھا بدلہ عطا فرمایا، یعنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آ گئی۔[2]

دوسری شادی کے پیغامات

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ فَلْيَقُلْ: إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ! عِنْدَكَ أَحْتَسِبُ مُصِيبَتِي، فَأْجُرْنِي فِيهَا وَ أَبْدِلْنِي بِهَا خَيْرًا مِّنْهَا»

''جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ کہے: بلاشبہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! میں اپنی اس مصیبت میں تجھ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، مجھے اجر نصیب فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔''

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو میں مذکورہ دعا پڑھتی تھی۔ میں جب بھی اس کلمے پر پہنچتی: ''مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔'' تو میرے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟

[1] إمتاع الأسماع: 54/6، سير أعلام النبلاء: 203/2. [2] صحيح مسلم: 919.

جب ان کی عدت مکمل ہوگئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں شادی کا پیغام بھیجا لیکن ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شادی کا پیغام بھیجا، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کا پیغام بھی قبول نہ کیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام بھیجا تو انھوں نے کہا:

مَرْحَبًا بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبِرَسُولِهِ.

''اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے قاصد کو خوش آمدید۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پیغام رساں سے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بتا دینا کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں جن کی بنا پر میں آپ ﷺ کی زوجیت کے قابل نہیں:

1 مجھ میں غیرت کا جذبہ بہت شدید ہے۔ (یعنی دوسری امہات المؤمنین کے ساتھ میری گزر بسر کس طرح ہوگی؟)

2 میں بال بچے دار ہوں۔

3 میرے اولیاء میں سے کوئی موجود نہیں جو نکاح کے وقت میرا سرپرست ٹھہرے۔

قاصد نے رسول اللہ ﷺ کو اس ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب بھیجا:

«أَمَّا قَوْلُكِ: إِنِّي امْرَأَةٌ غَيْرٰى، فَأَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُّذْهِبَ غَيْرَتَكِ وَأَمَّا قَوْلُكِ: إِنِّي امْرَأَةٌ مُّصْبِيَةٌ فَتُكْفَيْنَ صِبْيَانَكِ وَ أَمَّا قَوْلُكِ: إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدًا فَلَيْسَ مِنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدٌ وَّلَا غَائِبٌ يَكْرَهُ ذٰلِكَ»

''تمھارا یہ کہنا کہ مجھ میں غیرت کا جذبہ بہت شدید ہے (دیگر ازواج سے گزارا مشکل ہے) تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، وہ تمھارا یہ جذبہ ختم کر دے گا۔ تمھاری یہ بات کہ میں بال بچے دار ہوں تو تمھارے بچوں سے کفایت کر دی جائے گی (تمھارے بچوں کی کفالت میرے ذمے ہے) اور تمھارا یہ قول کہ تمھارا کوئی سرپرست موجود نہیں تو تمھارے جتنے بھی غائب اور موجود ولی ہیں، کوئی بھی تمھاری اور میری شادی ناپسند نہیں کرے گا۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: میں ادھیڑ عمر ہوں تو آپ ﷺ نے جواب ارسال فرمایا:

«وَأَمَّا السِّنُّ فَأَنَا أَكْبَرُ مِنْكِ»

[1] صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: 2949.

''رہی عمر کی بات تو میں تم سے بڑا ہوں۔''

پھر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اُٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے عقد کا انتظام کرو، چنانچہ انھوں نے اپنی والدہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ولی کی ذمہ داری ان کے بیٹے سلمہ بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہما نے ادا کی تھی اور بقول بعض سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پیغام نکاح لائے اور انھی نے ولایت کی ذمہ داری نبھائی۔[1]

نکاح کے لیے گھریلو سامان کی تیاری

نکاح کا معاملہ طے پا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«إِنِّي لَا أَنْقُصُكِ مِمَّا أَعْطَيْتُ فُلَانَةَ رَحَائَيْنِ وَجَرَّتَيْنِ وَمِرْفَقَةً حَشْوُهَا لِيفٌ»

''میں نے تمھاری فلاں بہن کو جو کچھ دیا ہے، تمھیں اس سے کم نہیں دوں گا، یعنی دو چکیاں، دو مٹکے اور کھجوروں کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ۔''[2]

رسول اللہ ﷺ جب سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے تو وہ اپنی چھوٹی بیٹی زینب کو گود میں اٹھا لیتیں۔ آپ ﷺ انتہائی معزز اور شرم و حیا والے تھے، آپ ﷺ یہ صورت حال دیکھ کر شرم و حیا کی بنا پر واپس چلے جاتے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی، ایک روایت کے مطابق اخیافی بھائی، سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اس معاملے کی خبر ہوئی تو وہ آئے اور زینب کو اپنے ساتھ لے گئے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے سارا گھر دیکھا لیکن زینب نظر نہ آئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا:

«أَيْنَ زَنَابُ؟ مَا فَعَلَتْ زَنَابُ؟»

''زینب کہاں ہے؟ زینب کو کیا ہوا؟''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ عمار رضی اللہ عنہ آئے تھے، وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي آتِيكُمُ اللَّيْلَةَ»

''میں آج رات آؤں گا۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے آٹا پیسنے کے لیے چکی تلے چادر بچھائی، مٹکے سے کچھ جَو نکالے اور انھیں

---

[1] إمتاع الأسماع : 53/6، صحيح مسلم : 918. [2] صحيح ابن حبان : 213/7، مسند أحمد : 295/6. مسند احمد میں ایک مٹکے کا ذکر ہے۔

پیس کر چربی میں ملایا۔ آپ ﷺ نے شب بسری کے بعد فرمایا:

«إِنَّ بِكِ عَلٰى أَهْلِكِ كَرَامَةً فَإِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَ إِنْ أُسَبِّعْ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي وَ إِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ ثُمَّ دُرْتُ»

”تم اپنے اہل (نبی کریم ﷺ) کے نزدیک قابل احترام ہو، تم چاہو تو میں تمھارے پاس سات راتیں گزاروں۔ اگر میں تمھارے پاس سات راتیں گزاروں گا تو اپنی دوسری بیویوں کے پاس بھی سات سات راتیں گزاروں گا اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے پاس تین راتیں قیام کروں، پھر معمول کے مطابق چکر لگاؤں گا۔“

سیدہ ام سلمہ ؓ نے کہا: آپ تین دن تک رہیے۔[1]

سیدہ ام سلمہ ؓ کی وفات

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ ؓ نے علم و حکمت کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی پھیلانے میں دوسرے راویوں کے ہمراہ بھرپور حصہ لیا۔ ان سے 378 مرفوع احادیث مروی ہیں جبکہ صحیح بخاری میں 3، صحیح مسلم میں 13 اور متفق علیہ (صحیح بخاری و مسلم میں مشترک) 13 احادیث ہیں۔ سیدہ ام سلمہ ؓ 61ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ بعض مؤرخین نے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ ؓ کی وفات 59ھ میں بیان کی ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

ہجرت مدینہ منورہ کے بعد امہات المؤمنین میں سب سے پہلے سیدہ زینب ؓ نے اور سب سے آخر میں سیدہ ام سلمہ ؓ نے وفات پائی۔[3]

---

[1] مسند أحمد: 314,313/6، صحيح ابن حبان: 213,212/7، صحيح مسلم: 1460، سنن أبي داود: 2122، الطبقات لابن سعد: 94,93/8. [2] سير أعلام النبلاء: 210,209/2. [3] فتح الباري: 362/3، المستدرك للحاكم 20/4.

البقیع (مدینہ منورہ)

ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نام ونسب اور پیدائش

خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت سے آراستہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ جلیل القدر خاتون امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی، جرنیل صحابی عبداللہ بن جحش اور قادر الکلام شاعر ابو احمد بن جحش اور عظیم المرتبت صحابیہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم کی بہن اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی تھیں۔ ان کا والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت جحش بن ریاب (رئاب) بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدیہ رضی اللہ عنہا۔[1] گویا ان کا پدری نسب دسویں پشت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس سے جا ملتا ہے۔

زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب رضی اللہ عنہا بنت امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ۔

ان کی والدہ امیمہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے مسلمان ہونے کی نفی کی

[1] جامع المسانید والسنن: 481/15، الاستیعاب، ص: 890.

قلعہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور قدیم مسجد مستراح

ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں صحابیات میں شمار کیا ہے۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ''برّہ'' تھا جسے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے زینب رکھ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت تھی، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد عورتوں کا نام زینب رکھا۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہجرت نبوی سے تقریباً 33 سال پہلے مکہ مکرمہ میں 590ء میں ہوئی۔[3]

قبولِ اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان کیا تو جن سعادت مند لوگوں نے اسلام کی دعوت قبول کی، ان میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے اسلام لانے کے ساتھ ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا، یوں ان کی بہن زینب رضی اللہ عنہا بھی اسلام لانے والوں میں شامل ہوگئی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قدیم الاسلام تھیں۔[4]

مدینہ کو ہجرت

جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کا مکہ معظّمہ میں عرصۂ حیات تنگ کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے 13 نبوی میں سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنوجحش کا خاندان مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا جس میں نابینا اسلامی شاعر ابواحمد بن جحش، محمد بن عبداللہ بن جحش، زینب بنت جحش، مصعب بن عمیر کی بیوی حمنہ بنت جحش اور عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہم بھی شامل تھیں۔

[1] الإصابة :34/8. [2] صحيح مسلم :2142. [3] أمهات المؤمنين، ص :640. [4] أسد الغابة :294/5.

ادیس ابابا، ایتھوپیا (حبشہ) کا ایک خوبصورت منظر

کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ بنو جحش کا پورا کنبہ بیک وقت سفرِ ہجرت پر روانہ ہوا تھا، اس لیے ان کا عالی شان گھر خالی ہو گیا جس پر قریش کے سردار ابو سفیان نے قبضہ کر لیا۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ جس گھر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی تھی، وہ آج ابو سفیان کے قبضے میں ہے تو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس ناگوار صورت حال کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضٰى يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَنْ يُّعْطِيَكَ اللّٰهُ بِهَا دَارًا خَيْرًا مِّنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟»

"اے عبداللہ! کیا تمھیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمائے؟"

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے بخوشی منظور ہے۔ فرمایا: "یقین رکھو، جنت میں تمھیں اس سے بہتر گھر ملے گا۔"

ہجرت کے موقع پر اسلامی شاعر ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ کہا۔ اس میں ہجرت کے اسباب، قریش کے ظلم و ستم اور فرزندانِ اسلام کی ایمان افروز داستان تفصیل سے بیان کی گئی تھی۔ اسے عربی ادب کا شاہکار تسلیم کیا گیا ہے۔[1]

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی اقلح انصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ سیدنا عاصم بن ثابت نے ان کے تمام قبیلے کو اپنا مہمان بھی بنایا تھا۔[2]

[1] السيرة لابن هشام: 500,499/2 و 474,473. [2] الطبقات لابن سعد: 90/3.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تو معاشرے میں غلام و آزاد کے امتیازات مٹ گئے۔ طلاق کے بعد ان کا دوسرا نکاح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی الٰہی کی بنیاد پر ہوا جس سے لے پالک کو حقیقی بیٹے کا درجہ دینے کی قدیم رسم دم توڑ گئی۔ آیئے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی اور طلاق، پھر ام المؤمنین بننے کی مفصل سرگزشت کا مطالعہ کیجیے۔

سیدہ زینب اور سیدنا زید رضی اللہ عنہما کی شادی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پورے عالمِ انسانیت کے لیے دائمی مشعلِ راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو صحیح ڈگر پر چلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش تھی کہ صدیوں سے ذات پات اور طبقاتی امتیازات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو ہر جاہلانہ حلقۂ زنجیر سے آزاد کرایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہو جائیں۔ تقویٰ کے سوا کوئی اور معیارِ فضیلت باقی نہ رہے۔

عرب معاشرے میں آزاد کردہ غلام کو کم تر سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ زید رضی اللہ عنہ کی قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والی اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کر کے معاشرے کی طبقاتی اونچ نیچ کو ختم کر دیا جائے۔ طبقاتی اونچ نیچ کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ اسے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ختم کر سکتے تھے تاکہ امت

اسے نمونہ بنالے اور انسانیت راہِ ہدایت پر چل پڑے۔

رسول مکرم ﷺ اپنے لے پالک زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے بنفس نفیس قریش کی حسین ترین نجیب الطرفین صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگنے گئے۔ جب آپ ﷺ ان کے گھر پہنچے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے زید رضی اللہ عنہ کے رشتے کی بات کی تو ان کے بھائی عبد بن جحش نے یہ رشتہ قبول کرنے سے معذرت کی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا چونک پڑیں۔ انھوں نے بڑی حیرانی کے عالم میں عرض کیا: اللہ کے رسول! بھلا میں زید سے شادی کروں؟ میں تو عرب کے معزز ترین قبیلے کی کنواری لڑکی ہوں۔ میں زید سے شادی نہیں کروں گی، مجھے وہ پسند نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مسجد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، بن غازی (لیبیا)

«بَلٰی ! فَانْکِحیهِ»

”کیوں نہیں! تم اس سے شادی کرلو۔“

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے رسول! میں اس بارے میں سوچ بچار کرلوں۔ ابھی یہ بات جاری تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾

”اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے کا کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے، وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔“[1]

اس حکم ربانی کے نزول کے بعد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا آپ زید رضی اللہ عنہ سے میری شادی پر خوش ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ فَإِنِّي قَدْ رَضِيتُهُ لَكِ»

[1] الأحزاب 36:33.

”ہاں! بلاشبہ میں نے اسے تمھارے لیے پسند کیا ہے۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں زید رضی اللہ عنہ سے شادی پر تیار ہوں، چنانچہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا۔ اس طرح زمانۂ جاہلیت کا طبقاتی اندازِ فکر اپنی موت آپ مرگیا۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا حق مہر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دس دینار، ساٹھ درہم، اوڑھنی، چادر، زرہ، ساٹھ مد (31.492 کلوگرام) اناج اور دس مد (5.248 کلوگرام) کھجوریں بطور حق مہر دیں۔[2]

سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے شادی انقلاب انگیز ثابت ہوئی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے قرار پانا دراصل اسلام کے مقاصدِ جلیلہ کا آئینہ دار تھا تاکہ لوگوں کے مابین قبائلی اور خاندانی عصبیت، جاہلانہ فخر وغرور، اونچ نیچ اور رنگ ونسل کے باطل امتیازات مٹا دیے جائیں۔ اور انسان کے شرف ومجد اور عظمت وفضیلت کا واحد معیار صرف تقویٰ قرار پائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر اس نکاح کے دو مقاصد تھے:

ایک یہ کہ اسلام میں علاقائی، ذات برادری اور خاندانی برتری کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہرچند زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قریش کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اسلام نے اس جاہلانہ فرق و امتیاز کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا ہے۔

دوسرا عظیم مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اسلامی احکام سے پوری طرح آشنا کرانا چاہتے تھے اور ان کے ذریعے سے خواتینِ قریش میں اسلامی تعلیم وتبلیغ کے آرزومند تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ چونکہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے اور ذہین واخاذ تھے، اس لیے مسائل شرعیہ سے اچھی طرح باخبر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی تمام دینی اصول ومبادیات کی تعلیم دیں، چنانچہ ”أسد الغابة“ میں مذکور ہے:

تَزَوَّجَهَا لِيُعَلِّمَهَا كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ.

1 تفسير الطبري، ظلال القرآن، الأحزاب 36:33، الطبقات لابن سعد: 101/8، نساء حول الرسول، ص: 88,87.
2 تفسير ابن كثير، الأحزاب 37:33.

”نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے اس لیے کیا تھا کہ وہ انھیں کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔“[1]

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے جدائی

کامیاب اور محکم ازدواجی زندگی کے لیے میاں بیوی کا باہمی حُسنِ سلوک اور کامل افہام و تفہیم ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے زیادہ جاذبِ نظر نہ تھے، رنگ بھی سانولا تھا۔ ان کے برعکس سیدہ زینب رضی اللہ عنہا انتہائی خوبصورت اور معزز خاتون تھیں۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے شادی تو کر لی لیکن ان دونوں میاں بیوی میں دلی محبت پیدا نہ ہو سکی جبکہ باہمی محبت کا سورج چمکے بغیر میاں بیوی کی ملی جُلی زندگی کے اندھیرے دُور نہیں ہو سکتے۔ اِسی وجہ سے گھریلو ماحول میں تلخی راہ پا گئی جو آئے دن بڑھتی چلی گئی۔ جو عزت و وقار، اہمیت اور پذیرائی ہر خاوند اپنی رفیقۂ حیات سے چاہتا ہے، سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو وہ مقام میسر نہ آیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طبیعت میں کچھ تیزی تھی، جو لامحالہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے لیے موجبِ اذیت تھی، چنانچہ حالات بتدریج ناسازگار ہوتے جا رہے تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سال بھر یا سال سے کچھ زیادہ عرصہ یہ آزردگی برداشت کی، بالآخر ازدواجی زندگی بس سے باہر ہو گئی۔ انھوں نے علیحدگی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اس بندھن کی دشواریاں اور اِسے قائم نہ رکھ سکنے کی شکایت کرتے رہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں ہمیشہ روک دیتے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔

اب سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی تُرش کلامی کے باعث وہ تنگ آ چکے تھے۔ طلاق کے بغیر اس الجھن کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ شادی بھی رسول اللہ ﷺ نے کرائی تھی، اس لیے سیدنا زید رضی اللہ عنہ بذاتِ خود طلاق کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انھیں نصیحت فرمائی:

﴿اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ﴾

”اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو۔“[2]

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اصلاحِ احوال کے لیے سارے جتن کیے۔ ہر امکانی کوشش کی لیکن ہر معاملے کی طرح دل کی دنیا بدل دینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے بیوی کے فطری مزاج کی

[1] أسد الغابة: 5/294. [2] الأحزاب 33:37.

تبدیلی زید کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے انھیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی چاہت نہ رہی۔ وہ بڑے باوقار، خود دار اور شریف النفس انسان تھے۔ انھیں گوارا نہ تھا کہ اپنی خوشی کے لیے اہلیہ کی زندگی اجیرن کر دیں۔ یوں انھوں نے علیحدگی کا حتمی فیصلہ کرلیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا عزم صمیم لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتے رہے اور بیوی کو نہ چھوڑنے کی نصیحت فرماتے رہے۔ لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ اس قدر آزردہ اور کشیدہ خاطر تھے کہ انھوں نے بالآخر طلاق دے دی۔[1]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 306,305/2، نساء حول الرسول، ص: 88، تفسير ابن كثير، الأحزاب 37:33.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے طلاق پا کر عدت میں بیٹھ گئیں۔ اب ان کا ذہن خالی تھا، وہ بالکل نہیں جانتی تھیں کہ ان کا مستقبل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انھیں زحمت کش انتظار میں نہیں رکھا، انھیں عدت کے بعد سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ بنا کر مادر مہربان بنا دیا۔ یہ معجزہ کس طرح ظہور میں آیا؟ آئیے پڑھیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اذْهَبْ فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ»

''جاؤ اور زینب کے پاس نکاح کے لیے میرا تذکرہ کرو۔''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ چل پڑے۔ جب وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو وہ گندھے ہوئے آٹے میں خمیر ڈال رہی تھیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی شان کا احساس پیدا ہوا کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیجا ہے۔ یہ خیال آیا تو میں نے نظر نیچی کر لی۔ پھر میں انھیں دوبارہ دیکھ نہ سکا۔ میں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کہا: زینب! آپ کو مبارک ہو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، وہ آپ کو پیغامِ نکاح دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگیں:

مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتّٰى أُوَامِرَ رَبِّي.

''جب تک میں اپنے رب سے استخارہ نہ کر لوں، اُس وقت تک کچھ نہیں کروں گی۔''

وہ استخارہ کرنے کے لیے فوراً جائے نماز کی طرف لپکیں، ادھر قرآن نازل ہوگیا:

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾

(الأحزاب 33:37)

''اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے

بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔''

اس فرمانِ باری تعالیٰ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اجازت لیے بغیر ان کے پاس چلے آئے۔[1]

ابن عباس ﷠ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ زینب ﷞ نے رب ذوالجلال کے اس عظیم احسان پر بطورِ تشکر دو ماہ کے روزے رکھنے کی نذر مان لی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کنیز سلمٰی ﷞ یہ بشارت سنانے کے لیے سیدہ زینب ﷞ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو سیدہ نے اپنا سارا زیور انھیں انعام میں عطا کر دیا۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ زینب ﷞ کے پاس تشریف فرما ہوئے تو انھوں نے عرض کیا: کیا یہ نکاح آسمانی حکم سے ہوا ہے؟ اور خطبے اور گواہ کے بغیر ہو گیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ الْمُزَوِّجُ وَ جِبْرِيلُ الشَّاهِدُ»

''اللہ تعالیٰ نکاح کرنے والا ہے اور جبریل علیہ السلام اس کے گواہ ہیں۔''[3]

شادی کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت جحش ﷞ سے یہ مبارک شادی کب ہوئی؟ اس میں کچھ اختلاف ہے۔ امام قتادہ، واقدی اور بعض اہلِ مدینہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 5 ھ میں زینب ﷞ سے شادی کی۔ ان میں سے بعض نے اس میں ذوالقعدہ کے مہینے کا اضافہ بھی کیا ہے۔ حافظ بیہقی ﷫ نے کہا ہے کہ آپ نے یہ شادی غزوہ بنی قریظہ کے بعد کی۔[4] اس کے بالمقابل خلیفہ بن خیاط، ابوعبیدہ بن معمر بن مثنیٰ اور ابن مندہ ﷭ نے کہا ہے کہ یہ شادی 3 ھ میں ہوئی۔[5] حافظ ابن کثیر ﷫ لکھتے ہیں کہ پہلی بات زیادہ مشہور ہے۔ ابن جریر ﷫ اور دیگر کئی مؤرخین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔[6] حافظ ابن حجر ﷫ نے بھی پہلے 3 ھ کا قول ذکر کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شادی 5 ھ میں ہوئی۔

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش ﷞ سے 4 ھ میں شادی کی۔ یہ ان تمام علماء کا قول

---

1 صحيح مسلم :(89)-1428، مسند أحمد :195/3، أسد الغابة :294/5. 2 المستدرك للحاكم :24/4. 3 المعجم الكبير للطبراني :40/24، حديث: 109. 4 دلائل النبوة للبيهقي :467/3. 5 البداية والنهاية :147/4. 6 الإصابة :153/8.

شجرہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن
ابراہیم علیہ السلام
اسحاق علیہ السلام
اسماعیل علیہ السلام
یعقوب علیہ السلام
لاوی
قاہات
عمران
ہارون علیہ السلام
موسیٰ علیہ السلام
ناخوم
نحام
نضیر
ابوحبیب
خزرج
کعب
عبد
ثعلبہ
سعنہ
اخطب
حیی
صفیہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مُدرِکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر (قریش)
غالب
لؤی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبدمناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
قیس عیلان
خصفہ
عکرمہ
منصور
ہوازن
بکر
معاویہ
صعصعہ
عامر
ہلال
عبداللہ
رویبہ
ہزم
بجیر
حزن
حارث
میمونہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عبدمناف
عمرو
عبداللہ
حارث
خزیمہ
زینب رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عدی
قرط
رزاح
عبداللہ
ریاح
عبدالعزیٰ
نفیل
خطاب
عمر رضی اللہ عنہ
حفصہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
یقظہ
عمرو
عبداللہ
مغیرہ
ابوامیہ
ام سلمہ ہند رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
خدیجہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عبدشمس
امیہ
حرب
ابوسفیان رضی اللہ عنہ
ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
تیم
سعد
کعب
عمرو
عامر
ابوقحافہ رضی اللہ عنہ
ابوبکر رضی اللہ عنہ
عائشہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
عامر
حسل
مالک
نضر
عبدود
عبدشمس
قیس
زمعہ
سودہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین
اسد
دودان
غنم
کثیر
مرہ
صبرہ
یعمر
ریاب
جحش
زینب رضی اللہ عنہا
ام المومنین
قمعہ
لحی
عمرو
خزاعہ
سعد
جذیمہ
مالک
عائذ
حارث
ابوضرار
حارث
جویریہ رضی اللہ عنہا
ام المومنین

ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ حجاب کا حکم 4 ھ میں نازل ہوا، اس لیے کہ حجاب کا حکم زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہی کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ علامہ دمیاطی نے حجاب کا حکم نازل ہونے کے حوالے سے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک جگہ یہی لکھا ہے کہ حجاب کے متعلق مشہور ترین قول یہی ہے۔[2] ابن سید الناس رحمہ اللہ نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ صحیح ترین قول یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے 4 ھ میں شادی کی۔[3] واللّٰہ أعلم بالصواب

پُر تکلف ضیافتِ ولیمہ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاندانی پس منظر کی بنا پر فطرتاً اعزاز و اکرام کی خواہش مند تھیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے انھوں نے ایک آزاد کردہ غلام سے شادی کر لی تھی۔ دونوں کے محسوسات میں جو فطری اختلاف تھا، اس کے باوجود وہ ان کے ساتھ رہیں حتی کہ زید رضی اللہ عنہ نے انھیں خود طلاق دے دی، اس لیے آپ ﷺ نے ان کے اعزاز کا خاص اہتمام فرمایا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَوْلَمَ عَلَى امْرَأَةٍ مِّنْ نِّسَائِهِ مَا أَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِنَّهُ ذَبَحَ شَاةً.

’’میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی کسی زوجۂ محترمہ کے ولیمے پر اتنا اہتمام کیا ہو جتنا اہتمام سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے پر کیا۔ آپ ﷺ نے بکری ذبح فرمائی۔‘‘[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اگلے روز جب سورج چڑھ آیا تو آپ نے ہمیں گوشت اور روٹی کھلائی حتی کہ تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔[5]

ابو عثمان جعد بیان کرتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے سے بنو رفاعہ کی مسجد (جو بصرہ میں ہے) میں آئے، میں نے انھیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب آپ ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف سے گزرتے تو ان کے پاس جاتے، انھیں سلام کرتے۔ پھر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو میری ماں ام سُلیم رضی اللہ عنہا مجھ سے کہنے لگیں: اس وقت ہم آپ ﷺ کے پاس کچھ تحفہ بھیجیں تو
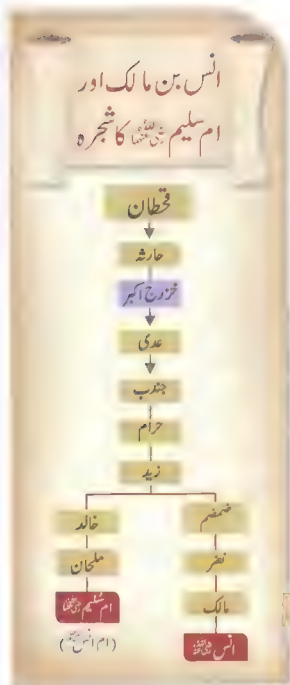
[1] فتح الباري : 587/8. [2] فتح الباري : 537/7. [3] عيون الأثر، ص : 441.
[4] صحيح مسلم :(91,90)-1428. [5] صحيح مسلم :(89)-1428.

اچھا ہے۔ میں نے ان کی تائید کی۔ انھوں نے کھجور، گھی اور پنیر ملا کر ایک ہانڈی میں حلوہ بنایا، میرے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ جا کر عرض کرنا: میری امی آپ کو سلام کہتی ہیں اور یہ بھی کہتی ہیں کہ یہ تھوڑا سا ہدیہ ہے، ہماری طرف سے قبول فرما لیجیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہ حلوہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور اپنی والدہ محترمہ کا پیغام دے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «ضَعْهَا» ''اسے رکھ دو۔'' پھر آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

«اُدْعُ لِي رِجَالًا ـ سَمَّاهُمْ ـ وَادْعُ لِي مَنْ لَقِيتَ»

''جاؤ، فلاں فلاں لوگوں کو بلا لاؤ، آپ ﷺ نے ان کا نام لیا، اور جو شخص راستے میں ملے، اسے بھی بلا لاؤ۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت میں لوگوں کو دعوت دینے گیا۔ جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر اور صفہ (چبوترہ) لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ حلوے پر رکھے ہوئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، آپ ﷺ نے وہ کلمات پڑھے (برکت کی دعا کی) پھر فرمایا:

«لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ، اُذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلْيَأْكُلْ كُلُّ رَجُلٍ مِّمَّا يَلِيهِ»

''دس دس آدمیوں کی ٹولیاں بنا لو اور اللہ کا نام لے کر ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔''

جعد کہتے ہیں: میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: وہ کل کتنے لوگ تھے؟ انھوں نے بتایا: تقریباً تین سو لوگ تھے۔ [1]

آیاتِ حجاب کا نزول

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور واپس چلے گئے لیکن چند لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مجھے ان کے بیٹھے رہنے پر افسوس ہوا (کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوگی)۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھیں۔ نبی ﷺ تشریف لائے لیکن لوگوں کو باتوں میں مشغول دیکھ کر دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں میں چلے گئے، آپ ﷺ دوبارہ تشریف لائے تو انھوں نے محسوس کر لیا کہ ہم آپ ﷺ کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی بیوی کے پاس تشریف لائے اور حجرے میں داخل ہوئے، میں بھی آپ کے ساتھ حجرے میں جانے لگا تو آپ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ حائل کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور یہ

[1] صحيح البخاري: 5163، صحيح مسلم: (94)-1428.

آیت تلاوت فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب 53:33)

’’اے ایمان والو! تم نبی (ﷺ) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جا کر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے، تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان (کی وفات) کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔‘‘

سیدنا انس ﷛ کہتے ہیں: ان آیات کا علم سب سے پہلے مجھے ہوا۔ ان آیات کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات کو پردہ کرا دیا گیا۔[1]

آیاتِ حجاب کا نزول سیدنا عمر ﷛ کی موافقات میں سے تھا۔ سیدنا انس ﷛ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر ﷛ نے کہا: اللہ کے رسول! برے بھلے سب لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ کاش! امہات المؤمنین کو آپ پردے کا حکم دیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم نازل فرما دیا۔[2]

جب پردے کا حکم نازل ہوا تو امہات المؤمنین کے باپ، بیٹوں اور دیگر رشتے داروں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم بھی امہات المؤمنین سے پردے کی اوٹ میں بات کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝﴾ (الاحزاب 55:33)

’’عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں

[1] صحيح البخاري: 5163، صحيح مسلم: (95,94)-1428. [2] صحيح البخاري: 4790.

اور جن (لونڈی، غلام) کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان کے سامنے آنے میں) کوئی گناہ نہیں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"[1]

مبارک شادی کے انقلابی نتائج

جو رسمیں کسی معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہیں، لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے کسی صورت دست بردار نہیں ہوتے، چاہے وہ رسمیں لغو اور بے ہودہ ہی ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی، اس لیے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں رد و بدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں۔

عرب میں دیگر لغو رسوم و رواج کے ساتھ یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے تھے جو حقیقی فرزند کے ہوتے ہیں۔ وہ متبنیٰ بنانے والے کی وفات کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی بیوی کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی بیوی کی تھی۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلے کا فرد شمار ہوتا۔ اس طرح اس رسم کے سبب طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہو رہی تھیں۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا۔ بیٹا وہ کسی کا ہوتا، لیکن تبنیت کی بنا پر وہ اپنے اصل خاندان سے کٹ جاتا تھا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا تھا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے مالِ متروکہ کے حق دار بنتے ہیں لیکن متبنیٰ ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق غصب کر لیتا اور خونی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتے دار بھائی اور بھتیجے سب منہ دیکھتے رہ جاتے تھے، یہ بڑا وسیع اور صریح ظلم تھا۔

پھر اگر متبنیٰ کی بیوی کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کیا جائے جو حقیقی بہو کے ساتھ ہوتا ہے تو حرمت مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنیٰ بنانے والے پر اپنے لے پالک کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے، اس رسم کے باعث ان سے نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ الغرض اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں نمودار ہو رہی تھیں اور معاشرہ گوناگوں مشکلات میں مبتلا تھا۔ لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کو

[1] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 55:33.

بھیجا تو یہ سارے رسوم و رواج اپنی موت آپ مر گئے۔

عرب کا قانون اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی، مطلقہ یا بیوہ، سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متبنیٰ کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں عربوں کو قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب سیدنا زید ﷛ نے سیدہ زینب ﷞ کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انھیں اپنی زوجیت میں لے کر اس رسم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور یہ نمونہ قائم کر دیا کہ لے پالک کی بیوی حقیقی بہو کی حیثیت نہیں رکھتی، اس کے مطلقہ یا بیوہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح دیگر رسوم کی طرح صدیوں سے چلی آنے والی یہ رسم بھی دم توڑ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کی حکمت یوں بیان فرمائی:

﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾

''تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں۔''[1]

نکاحِ زینب پر لغو اعتراضات کا جوابِ باصواب

1 جب رسول اللہ ﷺ نے حکمِ الٰہی سے سیدہ زینب بنت جحش ﷞ سے شادی کر لی تو منافقین اور دیگر دشمنانِ اسلام کو موقع مل گیا کہ وہ بات کا بتنگڑ بنائیں اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکائیں۔ انھوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں کہ دیکھو محمد (ﷺ) نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر لی ہے۔ آپ ﷺ اس صورتحال پر متردد ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید میں یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا﴾

''اور نبی کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی، ان لوگوں (انبیاء) میں بھی جو پہلے گزر چکے ہیں، اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔''[2]

2 یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنھوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے محققین اور مستشرقین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، تاریخِ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو اچھال کر ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ دار لوگ ان کے

[1] الأحزاب 37:33. [2] تفسير ابن كثير، الأحزاب 38:33.

دامِ فریب میں پھنس گئے اور دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے قرآنِ کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انھوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی نشاندہی کریں تا کہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکار ہو جائے۔

3 بعض غلط اور باطل روایات کا سہارا لے کر کہا جاتا ہے کہ جب سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے ہوگیا تو ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچانک زید رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ابھی زید رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد ہی کہا جاتا تھا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «أَيْنَ زَيْدٌ؟» ''زید کہاں ہے؟'' انھوں نے کہا: وہ گھر میں نہیں ہیں، آپ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے سے انکار کر دیا اور کچھ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بول سمجھ میں نہیں آئے، البتہ یہ کلمات کبھی کبھی بلند آہنگی سے کہتے رہے:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ»

''پاک ہے اللہ تعالیٰ جو بڑا باعظمت ہے، پاک ہے دلوں کو پھیرنے والا۔''

جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا: تو تم نے انھیں اندر نہیں بلایا؟ انھوں نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر تشریف لانے کا کہا تھا لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہتے سنا؟ انھوں نے کہا: ہاں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے تو کچھ فرما رہے تھے لیکن میں سمجھ نہیں سکی آپ کیا فرما رہے تھے، البتہ یہ ضرور سنائی دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ»

زید رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زینب رضی اللہ عنہا پسند آگئی ہیں، چنانچہ انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ زینب کو طلاق دے دیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی کر سکیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے اپنے ارادۂ طلاق کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر انھیں طلاق دینے سے روکا لیکن طلاق ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی رچالی۔[1]

یہ داستان بالکل غلط ہے۔ امام ابن العربی نے اس کی تردید میں لکھا ہے کہ یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو دیکھا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں گھر کر گئیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بھی دیکھا تھا، اس وقت

1 الطبقات لابن سعد: 102,101/8.

تو پردہ بھی مانع نہیں تھا۔ بعد میں یہ تعلق کیسے پیدا ہوگیا۔ پہلے تو ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی لیکن جونہی زینب ﷞ کا نکاح ہوا، ایک دم سے یہ معاملہ کیونکر ہوگیا؟ رسول اللہ ﷺ کا دل ایسی بے ہودگیوں اور آلودگیوں سے پاک تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾

''اور (اے نبی!) اپنی نگاہیں، ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دنیاوی زندگی کی آرائش (کی خاطر) دے رکھی ہیں تاکہ انھیں اس میں آزمالیں، تمھارے رب کا دیا ہوا اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''[1]

بلاشبہ عورتیں دنیا کی زیب و زینت ہیں مگر مطلقہ عورت میں جاذبیت کہاں اور پھر شادی شدہ عورت میں وہ کشش کب باقی رہتی ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ (الأحزاب 37:33)

''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔''

یعنی آپ اس نکاح کا معاملہ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں تھی جو بعد میں سامنے آتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں زینب ﷞ کی محبت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ظاہر فرما دیتے۔ یوں ہمیں یقین ہے کہ آپ ﷺ نے جو بات دل میں چھپا رکھی تھی، وہ ارادۂ نکاح ہی کی بات تھی۔ گھٹیا اور گمراہ لوگ جو کچھ تصور کیے بیٹھے ہیں ویسا معاملہ ہرگز نہیں تھا۔[2]

نگاہِ حقیقت شناس سے ان بدباطن لوگوں کی ہرزہ سرائی دیکھی جائے تو صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اگر سیدہ زینب ﷞ کوئی اجنبی خاتون ہوتیں، کسی غیر قبیلے کی فرد ہوتیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے کبھی دیکھا ہی نہ ہوتا تو پھر ان کی بے سروپا حکایت ماننے کی کوئی وجہ ہوتی کہ اچانک نظر پڑی اور ان کی خوبصورتی دل کو بھا گئی، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں، آپ کے سامنے پلی بڑھیں۔ بچپن اور جوانی آپ کے سامنے تھی۔ آخر زندگی کا کون سا پہلو ایسا تھا جو آپ ﷺ سے پوشیدہ تھا اور وہ اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان پھوٹ پڑا۔ نعوذ باللہ!

[1] طٰہٰ 131:20. [2] أحكام القرآن لابن العربي :365,364/3.

جب حقیقت یہی ہے تو کوئی غیور اور انصاف پسند اس داستانِ سراپا ہذیان کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب سیدہ کنواری تھیں اور آپ ﷺ کے حرم کی زینت اور آپ کے کنبے کا فرد بننا اپنے لیے سعادت خیال کرتی تھیں، اس وقت تو آپ ﷺ کے دل میں ان کے لیے کوئی کشش پیدا نہ ہوئی بلکہ آپ ﷺ خود اپنے متبنّٰی کے لیے ان کا رشتہ مانگنے گئے تھے۔ جب ایک سال سے زائد عرصہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ گزر گیا تو اچانک یہ صورت حال کس طرح پیدا ہوگئی جو ان بد باطن عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ﴾

”اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“[1]

بعض لوگوں نے اس فقرے کا الٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ نبی ﷺ خود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے خواہش مند تھے، اور آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دے دیں، مگر جب انھوں نے آکر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے، معاذ اللہ! اوپری دل سے ان کو منع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ”آپ دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔“

حالانکہ اصل بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر اس سورت کی آیات نمبر: 13,2,1 اور 7 کے ساتھ ملا کر یہ فقرہ پڑھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی اُسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زید جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی مُطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا لیکن چونکہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مُطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور وہ بھی عین اس حالت میں جب کہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اسی بنا پر جب سیدنا زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اِس بلا میں پڑنے سے بچ جاؤں، ورنہ اس کے طلاق دے دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر مجھ پر وہ کیچڑ اُچھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اُولوا العزمی اور رضا بقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے آپ کی

[1] الأحزاب 33:37.

یہ بات اُس کو فروتر نظر آئی کہ آپ نے قصداً زید کو طلاق سے روکا تاکہ آپ اس کام سے بچ جائیں جس میں آپ کو بدنامی کا اندیشہ تھا، حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ سے لینا چاہتا تھا۔ ’’تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو‘‘ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات کو چھپا رہے تھے وہ یہی تھی کہ سیدہ زینب بنت جحش ﷞ آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ زَوَّجْنٰكَهَا ﴾ سے تعبیر فرما کر ظاہر کیا ہے اور آپ ﷺ کو جس بات کا ڈر تھا وہ یہی تھی کہ منافق لوگ طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیں گے کہ دیکھو انھوں نے اپنے متبنیٰ کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کی حکمت خود واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ جاہلیت کی رسم متبنیٰ کو باطل کرنا چاہتا تھا جو آپ ﷺ کے ذریعے ہی ممکن تھی تاکہ وہ لوگوں میں قبولیت حاصل کر لے۔

سیدہ عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی میں سے کوئی بات چھپانا چاہتے تو مذکورہ بالا آیت چھپاتے۔[2]

لے پالک سگا بیٹا نہیں ہو سکتا

عربوں میں منہ بولا بیٹا بنانے کا رواج بہت پرانا اور پختہ ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ منہ بولا بیٹا بنانے کا نظام اور اس پر مرتب ہونے والے منفی نتائج کا خاتمہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ ﷜ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، پھر ان کی شادی سیدہ زینب ﷞ سے کی۔ ابھی انھیں زید بن محمد ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قانونِ تبنیت کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ ﴾

’’اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہو، انھیں اللہ نے تمھاری مائیں نہیں بنایا اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔‘‘[3]

1 تفہیم القرآن، الأحزاب 37:33. 2 فتح الباري: 665/8. 3 الأحزاب 4:33.

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ آیت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے انھیں اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس الحاق اور نسبت کو ختم کر دیا جائے، اس لیے فرمایا کہ جس طرح ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے، اسی طرح کسی کی بیوی اس کی ماں نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اس کا منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا۔'' جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ میں فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔''[1]

یہاں فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ﴾ ''یہ سب تمھارے منہ کی باتیں ہیں۔'' یعنی تمھارا لے پالک کو بیٹا قرار دینا یہ بات لازم نہیں کرتا کہ وہ تمھارا حقیقی بیٹا ہو کیونکہ وہ تو کسی دوسرے شخص کی پشت سے پیدا ہوا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اس کے دو باپ ہوں جیسا کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی آدمی کے دو دل ہوں۔[2]

متبنّیٰ کو اس کے حقیقی باپ سے منسوب کیا جائے

ابتدائے اسلام میں لے پالک کو اجنبی کی طرف نسبت کرنے کا جواز تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی والدین کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے کہ عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

''ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور اس معاملے میں اگر تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کر لیں (تو وہ گناہ ہے) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔''[3]

[1] الأحزاب 40:33. [2] تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 4:33. [3] الأحزاب 5:33.

سیدنا عبداللہ بن عمر ﷟ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ ﷜ کو زید بن محمد کہتے تھے حتی کہ یہ (مذکورہ بالا) فرمانِ الٰہی نازل ہوا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے بلاؤ، بشرطیکہ ان کے والد کا علم ہو۔ اگر ان کے والد کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور دوست ہیں، لہٰذا اس طرح کہہ دیا جائے: فلاں مولیٰ فلاں یا مولیٰ بنی فلاں۔[2]

اگر والدین کا علم ہو بھی تو دینی بھائی چارے کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے زید ﷜ سے فرمایا:

«أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا»

''تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔''[3]

مذکورہ بالا آیت میں بھول چوک والے، تلاش بسیار کے بعد غلطی کرنے والے، زبانی لغزش یا سبقتِ لسانی سے ایسے الفاظ کہہ دینے والے کو رعایت دی گئی ہے۔ لیکن جان بوجھ کر اپنے باپ کا رشتہ تبدیل کرنے یا نسب کو غلط منسوب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے گنہگار اور معیوب قرار دیا ہے۔[4]

شریعت میں اس بات کی سختی سے ممانعت ہے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے نسب کو اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ ادَّعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیهِ، أَوِ انْتَمٰی إِلٰی غَیْرِ مَوَالِیهِ، فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِینَ، لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا»

''جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں کرے گا۔''[5]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے عرب کے مہمل اور مُضر رسوم و رواج کا خاتمہ کر دیا۔ اب منہ بولے بیٹے کی وہ حیثیت ختم ہوگئی جو حقیقی بیٹے کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا سیدہ زینب ﷞ سے نکاح کر کے عربوں کے جمود کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] صحيح البخاري: 4782. [2] تفسير السعدي، الأحزاب 5:33. [3] صحيح البخاري: 2699. [4] قضايا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخليفي، ص: 192,191. [5] صحيح البخاري: 1870، صحيح مسلم: 1370.

انقلاب آفریں فیوض و برکات

رسول اللہ ﷺ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی سے امت مسلمہ کو بے شمار فوائد و برکات نصیب ہوئیں، مثلاً:

1 سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پہلے زید رضی اللہ عنہ سے، پھر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے مصنوعی رشتوں کا سلسلہ ختم کیا اور مسلمانوں کی حرمت اور وقار کے تحفظ کا انتظام کیا۔

2 مساوات کا یہ بے نظیر معیار و منظر عملاً سامنے آ گیا۔ کہ اسلام نے انسانی رشتے کے اعتبار سے آقا اور غلام سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور شرف و فضیلت کا واحد معیار صرف تقویٰ قرار پایا۔

3 اس شادی کی برکت سے متبنّٰی بیٹے کو حقیقی بیٹا بنانے کی قدیم رسم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس موقع پر قرآن مجید کا یہ حکم نازل ہوا:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

"اور نہ (اللہ نے) تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تمھارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ حق بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ سمجھاتا ہے۔ لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت دے کر بلاؤ۔ یہ اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے۔"[1]

4 اس شادی سے وہ قدیم رسم ختم ہوگئی جس کے زیرِ اثر لے پالک کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے منہ بولے باپ کی شادی معیوب تصور کی جاتی تھی۔

5 اس موقع پر گھروں کی خلوت کے تحفظ کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا اور بغیر اجازت مکان کے اندر آنے سے روک دیا گیا۔

6 اسی موقع پر کھانا کھا چکنے کے بعد فوراً واپس چلے جانے کا حکم نازل ہوا۔

7 خواتین سے اگر کوئی سوال کرنا ہو یا کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی گئی اور اسی تاکید کی رو سے مسلمانوں میں یہ روایت قائم ہوگئی کہ وہ کسی ضرورت سے کسی کے گھر جائیں تو دستک دے کر اوٹ میں کھڑے ہو جائیں تاکہ اگر کوئی خاتونِ خانہ دروازہ کھولے تو آمنا سامنا نہ ہونے پائے اور نظر کی حفاظت کی جا سکے۔

8 اس نکاح پر رسول اللہ ﷺ نے ولیمے کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

9 سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کی برکت سے یہ یگانہ اور ابدی شرف حاصل

[1] الأحزاب 33:5.

ہوا کہ ان کی شادی عام روایتی شادیوں سے ہٹ کر زمین پر ولی اور گواہوں کے سامنے معاہدۂ نکاح طے کرنے کے بجائے آسمانی حکم کی بنیاد پر ہوئی اور اس نکاح کے گواہ جبریل علیہ السلام بنے۔

عائشہ ﷞ کی عظمت پر زینب ﷞ کی گواہی

سیدہ زینب بنت جحش ﷞ بہت پرہیز گار خاتون تھیں۔ کثرت سے روزے رکھتیں، قیام اللیل کرتیں۔ جب سیدہ عائشہ ﷞ پر منافقین نے تہمت لگائی تو چند مخلص صحابۂ کرام ﷡ بھی اس پروپیگنڈے کی شدت سے متأثر ہوگئے۔ ان میں سیدہ زینب ﷞ کی بہن حمنہ بنت جحش ﷞ بھی تھیں لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو ہر طرح سے بچائے رکھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب ﷞ سے ام المومنین سیدہ عائشہ ﷞ کے بارے میں مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی تو انھوں نے بڑا سچا اور ایمان افروز جواب دیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي، وَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا خَيْرًا.

”اے اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور آنکھ محفوظ رکھتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں سیدہ عائشہ ﷞ کے بارے میں اچھائی اور نیکی کے سوا اور کوئی بات نہیں جانتی۔“

سیدہ عائشہ ﷞ نے بھی ان کے ورع اور تقویٰ کا اعتراف کیا۔ انھوں نے فرمایا:

فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ.

”اللہ تعالیٰ نے انھیں پرہیز گاری کی بدولت اس فتنے سے محفوظ رکھا۔“[1]

سیدہ زینب ﷞ کا امتیازی شرف

سیدہ زینب ﷞ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے امتیازی شرف سے نوازا جو رسول اللہ کی کسی اور زوجۂ مکرمہ کے حصے میں نہیں آیا۔ سیدنا انس ﷜ بیان کرتے ہیں کہ زینب ﷞ دوسری امہات المؤمنین پر فخر کرتے ہوئے کہتی تھیں:

زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَ زَوَّجَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ.

”تمھاری شادیاں تمھارے گھر والوں نے کیں اور میری شادی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کی۔“[2]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ زینب ﷞ نبی ﷺ سے کہا کرتی تھیں کہ مجھے آپ کی دوسری بیویوں کی نسبت تین چیزوں میں فوقیت حاصل ہے:

---

1 صحيح البخاري :2661. 2 صحيح البخاري :7420، جامع الترمذي :3213.

- میری اور آپ کی قرابتداری سب سے زیادہ قریبی ہے، سردار عبدالمطلب آپ کے دادا اور میرے نانا ہیں۔
- آپ ﷺ سے میرا نکاح اللہ عزوجل نے آسمانوں پر کیا۔
- میرے اور آپ کے نکاح میں سفیر جبریل علیہ السلام تھے۔[1]

حُسن وہ ہے جس کا اعتراف سوکنیں کریں

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں: نبیِ کریم ﷺ کی بیویوں میں سے آپ ﷺ کے نزدیک حسنِ مرتبت میں میری مدمقابل زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

وَلَمْ أَرَ امْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ، وَأَتْقَى لِلّٰهِ، وَأَصْدَقَ حَدِيثًا، وَأَوْصَلَ لِلرَّحِمِ وَأَعْظَمَ صَدَقَةً، وَأَشَدَّ ابْتِذَالًا لِنَفْسِهَا فِي الْعَمَلِ الَّذِي تَصَدَّقُ بِهِ، وَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ مَا عَدَا سَوْرَةً مِّنْ حِدَّةٍ كَانَتْ فِيهَا، تُسْرِعُ مِنْهَا الْفَيْئَةَ.

''میں نے ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جو دین میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہو، ان سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھتی ہو، ان سے زیادہ راست گفتار ہو، ان سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والی ہو، ان سے زیادہ فیاض اور مخیّر ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی غرض سے محنت کر کے خود کمانے کے لیے اپنے آپ کو ان سے زیادہ مشقت میں ڈالتی ہو اور اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب چاہتی ہو۔ بس اُن کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہو جاتی تھی۔''[2]

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی عبادت و ریاضت

ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ مہاجرین میں مال تقسیم فرما رہے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی بات کہی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سخت لہجے میں ٹوک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَعْرِضْ عَنْهَا يَا عُمَرُ! فَإِنَّهَا لَأَوَّاهَةٌ»

''عمر! انھیں رہنے دو۔ (کچھ نہ کہو) یہ بڑی اَوّاہ ہیں۔''

ایک شخص نے عرض کیا: اوّاہ سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

① البداية والنهاية: 4/148. ② صحيح مسلم: 2442، السنن الكبرىٰ للنسائي: 7/64-66.

«اَلْخَاشِعُ الدَّعَّاءُ الْمُتَضَرِّعُ»

’’(اوّاہ کا مطلب ہے:) خشوع وخضوع کرنے والی، بہت دعا کرنے والی اور گریہ وزاری کرنے والی۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝﴾ (التوبۃ 114:9)

’’بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، نہایت بردبار تھے۔‘‘[1]

سیدہ زینب ﷞ نے اپنے گھر کے ایک طرف چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ اکثر اوقات عبادت ہی میں مصروف رہتیں۔ گاہے بگاہے رسول اکرم ﷺ بھی اس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ سیدہ زینب ﷞ کا معمول یہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے استخارہ ضرور کرتی تھیں۔[2]

سیدہ زینب ﷞ کی فیاضی

سیدہ زینب ﷞ نہایت قناعت پسند اور فیاض طبع تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیتی تھیں۔ وہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں پر بہت زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا»

’’تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) ملے گی جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔‘‘

قَالَتْ: فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا، فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ، لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ

سیدہ عائشہ ﷞ فرماتی ہیں: ازواجِ مطہرات ﷢ اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، سیدہ زینب ﷞ ہی کے ہاتھ ہم سب سے لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتی تھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہ ﷞ فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب ﷞ کا انتقال ہوا، اُس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ وخیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس (عورت) کا ہاتھ لمبا ہے۔[4]

سیدہ زینب ﷞ کھالیں رنگتی تھیں اور اس کی جو اُجرت ملتی تھی، وہ صدقہ کر دیتی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر ﷫

[1] معرفة الصحابة لأبي نعيم :3224/6، حديث :7424، حلية الأولياء :65,64/2، حديث :1494. [2] صحيح مسلم : 1428. [3] صحيح البخاري :1420، صحيح مسلم :2452، واللفظ له. [4] صحيح البخاري :1420.

کہتے ہیں: وہ دستکاری کے ذریعے سے جو کچھ کماتی تھیں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتی تھیں۔[1]

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہ سالانہ خرچ بھیجا جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے مقرر کیا ہوا تھا۔ انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ میرے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دو۔ برزہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انھوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ پڑا ہے، اس میں تمھارا حصہ بھی ہے تو باقی پچاسی درہم نکلے۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو ایک ہزار درہم مزید بھیج دیے۔ انھوں نے وہ بھی تقسیم کرا دیے۔[3]

اسے تقسیم کرنے کے بعد دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ! لَا يُدْرِكْنِي عَطَاءُ عُمَرَ بَعْدَ عَامِي هٰذَا.

''اے اللہ! اس سال کے بعد مجھے عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ نہ لینا پڑے۔''

چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔[4]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے 20ھ/641ء میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 53 برس تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المومنین میں سے سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہی نے وفات پائی۔[5]

جب انھوں نے موت کے آثار دیکھے تو لواحقین سے کہا: میرا آخری وقت آ چکا ہے، میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے لیے کفن بھیجیں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک کفن صدقہ کر دینا۔ ان کی یہ وصیت پوری کر دی گئی۔[6]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی۔[7]

اس دن گرمی بہت شدید تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی، وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قبر کھودنے والوں کے لیے خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔[8]

نماز جنازہ کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں کون داخل ہو گا؟ انھوں نے کہا: وہ شخص

[1] الإصابة: 154/8. [2] الطبقات الكبرىٰ: 109/8، الإصابة: 155/8. [3] الطبقات الكبرىٰ: 110/8. [4] الإصابة: 155/8، الطبقات لابن سعد: 109/8. [5] الإصابة: 155/8. [6] الطبقات لابن سعد: 109/8، الإصابة: 155/8. [7] الطبقات لابن سعد: 112/8، مسند البزار: 360/1، حديث: 241. [8] الطبقات لابن سعد: 113,112/8.

جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔[1]

چنانچہ اسامہ بن زید، ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور اُن کے بھانجے محمد بن طلحہ بن عبیداللہ ﷡ نے انھیں قبر میں اُتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔

سیدہ زینب ﷞ نے اپنے پیچھے کوئی درہم نہیں چھوڑا۔ صرف ایک مکان تھا جسے وارثوں نے پچاس ہزار درہم میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے یہ مکان گرا کر مسجد نبوی کے صحن کی توسیع کر دی۔[2]

سیدہ عائشہ ﷞ نے سیدہ زینب ﷞ کے انتقال کے بعد فرمایا:

لَقَدْ ذَهَبَتْ حَمِيدَةً، مُتَعَبِّدَةً، مَفْزَعَ الْيَتَامٰى وَالْأَرَامِلِ.

''وہ ہستی دنیا سے رخصت ہوئیں جو تعریف کے لائق اور عبادت گزار تھیں وہ یتیموں اور بیواؤں کی جائے پناہ تھیں۔''[3]

مرویات کی تعداد

بقی بن مخلد کے مطابق ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے۔[4] کتب ستہ میں ان کے واسطے سے پانچ روایات درج ہیں۔[5] دو متفق علیہ ہیں۔[6] اکابر صحابۂ کرام ﷡ نے سیدہ زینب ﷞ سے روایت کی ہے۔

1 الطبقات لابن سعد : 111/8. 2 الطبقات لابن سعد : 114/8. 3 الإصابة : 155/8، الطبقات لابن سعد : 110/8.
4 تلقيح فهوم أهل الأثر، ص :370. 5 تحفة الأشراف للمزي :1/321-323. 6 سير أعلام النبلاء : 121/2.

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی بنا کردہ مسجد اموی (دمشق)

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل اسلامی حکومت کی اساس مضبوط کرنے کی ایک کوشش تھی۔ دومۃ الجندل مدینہ سے تقریباً 480 کلومیٹر شمال میں غسانی مسیحی ریاست کی حدود پر واقع تھا جو بازنطینی رومی سلطنت کے زیرِ نگیں تھی۔ یہاں بنو قضاعہ کی شاخ بنو کلب کے لوگ آباد تھے، چنانچہ دومۃ الجندل میں منعقد ہونے والے مشہور میلے پر بھی بنو قضاعہ کا کنٹرول تھا۔

غزوے کے اسباب

رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر صغریٰ کے چند ماہ بعد تک مدینہ میں رہے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اہل مکہ اور دیگر دشمنان اسلام مسلمانوں کی حربی قوت اور سیاسی سیادت و قیادت سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اسلامی ریاست مدینہ میں ہر طرف امن قائم ہو چکا تھا۔ دریں اثنا آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ شام کی سرحد پر واقع دومۃ الجندل کے ارد گرد رہنے والے قبائل دن دہاڑے قافلے لوٹ لیتے ہیں اور کوئی قافلہ ان سے بچ کر نہیں جانے پاتا۔ یہ خبریں بھی گرم تھیں کہ دومۃ الجندل میں کچھ قبائل اکٹھے ہو رہے ہیں تا کہ وہ یلغار کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبریں ملیں تو آپ ﷺ نے ان بھیڑیوں کے ناخن کاٹ دینا اور ان کے دانت توڑ دینا نہایت ضروری خیال کیا۔

قلعہ دومۃ الجندل (سعودی عرب)

اسلامی سپاہ کی روانگی

نبیِ کریم ﷺ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور ماہ ربیع الاول 5ھ/626ء میں ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ چل دیے۔ آپ ﷺ نے بنوعذرہ کا مذکور نامی ایک ماہر صحرائی رہبر ساتھ لیا۔ اور سفر کے لیے غیر مانوس راستہ اختیار کیا تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو اور اچانک ہی اس کا سر کچل دیا جائے۔ آپ ﷺ رات کو سفر کرتے اور دن بھر پوشیدہ رہتے۔ آپ ﷺ نے تقریباً 15 روز میں یہ سفر طے کیا۔

دشمن کا فرار

جب اسلامی لشکر دومۃ الجندل کے قریب پہنچا تو ان کے رہبر نے بتایا کہ یہ بنوتمیم کی چراگاہ ہے، یہاں ان کے اونٹ اور مویشی ہیں، لٰہذا مجاہدینِ اسلام نے ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر حملہ بول دیا، کچھ ہاتھ آئے کچھ نکل بھاگے۔

دومۃ الجندل کے باشندوں کو اسلامی لشکر کی آمد کا پتہ چلا تو جس کا جدھر سینگ سمایا وہیں بھاگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ جب دومۃ الجندل پہنچے تو وہاں کوئی بشر موجود نہ تھا۔ آپ ﷺ نے چند روز وہاں قیام فرمایا۔ ہر جانب فوجی دستے بھیجے لیکن کوئی ہاتھ نہ آیا۔ اسلامی سپاہ کے تمام دستے بحفاظت آپ ﷺ کے پاس واپس پہنچے۔ ایک دستے کو صرف ایک آدمی ہاتھ لگا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں دریافت

منطقہ سامع (علاقہ بنوتمیم) کا ایک قلعہ

غزوہ دومۃ الجندل
(ربیع الاول 5ھ)

فرمایا۔ اس نے جواب دیا: وہ تو کل ہی بھاگ گئے تھے۔ نبی ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، وہ معاً مسلمان ہوگیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی کے وقت بنوفزارہ کا سردار عیینہ بن حصن فزاری آپ ﷺ سے ملا، اس نے صلح کی درخواست کی اور مدینہ سے 36 میل کی دوری پر بکریاں اور اونٹ چرانے کی اجازت مانگی جو آپ ﷺ نے مرحمت فرما دی۔ [1]

غزوۂ دومۃ الجندل کے مقاصد

رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس غزوے کے کئی اہداف و مقاصد تھے۔ یہ بجائے خود جنگ نہ تھی، تاہم اس سے جزیرہ نمائے عرب کے شمال تک کے حالات سے باخبر رہنے اور دیکھ بھال کا موقع میسر آیا۔ جزیرہ نمائے عرب میں قوت کے اصل مراکز کا کھوج بھی اس کے اہداف میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ غزوۂ دومۃ الجندل اپنے نتائج وثمرات کے اعتبار سے بھی بہت مفید ثابت ہوا۔ عملاً نہ ہونے والی یہ جنگ رحمتِ ربانی سے مسلمانوں کے لیے آئندہ کی فتح و نصرت کے نتائج سمیٹ رہی تھی۔ یہ ایک عسکری کارروائی تھی جو درحقیقت مستقبل کی ممکنہ جنگ کا سدِ باب تھی کیونکہ اس علاقے کے بہت سارے عربی قبائل مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ ایک سیاسی جنگ بھی تھی جس نے ان قبائل کی ممکنہ حملہ آوری کو روکا جو جنگِ احد میں مسلمانوں کی عارضی شکست سے فائدہ اُٹھا کر مدینہ پر چڑھ دوڑنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اس جنگ کا ایک مقصد عربوں کی نفسیاتی مرعوبیت کو دور کرنا بھی تھا کہ وہ کبھی سلطنتِ روم سے جنگ نہیں کر سکتے۔ انھیں عملاً یقین دہانی کرانی بھی مقصود تھی کہ ان کا پیغام عالمی ہے، صرف عرب تک محدود نہیں۔ [2]

ان اچانک اور فیصلہ کن اقدامات اور حکیمانہ حزم وتدبیر پر مبنی منصوبوں کے ذریعے نبی ﷺ نے قلمروِ اسلام میں امن و امان بحال کرنے اور صورتِ حال پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کی اور وقت کی رفتار کا رخ مسلمانوں کے حق میں موڑ لیا اور اندرونی اور بیرونی مشکلاتِ پیہم کی شدت کم کی جو ہر جانب سے انھیں گھیرے ہوئے تھیں، چنانچہ منافقین خاموش اور مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ عرب کے بدو ڈھیلے پڑ گئے اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے اور رب العالمین کے پیغام کی تبلیغ کرنے کے مواقع میسر آ گئے۔ [3]

---

[1] البداية والنهاية: 94,93/4، السيرة لابن هشام: 224/3، السيرة النبوية للصلابي: 221,220/2. [2] السيرة النبوية للصلابي: 224-222/2. [3] الرحيق المختوم، ص: 313.

باب

3

غزوۂ مریسیع

بنو مصطلق مسلمانوں پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ رسالت مآب ﷺ نے انھیں پہلے ہی جالیا۔ ان کے بہت سے جنگجو قید ہو گئے۔ قیدیوں میں سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی شامل تھیں۔ ان کی اسیری کتنی مبارک تھی کہ ان کے ام المؤمنین بننے سے تمام قیدی رہا ہو گئے۔

”اور البتہ تحقیق ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا، اور وہ ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں۔“

(العنکبوت 29:3)

اس باب میں

آپ بنومصطلق کے اسلام سے اللہ واسطے کے بیر کا حال پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ تو سارے جہاں کے لیے سایۂ رحمت تھے لیکن عرب کے بعض جاہل اور لالچی قبیلے آپ ﷺ سے صرف اس لیے خار کھاتے تھے کہ آپ ﷺ شک کی جگہ یقین و ایمان اور تاریکی کی جگہ نور ہدایت کیوں پھیلا رہے ہیں۔ یہی حال بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کا تھا جس نے نہ صرف اپنے قبیلے بلکہ دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملا کر اسلامی ریاست مدینہ پر دھاوا بولنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کرائی تو یہ خبر ٹھیک ثابت ہوئی، چنانچہ آپ دشمن کی سرکوبی کے لیے دشمن کے حملے سے پہلے ہی اُس کے سر پر جا پہنچے۔ اس طرح آپ ﷺ نے یہ اہم دفاعی سبق دیا کہ جارحیت کے ارادے رکھنے والے کو اس کی جارحیت سے پہلے ہی راہ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اِس کوشش میں کامیابی نصیب ہو تو سبحان اللہ! بصورتِ دیگر دشمن کا سر کچل دینا چاہیے۔ اِس باب میں آپ رسول اللہ ﷺ سے حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ بھی پڑھیں گے۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا مقدر کی سکندر تھیں۔ قیدی کی حیثیت سے آئیں اور کاشانۂ نبوت میں پہنچ کر ام المومنین کے درجۂ عظیمہ پر فائز ہوگئیں۔ اس شادی سے بنومصطلق کی عزت کو چار چاند لگ گئے۔ بنومصطلق کے سارے قیدیوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رہا کر دیا۔ اس حسن سلوک سے یہ سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ یوں یہ لوگ جو قیدی بن کر آئے تھے، اسلام کے شیدائی بن کر واپس گئے۔

غزوۂ بنو مصطلق

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف دشمنانِ اسلام کی سازشیں عروج پر تھیں۔ دینِ حق کی راہ روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔ شیطان اپنے چیلوں چانٹوں کو مسلمانوں کے خلاف مختلف تدبیریں سجھا رہا تھا اور طرح طرح کی شرارتوں پر اکسا رہا تھا۔ احد، رجیع اور بئر معونہ کے واقعات میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد جامِ شہادت نوش کر چکی تھی۔ ان الم انگیز سانحوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت غمزدہ تھے۔ اس پس منظر میں دشمنانِ اسلام یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں اور اب اپنے دفاع کی پوزیشن میں نہیں رہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے عرب کے بعض قبائل اسلامی ریاست مدینہ منورہ پر حملے کا شیطانی منصوبہ بنا رہے تھے اور اس پر قبضے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا جتنا وہ جاہل اور نادان لوگ سمجھ بیٹھے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بالغ نظری اس قسم کے تمام خطرات بھانپ گئی۔ اس لیے آپ ﷺ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح چوکس اور تیار تھے۔ ریاستِ مدینہ کی انٹیلی جنس نہایت فعال اور متحرک تھی۔ اسے جہاں بھی کسی سازش کا سراغ ملتا، وہ فوراً اپنے سالارِ اعلیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیتی تھی۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے پایاں حکمت و بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ ﷺ کو جونہی دشمن کی کسی سازش کی اطلاع ملتی تو آپ ﷺ اس کے خلاف ایسا مؤثر اقدام فرماتے کہ دشمن کو سر اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملتی۔ صرف یہی نہیں بلکہ آئندہ کے لیے بھی اسے اسلامی ریاست کے خلاف کسی سازش کی جرأت نہ ہوتی اور وہ دوسرے شریروں کے لیے نمونۂ عبرت بن جاتا۔ آپ ﷺ کفار کی جارحیت سے پہلے ہی بہ نفسِ نفیس اقدام کرتے، اسلامی لشکر لے کر ان کے سر پر جا پہنچتے اور انھیں انھی کی سرزمین میں ان کے جارحانہ ارادوں کا مزہ چکھا دیتے تھے۔ یہ ایسی زبردست دفاعی پالیسی تھی جس نے دشمنانِ اسلام کے چھکے چھڑا دیے اور انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

خان یونس (غزہ) کے قریب خزاعہ نامی بستی

زیرِ بحث غزوہ بھی دراصل بنو خُزاعہ کی ایک شاخ بنو مُصطَلِق کی

خطرناک سازش کے نتیجے میں رونما ہوا۔ وہ مسلمانوں کو تر نوالہ سمجھ بیٹھے تھے لیکن جو کچھ پیش آیا، وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس غزوے کی تفصیلات پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنی زبردست حکمت عملی سے دشمن کو جالیا اور ان کا بھیانک منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ ان کے کچھ جنگجو مارے گئے۔ اور بہت سے قید کر لیے گئے۔ ان کے مال مویشی بھی مالِ غنیمت کی صورت میں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ قیدیوں میں ان کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھیں جو بعدازاں رسالت مآب ﷺ کے حرم کی زینت بنیں۔ یوں انھیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

ہر چند غزوۂ بنو مصطلق جنگی نقطۂ نظر سے کوئی بھاری بھر کم غزوہ نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ دیگر غزوات کی نسبت ایک

منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ اس غزوے کی سیاسی، فوجی اور اقتصادی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے کیونکہ اس کا محل وقوع مریسیع قریش کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، یہ مکہ سے مدینہ کا ایک ذیلی رستہ تھا۔ اس غزوے میں منافقین کی ایک بڑی تعداد بھی شریک تھی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جیسا بدقماش بھی بذاتِ خود موجود تھا۔ اس غزوے سے واپسی پر چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں ہلچل مچ گئی۔ منافقین کا اصلی چہرہ پوری طرح بے نقاب ہوگیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے چیلوں کے ساتھ مل کر ایک طرف مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور انھیں آپس میں گتھم گتھا کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف کاشانۂ نبوت کی عظمت و رفعت پر حملہ کرنے کی جسارت کی۔ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ مطہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاکیزہ دامن پر دھبہ لگانے کی ناپاک کوشش کی۔ یہ سانحہ ''واقعۂ افک'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے جہاں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں آیات نازل فرمائیں، وہاں کچھ ایسے قوانین بھی جاری کر دیے جنھوں نے اسلامی معاشرے کی فضا کو پاکیزہ اور پُر امن بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

آیئے! اب ہم اس اہم ترین غزوے اور اس میں پیش آنے والے واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کرتے ہیں۔

غزوۂ بنی مصطلق کب ہوا؟

غزوۂ بنی مصطلق کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس سال ہوا؟ ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ ہجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینے میں ہوا۔[1] علامہ ابن عبدالبر، ابن حزم، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[2] اس کے بالمقابل موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ شعبان 5 ھ میں ہوا۔ عروہ اور قتادہ رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔[3] ابومعشر سندھی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور غزوۂ بنی مصطلق کا تذکرہ غزوۂ خندق سے پہلے کیا ہے۔[4] اسی طرح واقدی، ابن سعد، ابن قتیبہ، حاکم، بیہقی، بلاذری، ذہبی، ابن حجر اور ابن قیم رحمہم اللہ نے بھی اسی کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔[5]

ان کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق 4 ھ میں پیش آیا۔[6] اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے یہ سبقتِ قلمی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ پانچواں سال لکھنا چاہتے تھے لیکن ان کے قلم کی لچک چوتھا سال لکھ گئی۔ خود موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں متعدد طرق سے، جنھیں امام حاکم، ابوسعید نیشاپوری اور بیہقی نے دلائل میں اور ان کے علاوہ دیگر نے روایت کیا ہے، پانچویں سال ہی کا تذکرہ کیا ہے۔[7] لہٰذا موسیٰ بن عقبہ کا قول یہی ہے کہ یہ غزوہ 5 ھ میں ہوا تھا۔ ویسے بھی اگر ہم اس قول کا جائزہ لیں کہ غزوۂ بنی مصطلق 4 ھ میں ہوا، تو یہ کسی طور صحیح قرار نہیں پاتا کیونکہ شعبان 4 ھ میں تو غزوۂ بدر ثانی پیش آیا تھا۔[8] یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے اسی عرصے میں دونوں غزوے پیش آئے ہوں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو شعبان کو غزوۂ مریسیع کے لیے نکلے اور یکم رمضان کو واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس طرح آپ کو اس غزوے میں تقریباً پورا مہینہ لگ گیا۔[9]

ہمارے نزدیک یہی موقف صحیح ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ میں ہوا۔ دلائل سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

---

[1] السيرة لابن هشام: 302/3، مجمع الزوائد: 142/6. [2] الدرر لابن عبدالبر، ص: 217، جوامع السيرة، ص: 203، تاريخ الطبري: 260/2، الكامل في التاريخ: 81/2، البداية والنهاية: 157/4. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 45,44/4. [4] فتح الباري: 536/7. [5] المغازي للواقدي: 341/1، الطبقات لابن سعد: 63/2، المعارف لابن قتيبة، ص: 70، أنساب الأشراف: 423/1، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 258، السنن الكبرى للبيهقي: 54/9، زاد المعاد: 256/3، فتح البري: 537/7. [6] صحيح البخاري، قبل حديث: 4138. [7] فتح الباري: 537,536/7. [8] السيرة لابن هشام: 220/3. [9] المغازي للواقدي: 341/1.

اس موقف کے صحیح ہونے کی سب سے نمایاں دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی کا تذکرہ ہے۔ یہ بات معروف ہے کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے اور غزوۂ بنوقریظہ کے بعد فوت ہوئے تھے۔ غزوۂ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال 5 ھ میں اور غزوۂ بنوقریظہ اس کے فوراً بعد ذوالقعدہ میں پیش آیا۔ اگر غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ہجری میں مانا جائے تو پھر واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی محل نظر ٹھہرتی ہے۔

یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ وہ علماء جو غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہیں، انھوں نے واقعۂ افک کی روایت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تذکرے کو ایک واہمہ قرار دیا ہے۔ ان میں سرفہرست امام ابن حزم رحمہ اللہ ہیں۔ ان علماء کا کہنا ہے کہ ابنِ اسحاق نے امام زہری کی سند سے بطریق عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ واقعۂ افک کی جو روایت بیان کی ہے، اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔[1] ہمارے نزدیک یہ بات محل نظر ہے، اس لیے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی صحیحین کی روایت میں صراحت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اسے بلا وجہ وہم قرار دینا مشکل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کو صحیحین کی روایت پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

غزوۂ بنی مصطلق کے 5 ھ میں ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد ہوا تھا جیسا کہ واقعۂ افک میں صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اب رہی یہ بات کہ حجاب کا حکم کب نازل ہوا؟ اس بارے میں ہمیں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ 3 ھ میں نازل ہوا۔ علامہ خیفہ اور ابوعبیدہ نے اسی کو حتمی قرار دیا ہے۔ دوسرا قول ذوالقعدہ 4 ھ کا ہے۔ علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو سب سے زیادہ مشہور قرار دیا ہے۔ تیسرا قول واقدی کا ہے کہ یہ ذوالقعدہ 5 ھ میں نازل ہوا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس تیسرے قول کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح تو خود واقدی کی اپنی بات میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ میں ہوا۔ اس ضمن میں انھوں نے واقعۂ افک بھی ذکر کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں کہ حجاب کا حکم ذوالقعدہ 5 ھ میں آیا تھا۔[3]

حجاب کا حکم 3 ھ میں نازل ہوا ہو یا 4 ھ میں، دونوں صورتوں میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق اس کے

---

1 جوامع السيرة، ص: 206. 2 فتح الباري: 537/7 و 587/8. 3 المغازي للواقدي: 1/341-364، فتح الباري: 537/7.

بعد پیش آیا۔ جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق شعبان 5 ھ ہی میں ہوا تھا جیسا کہ درج بالا سطور میں واضح ہوچکا۔

بنومصطلق کا پس منظر

یہ غزوہ بنومصطلق کے ساتھ ہوا تھا، اس لیے اسے غزوۂ بنی مصطلق کہا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا نام غزوۂ مریسیع بھی ہے۔ مریسیع قُدید کے نواح میں بنوخزاعہ کے ایک چشمے کا نام ہے۔ یہ سمندر سے تقریباً 80 کلومیٹر دور جبالِ تہامہ (حجاز) میں واقع ہے۔[1] یہی وہ جگہ تھی جہاں یہ غزوہ ہوا۔

بنومصطلق کون تھے؟ بنومصطلق، خزاعہ کی ایک شاخ ہیں جو یمنی قحطانی قبیلہ ہے۔ مُصْطَلِق ان کے جدامجد کا لقب ہے۔ یہ لفظ صلق سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں بلند آہنگی! مصطلق کی آواز دلکش اور بلند تھی، اس لیے اسے یہ لقب ملا۔[2] مصطلق کا نام اور نسب یہ ہے: جُذَیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء۔

بنومصطلق کا اوس وخزرج کے ساتھ گہرا نسبی رشتہ تھا۔ وہ اس طرح کہ ان کا نسب مصطلق کے چوتھے جد عمرو مزیقیا پر جا کر اوس وخزرج سے جا ملتا ہے۔ عمرو مزیقیا اوس و خزرج کا دوسرا جد ہے۔[3]

بنومصطلق کا مسکن

بنومصطلق قُدید اور عسفان میں رہائش پذیر تھے۔ یہ علاقے مدینہ سے مکہ کے رستے پر خزاعہ کی پھیلی ہوئی بستیوں کے درمیان تھے۔ قُدید حجاز وتہامہ کی ایک زرخیز وادی ہے۔ اس کا بالائی حصہ ''ستارہ'' اور زیریں حصہ ''قُدید'' کہلاتا

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 290. [2] الروض الأنف: 13/4. [3] طبقات خليفة، ص: 139، المعارف لابن قتيبة، ص: 49، فتح الباري: 536/7، شرح الزرقاني على المواهب: 3/3.

ہے۔ یہ وادی شاہراہِ مکہ مدینہ کو تقریباً 120 کلومیٹر پر کاٹتی ہوئی القضیمہ کے پاس سمندر سے جالگتی ہے۔[1] قدید رابغ کے جنوب مشرق میں 27 میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی طرح عُسفان جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کی مسافت 80 کلومیٹر ہے۔[2]

رابغ کا ساحل (بحیرۂ احمر)

القضیمہ کا ساحل (بحیرۂ احمر)

مسلمانوں سے بنوخزاعہ اور بنو مصطلق کا برتاؤ

خزاعہ کے لوگ مشرک تھے۔ ان کے علاقے مُشَلّل میں عرب کا مشہور بت ''منات'' نصب تھا۔ عرب کے لوگ اس کا باقاعدہ حج کیا کرتے تھے۔[3] بنوخزاعہ بھی اسی کے پجاری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں قبولِ اسلام کی رفتار بہت سُست رہی۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ مدینے کی نسبت مکہ کے زیادہ قریب تھے۔ دیگر عرب قبائل کی طرح ان کی نظریں بھی کفارِ قریش پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں یا نہیں۔ قریش کے ساتھ ان کے قدیم معاہدے بھی تھے۔ کفارِ قریش کی یہی کوشش تھی کہ خزاعہ کے لوگوں کو اسلام کے قریب نہ پھٹکنے دیا جائے۔ بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ بنوخزاعہ میں اسلام پھیلے۔ یہ بات اُن کے مفادات کے خلاف تھی۔

میقات الجحفہ

اس صورتحال کے باوجود اب تک خزاعہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے دیگر لوگوں کی ہمدردیاں بھی

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 249. [2] أطلس الحديث، ص: 269. [3] صحيح البخاري: 1643.

مجموعی طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر جب مکی لشکر نے مدینہ کی طرف پیش قدمی کی تو عمرو بن سالم خزاعی خزاعہ کی ایک جماعت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تھا۔ اور اس نے کفارِ قریش کی سرگرمیوں سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا۔[1] غزوۂ حمراء الاسد میں بھی معبد بن ابی معبد خزاعی نے لشکرِ کفار کو مرعوب کرنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔[2]

اس کے بالمقابل خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق میں مسلمانوں کے لیے کسی طرح کی کوئی ہمدردی نظر نہیں آتی بلکہ وہ واضح طور پر مسلمانوں کے دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی ساری ہمدردیاں اور طرف داریاں کفارِ قریش کے ساتھ تھیں۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ بنو مصطلق کا شمار احابیش میں ہوتا تھا۔ احابیش ان قبائل کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جو ہر چند خود قریش میں سے نہیں تھے لیکن ان کے حلیف ضرور تھے۔ انھوں نے قریش سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ سب مشترکہ دشمن کے خلاف یک جان ہو کر لڑیں گے۔ اسی معاہدے کے تحت بنو مصطلق غزوۂ احد میں کفارِ قریش کے لشکر میں شامل تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جس میں بنو مصطلق نے عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔

غزوۂ بنی مصطلق کے اسباب و محرکات

اس غزوے کا ایک سبب تو یہ تھا کہ بنو مصطلق اسلام دشمنی میں بے باک ہو گئے تھے اور مسلسل آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ یہ احابیش میں سے تھے، اس لیے انھیں کفارِ قریش کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شرکت کی وجہ سے اب یہ کھل کر مسلمانوں سے مقابلے پر اتر آئے تھے اور ان کی سرکشی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے مرکزی رستے پر بنو مصطلق کا کنٹرول تھا۔ یہ لوگ مکہ میں مسلمانوں کا عمل دخل روکنے کے لیے مضبوط رکاوٹ کی حیثیت رکھتے تھے۔ تیسری بہت سنگین بات یہ تھی کہ یہ لوگ اب باقاعدہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ یہ ناپاک جسارت انھیں اس لیے ہوئی کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ اس وجہ سے تمام مسلمان بہت غمگین تھے۔ اس صورت حال سے حوصلہ پا کر کئی عرب قبائل مدینے پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسی طرح رجیع اور بئر معونہ جیسے سانحات نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ادھر منافقوں اور یہودیوں نے مدینہ میں سازشوں کا بازار گرم کر رکھا

---

[1] المغازي للواقدي :1/189. [2] السيرة لابن هشام :3/108,109.

تھا۔ یوں مسلمان اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما تھے۔ ایسے نازک حالات میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کے ذہن میں یہ شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور ایک بڑا لشکر جمع کر کے اسلامی ریاست مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ بس یہی وہ اسباب تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ان کے خلاف کارروائی پر مجبور کر دیا۔

بنو مصطلق کی مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں

بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے نہ صرف اپنے ہی لوگوں کو مسلمانوں سے جنگ پر ابھارا بلکہ ارد گرد بسنے والے عرب قبائل کو بھی آمادۂ جنگ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح وہ ایک بڑا لشکر تیار کرنے لگا۔ انھوں نے جنگ کے لیے گھوڑے اور بہت سے ہتھیار بھی خریدے۔[1] وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ اقدام خود ان کے لیے باعث ہلاکت بن جائے گا۔

بنو مصطلق کے ناپاک ارادے کی اطلاع مدینہ پہنچ گئی

بنو مصطلق کے اس بھیانک منصوبے کی خبر بھلا کس طرح پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ یہ خبر بالآخر مدینہ پہنچ گئی۔ بنو مصطلق کے علاقے سے گزر کر آنے والے قافلوں نے اُنھیں زور و شور سے جنگ کی تیاریاں کرتے دیکھا اور انھیں معلوم ہوا کہ یہ تو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو قافلے والوں نے اہل مدینہ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اہلِ مدینہ کے لیے یہ خبر نہایت اہم تھی۔ ویسے بھی اسلامی ریاست مدینہ کی انٹیلی جنس نہایت چاق چوبند تھی۔ اس کے کارندے چہار سو پھیلے ہوئے تھے۔ وہ دشمن کے ارادوں سے خبردار رہنے کے لیے ایسی خبروں کی ٹوہ میں رہا کرتے تھے۔ بہرحال یہ اطلاع دربارِ نبوت تک پہنچ گئی۔

دشمن کی جاسوسی کے لیے بریدہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ کو بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں اور جارحانہ ارادوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف فوری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اس اطلاع کی تحقیق کا فیصلہ کیا۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی کو ان کے علاقے میں بھیج کر معلومہ خبر کی تصدیق اور بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں کی تفصیلات معلوم کی جائیں۔ اب سوال یہ تھا کہ اس خطرناک مہم

[1] المغازي للواقدي :343/1.

پر کسے روانہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی نظرِ انتخاب سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ یہ اسلامی مملکتِ مدینہ کی انٹیلی جنس کے ذہین اور تجربہ کار افسر تھے۔ آپ ﷺ نے انھی کو یہ مہم سونپی کہ وہ تنِ تنہا جا کر اس خبر کی تحقیق کریں اور بنو مصطلق کی سرگرمیوں کی پوری معلومات لے کر آئیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے یہ اہم تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی خبر آئے تو اس پر آنکھیں میچ کر فوراً یقین نہ کیا جائے بلکہ اس کی تحقیق کر لینی چاہیے کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا غلط ہے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ حکمِ نبوی ملتے ہی فوراً چل پڑے۔ انھوں نے روانہ ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اگر انھیں اپنی طرف سے مصلحتاً کوئی خلافِ حقیقت بات بنانی پڑ جائے تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ عام طور پر اس قسم کے موقعوں پر ایسی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ اس خطرناک مہم پر روانہ ہو گئے۔

دشمن کی صفوں میں بریدہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے بنو مصطلق کے چشمے پر جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں صورتحال کا جائزہ لیا تو انھیں بنو مصطلق کے جارحانہ ارادوں کے بارے میں اُس خبر کی پوری تصدیق مل گئی جو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تھی۔ مصطلق کے لوگ غرور و تکبر کا شکار تھے۔ بڑی تعداد میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ انھوں نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نہایت بہادر تھے۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ذرا بھی نہیں گھبرائے۔ بے دھڑک ان لوگوں کی صفوں میں جا گھسے۔ وہ لوگ اپنے مابین ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر سہم گئے۔ انھوں نے سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم کون ہو؟ بریدہ رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ارے بھئی! میں تمھارا ہی آدمی ہوں۔ مجھے پتہ چلا کہ تم لوگ اس شخص (محمد ﷺ) سے جنگ کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو، یہ سن کر میں بھی چلا آیا۔

بریدہ بن حصیب پرائمری سکول، احاد رافدہ (عسیر)

اب میں واپس جاتا ہوں تاکہ اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کو دعوت دوں اور انھیں اپنے ساتھ لے آؤں۔ اس طرح ہم سب یکجا ہو کر ایک زبردست قوت بن جائیں گے اور مسلمانوں کی بیخ کنی کر دیں گے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ نے جنگی حیلے اور تدبیر کے پیشِ نظر یہ سب کچھ کہا تاکہ ان لوگوں کو ان پر کسی قسم کا کوئی شک نہ گزرے۔ وہ لوگ ان کی باتیں سن کر نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ اب ہماری تعداد میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور ہم اور زیادہ مضبوط ہو جائیں گے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت و ہوشیاری دیکھیے کہ انھوں نے انھیں اس خوش فہمی میں ڈال کر فوری پیش قدمی سے روک دیا اور انھیں مزید انتظار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کو تیاری کرنے اور آگے بڑھ کر مناسب کارروائی کرنے کا وقت مل گیا۔

بنو مصطلق کے سردار اور لشکر کے سپہ سالار حارث بن ابی ضرار نے بریدہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو جھوم اٹھا اور فخریہ انداز میں بولا: ہم اپنے ارادے پر قائم ہیں۔ تم فوراً اپنے لوگوں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: بس ابھی جاتا ہوں اور تمھارے پاس اپنی قوم کا بھاری بھرکم لشکر لے کر حاضر ہوتا ہوں۔ ان کی یہ بات سن کر وہ سب بے حد خوش ہوئے۔ ان باؤلوں کو کیا خبر تھی کہ اب حق پرستوں کا ایک ایسا عظیم لشکر آئے گا کہ خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

بریدہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بنو مصطلق کے سارے حالات معلوم کر کے اور ان کی جنگی تیاریوں کا جائزہ لے کر نہایت تیز رفتاری سے واپس مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی یہ مہم نہایت کامیاب رہی۔ وہ مدینہ منورہ پہنچ کر سیدھے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا شدید انتظار تھا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو مصطلق کی جنگی تیاریوں اور ان کے خطرناک ارادوں کی پوری رپورٹ پیش کر دی۔

لشکرِ اسلام کی تیاری

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے خلاف فوری کارروائی کا فیصلہ فرما لیا۔ کیونکہ اب انھیں معمولی سی چھوٹ دینا بھی مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ بنو مصطلق کو سر اٹھانے اور اسلامی ریاست مدینہ پر حملے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ حملہ آور ہوں، انھیں خود انھی کی سرزمین پر پہنچ کر مزہ چکھا دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجلاس بلایا، انھیں دشمن کے ارادے اور درپیش حالات سے باخبر

کیا۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا۔

مدینہ منورہ میں ہنگامی حالت نافذ ہوگئی۔ مسلمان جلدی جلدی جہاد کے لیے نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اسلامی فوج کا ایک فدائی لشکر تیار ہوگیا۔[1]

مجاہدوں کی تعداد

بنو مصطلق کی سرکوبی کے لیے تیار ہونے والا اسلامی لشکر 700 افراد پر مشتمل تھا۔[2] اس لشکرِ اسلامی کی قیادت رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس فرما رہے تھے۔ لشکر میں 30 گھوڑے بھی تھے۔ دس گھوڑے مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے۔ مہاجرین کے گھوڑوں میں سے دو گھوڑے خود رسول اللہ ﷺ کے تھے۔ ایک کا نام لزاز اور دوسرے کا ظَرِب تھا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی قصواء بھی ساتھ تھی۔[3] باقی آٹھ گھوڑے درجِ ذیل جلیل القدر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے:

- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ
- سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
- سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ

انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیس گھڑ سواروں میں درج ذیل حضرات کے نام آئے ہیں:

- سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
- سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ
- سیدنا ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ
- سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ
- سیدنا عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا معن بن عدی رضی اللہ عنہ
- سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ
- سیدنا حارث بن حزمہ رضی اللہ عنہ
- سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
- سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

مسجد انصار و مہاجرین، اربد (اردن)

[1] المغازي للواقدي :343/1. [2] تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص :259، البداية والنهاية (محقق) : 364/4. [3] المغازي للواقدي : 343/1 و361.

غزوۂ مریسیع میں شامل مہاجرین وانصار شہسوار صحابہ اور رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق

- سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
- سیدنا حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ
- سیدنا زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ
- سیدنا فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ
- سیدنا معاذ بن رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ [1]

ازواجِ مطہرات کے مابین قرعہ اندازی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کا بے حد خیال رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی کا پورا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے تھے۔ ہر زوجہ محترمہ کی یہی تمنا ہوتی تھی کہ انھیں سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ ان سب کو ساتھ لے جانے کے بجائے قرعہ اندازی فرما لیتے تھے۔ جس زوجہ محترمہ کے نام کا قرعہ نکل آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ساتھ لے جاتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنو مصطلق کے لیے روانہ ہونے لگے تو آپ نے معمولِ مبارک کے مطابق ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کی۔ قرعہ آپ کی محبوب ترین زوجہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام کا نکلا۔ چنانچہ انھیں اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کا شرف نصیب ہوا۔ [2]

یاد رہے کہ بعض روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قرعہ بھی نکلا تھا۔ وہ بھی اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھیں۔ [3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جانے والی بات تسلیم نہیں کی۔ ان کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں: فَخَرَجَ سَهْمِي ”میرا قرعہ نکلا۔“ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اس غزوے میں ازواجِ مطہرات میں سے تنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اس غزوے میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہیں کوئی تذکرہ ہی موجود نہیں۔ ابن اسحاق کی روایت سے بھی یہی واضح ہے کہ صرف ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی اس غزوے میں گئی تھیں۔ [4] واللہ أعلم بالصواب

اسلامی لشکر کے ساتھ منافقوں کا ٹولہ بھی آ گیا

غزوۂ بنی مصطلق کی ایک اہم بات یہ ہے کہ اس میں منافقین کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اتنی تعداد میں وہ کبھی کسی غزوے میں شامل نہیں ہوئے۔ منافقین کی شرکت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انھیں جہاد کا شوق تھا۔ وہ تو سب

[1] المغازي للواقدي :343/1. [2] صحيح البخاري :4141، فتح الباري :581/8، السيرة لابن هشام :310/3. [3] دلائل النبوة للبيهقي :73/4، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص :278. [4] فتح الباري :581/8.

سے بڑھ کر جہاد ہی سے جی چرایا کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر صرف دنیا کا مال و متاع تھا۔ اس کے علاوہ ان کے نکلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ مدینہ منورہ سے مریسیع کا فاصلہ تقریباً 200 کلومیٹر بنتا ہے۔[1] دوسری بات یہ تھی کہ منافقین کو یقین تھا کہ بنومصطلق مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ مسلمانوں کو دشمن پر فتح حاصل ہوگی۔ وہ اس سے پہلے بہت سے معرکوں میں مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا نظارہ دیکھ چکے تھے۔ بس مال و دولت کی ہوس انھیں نکال لائی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ پیچھے رہ کر ہمیں کیا ملے گا؟ چلو لگے ہاتھوں ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے گا تو ہمیں بھی حصہ مل جائے گا۔[2] علاوہ ازیں منافقین مسلمانوں کے دلوں میں اپنا اعتماد بھی بحال کرنا چاہتے تھے۔ وہ انھیں یہ دھوکا دینا چاہتے تھے کہ تمھاری طرح ہم بھی جہاد سے محبت کرتے ہیں اور اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں نیابت

اس بات میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر مدینہ منورہ میں اپنی نیابت کا تاج کس کے سر پر رکھا۔ اس سلسلے میں ابن ہشام نے لکھا ہے: آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو نیابت سونپی۔[3] اس کے بالمقابل واقدی اور ابن سعد نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا نام بتایا ہے۔[4] علاوہ ازیں ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر جُعال (یا جُعیل) بن سراقہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔[5]

ہمیں ان اقوال کے درمیان کسی کی تطبیق اور ترجیح نہیں ملی، البتہ اتنا ضرور ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے ابنِ ہشام کے قول کا تذکرہ کیا ہے۔

لشکرِ اسلام کی مدینہ سے روانگی

اسلامی لشکر کی تیاری مکمل ہوگئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے 2 شعبان 5 ھ کو پیر کے دن مدینہ منورہ سے کوچ کیا اور اسلامی لشکر لے کر بنومصطلق کی طرف روانہ ہوگئے۔[6]

بنوعبدالقیس کے ایک شخص کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے نکل کر ''خلائق'' نامی مقام تک پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ ''خلائق''

1 اٹلس سیرت نبوی، ص: 277. 2 المغازي للواقدي: 343/1. 3 السيرة لابن هشام: 302/3. 4 تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 258، الطبقات لابن سعد: 63/2. 5 أسدالغابة: 325,324/1، الإصابة: 588/1. 6 المغازي للواقدي: 341/1.

میقات ذوالحلیفہ

مدینہ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے۔ یہاں مختلف کھیت اور کنویں تھے۔ آج کل یہ نام تو معروف نہیں، البتہ یہ جگہ معروف ہے۔ اس کی زمین آج بھی کھیتی باڑی کے لیے نہایت موزوں ہے۔ اگر آپ ذوالحلیفہ سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف جانا چاہیں تو یہ علاقہ آگے جا کر کچھ فاصلے پر آپ کو دائیں جانب نظر آئے گا۔ [1]

خلائق کے مقام پر بنو عبدالقیس کے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ یہ شخص نبی ﷺ ہی سے ملاقات کے لیے نکلا تھا اور ابدی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ أَهْلُكَ؟»

”تمھارا گھر بار کہاں ہے؟“

اس نے جواب دیا: روحاء میں۔

روحاء بدر کے رستے میں المسیجید (المنصرف) کے بعد آتا ہے۔ آج کل یہ الشُّفَيَّہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ فُرع کی ایک تحصیل ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ 74 کلومیٹر ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«أَيْنَ تُرِيدُ؟»

”کہاں کا ارادہ ہے؟“

فرع نامی بستی

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 4/358، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 240. [2] أطلس الحديث، ص: 196.

وہ بولا: میں آپ ﷺ ہی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں آپ پر ایمان لانے اور یہ گواہی دینے آیا ہوں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں، وہ حق ہے۔ میں آپ کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کو بے حد خوشی ہوئی کیونکہ آپ صرف لوگوں کی ہدایت ہی کے طلب گار تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰه الَّذِي هَدَاكَ لِلْإِسْلَامِ»

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے تمھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔''

اس شخص نے اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا»

''نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا۔''

اس صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو مضبوطی سے پلے باندھ لیا۔ اس کے بعد وہ اول وقت میں نماز ادا کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ جونہی سورج ڈھلتا، عصر کا وقت داخل ہوتا اور سورج غروب ہوتا، وہ فوراً نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر نہیں کرتے تھے۔[1]

کفار کے جاسوس کی گرفتاری

رسول اللہ ﷺ خلائق سے آگے بڑھے اور بقعاء کے مقام پر پہنچے تو یہاں اسلامی لشکر نے ایک مشکوک شخص کو گرفتار کر لیا۔ یہ کفار کا جاسوس تھا۔ اسے حارث بن ابی ضرار نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے روانہ کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے تفتیش شروع کر دی اور پوچھا: تیرے پیچھے والوں کی کیا خبر ہے؟ لشکر کہاں ہے؟ اس نے کچھ نہ بتایا۔ بلکہ وہ بنو مصطلق ہی سے لاعلمی ظاہر کرنے لگا۔ اس نے کہا: مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔ وہ یہ تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا کہ وہ کفار کا جاسوس ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جاسوس سے سب کچھ اگلوا لیا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ نہایت بارعب شخصیت تھے۔ انھوں نے جاسوس کو حقیقت چھپاتے دیکھا تو

[1] المغازي للواقدي: 344,343/1.

فوراً سمجھ گئے کہ یہ آسانی سے نہیں مانے گا۔ وہ آگے بڑھے اور جاسوس کو دھمکاتے ہوئے بولے: سچ سچ ساری بات بتا دے ورنہ تیری خیر نہیں، میں تیری گردن مار دوں گا۔ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رعب دار آواز سن کر ڈر گیا۔ اس نے سب کچھ صاف صاف اگل دیا۔ وہ بولا: میں بنو مصطلق کا ایک فرد ہوں۔ میں حارث بن ابی ضرار کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ اس نے کئی جماعتوں کو اکٹھا کر لیا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس نے مجھے تمھاری مخبری کے لیے بھیجا ہے تاکہ میں اسے تمھارے احوال سے آگاہ کروں۔ اور یہ بھی بتاؤں کہ کیا تم لوگ مدینہ سے نکل پڑے ہو۔

جاسوس کو قبولِ اسلام کی دعوت

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کافر جاسوس سے سب کچھ اگلوا کر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ آپ کے سامنے خود یہ ساری حقیقت بیان کرے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی سب کچھ صاف صاف بیان کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنے ناقابلِ معافی جرم کا اقرار کر لیا۔ اب اس کی معافی کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ پوری طرح تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔ بصورت دیگر اس کی سزا قتل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہِ ہدایت دکھانے ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ متمنی ہوئے کہ یہ جاسوس مسلمان ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ وہ بڑا بدقسمت نکلا۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: میں اس وقت تک تمھارے دین کی پیروی نہیں کروں گا جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ میری قوم کیا کرتی ہے۔ اگر میری قوم کے لوگ تمھارے دین میں داخل ہو گئے تو میں بھی اسلام قبول کر لوں گا اور اگر وہ اپنے دین پر جمے رہے تو میں انھی کا آدمی ہوں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ جاسوس اسلام قبول نہیں کر رہا تو انھوں نے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کی اجازت طلب کی اور بولے: اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن مار دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ وہ آگے بڑھے اور اس کافر جاسوس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کفار کے لشکر میں کھلبلی

جاسوس کو قتل کرنے کا مسلمانوں کو بڑا فائدہ ہوا۔ اس کے قتل کی خبر کسی طرح کفار کے لشکر تک بھی پہنچ گئی۔ انھیں پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر ان سے جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ کفار کے لشکر میں کھلبلی

مچ گئی۔ حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اُن پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی اور وہ شدید خوف و ہراس کا شکار ہوگئے۔ عرب قبائل کے جو لوگ بہکاوے میں آکر بنو مصطلق کے ساتھ آملے تھے، وہ سب ہمت ہار بیٹھے اور ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہونے کے بعد اس کا تذکرہ کرتی تھیں، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابھی ہم تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ ہمارے پاس پہلے ہی جاسوس کی گرفتاری اور اس کے قتل کی خبر آگئی۔ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ نکل پڑے ہیں۔ میرے باپ اور اس کے ساتھیوں کو یہ خبر بہت ناگوار گزری، وہ سخت خوفزدہ ہوگئے۔ عرب کے جو مختلف لوگ ان کے پاس اکٹھے ہوئے تھے، وہ سب ان سے الگ ہوگئے۔ ان کے اپنے قبیلے کے لوگوں کے سوا کوئی ان کے پاس نہیں رہا۔[1] یہ دراصل بنو مصطلق کی شکست کا آغاز تھا۔ وہ چاہتے تو اب بھی اپنے جارحانہ ارادے سے باز آجاتے اور مسلمانوں سے ٹکرانے کا خیال دل سے نکال دیتے لیکن انھیں ان کا تکبر و غرور لے ڈوبا۔

مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کی آمد

رسول اللہ ﷺ ابھی لشکر سمیت بقعاء ہی میں تھے کہ سیدنا مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آپہنچے۔ وہ آپ سے ملاقات ہی کی غرض سے آئے تھے۔ یہاں رک کر ہم آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ ابو تمیم اوس بن حجر اسلمی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ اوس بن حجر رضی اللہ عنہ وہی شخص ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب آپ مدینہ ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے غلام مسعود ہی کو آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ کیا تھا تاکہ وہ آپ کو رستہ بتائے اور منزل مقصود تک پہنچا آئے۔ مسعود بن ہنیدہ نے تو اسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ اوس بن حجر آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد مسلمان ہوئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ سے ان کی آمد کا سبب دریافت فرمایا:

«أَيْنَ تُرِيدُ يَا مَسْعُودُ؟»

''مسعود! کہاں کا ارادہ ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: میں آپ ہی کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے ابو تمیم نے آزاد کر دیا ہے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کا ہر لحاظ سے بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

1 المغازي للواقدي :344/1. 2 أسدالغابة :172/1، الإصابة :304/1 و82/6.

«بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ، أَيْنَ تَرَكْتَ أَهْلَكَ؟»

''اللہ تعالیٰ تمھیں برکت عطا فرمائے! گھر والوں کو کہاں چھوڑ آئے؟''

انھوں نے کہا: میں انھیں خذوات کے مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہاں کے لوگ اچھے ہیں اور اسلام کی طرف راغب ہیں۔ ہمارے ارد گرد اسلام پھیل چکا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الَّذِي هَدَاهُمْ»

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے انھیں ہدایت عطا فرمائی۔''

علاقہ احساء (قبیلہ عبدالقیس) کے باغات

پھر مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اپنی دعوتی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا: کل میری عبدالقیس قبیلے کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اسے اسلام کی دعوت اور مسلمان ہونے کی ترغیب دی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَإِسْلَامُهُ عَلٰى يَدَيْكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ غَرَبَتْ»

''اس کا تمھارے ہاتھوں اسلام قبول کرنا تمھارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔''

اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا:

«كُنْ مَّعَنَا حَتّٰى نَلْقٰى عَدُوَّنَا، فَإِنِّي أَرْجُوا أَنْ يُّنَفِّلَنَا اللّٰهُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ»

''تم ہمارے ساتھ ہی رہو یہاں تک کہ ہم اپنے دشمن سے جنگ کرلیں۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مال ہمیں غنیمت کے طور پر عطا فرمائے گا۔''

سیدنا مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہولیے۔[1] ان کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی تھی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کا اعزاز مل گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 346/1.

اسلامی لشکر کفار کے سر پر

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ سفر کا آغاز کیا۔ آپ مسلسل سفر کرتے ہوئے بالآخر بنو مصطلق کے مریسیع نامی چشمے تک پہنچ گئے۔ اب مسلمان کفار کے سر پر جا پہنچے تھے۔ اسلامی لشکر نے وہاں دشمن کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے چمڑے کا خیمہ نصب کیا گیا۔ دوسری طرف بنو مصطلق کا لشکر موجود تھا۔ وہ بھی لڑائی کے لیے تیار تھے۔

لشکرِ اسلام کی صف بندی اور علمبرداری

جامع مسجد عمار بن یاسر، الشارقہ
(متحدہ عرب امارات)

اب باقاعدہ جنگ شروع ہونے والی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس اپنے صحابہ کی صف بندی فرمائی۔ اسلامی لشکر کے علمبردار مقرر فرمائے۔ مہاجرین کا پرچم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا۔ انصار کا عَلَم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔

مشرکین کا علمبردار

دوسری طرف کفار کے لشکر کا عَلَم صفوان بن مالک بن جذیمہ نے تھام رکھا تھا۔ اسے ذوالشقر کہا جاتا تھا۔[1] یہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد تھا۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی صفوان بن مالک کے بیٹے مسافع سے پہلی شادی ہوئی تھی۔[2]

بنو مصطلق کو اسلام کی دعوت

رسول اللہ ﷺ نے جنگ سے پہلے بنو مصطلق کو مہلت دی اور انھیں اسلام قبول کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بآواز بلند انھیں کلمۂ توحید کے اقرار کی دعوت دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اعلان کیا:

---

[1] المغازي للواقدي :1/345. [2] الطبقات لابن سعد :8/217.

قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، تَمْنَعُوا بِهَا أَنْفُسَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ.

''لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلو، تم اس کے ذریعے سے اپنی جان اور مال محفوظ کرلو گے۔''

بنو مصطلق کی سرکشی عروج پر تھی، انھوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

جنگ کا آغاز

جنگ کے بادل تو پہلے ہی چھائے ہوئے تھے لیکن دونوں لشکروں کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کفار کے لشکر میں سے ایک شخص نے پہل کی اور مسلمانوں پر تیر چلا دیا۔ اس طرح جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمان کچھ دیر تک تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ یکبارگی حملہ کریں، چنانچہ وہ ان پر شیر کی طرح جھپٹ پڑے۔ یہ حملہ بڑا زبردست تھا، کفار کے ایسے ہوش اُڑے کہ انھیں اپنی جگہ سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملا۔

مسلمانوں کا رمزیہ شعار (Code Word)

جب جنگ کا بازار گرم ہوتا ہے اور لشکر آپس میں ٹکراتے ہیں تو فریقین کے سپاہی بکھر جاتے اور ایک دوسرے کی صفوں میں پھیل جاتے ہیں۔ یہ نہایت خطرناک صورتحال ہوتی ہے۔ اس موقع پر اس بات کا بڑا اندیشہ ہوتا ہے مبادا کوئی اپنے ہی ساتھی کو نقصان پہنچا دے۔ اسی طرح رات کی تاریکی میں بھی اپنے ساتھی اور دشمن میں فرق کرنا دشوار ہوتا ہے۔ ایسی نازک صورت حال سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ طریقہ سکھایا کہ وہ کوئی خفیہ علامتِ شناخت اور رمزیہ جنگی شعار (Code word) مقرر کرلیا کریں تاکہ اس کے ذریعے سے وہ ایک دوسرے کو پہچان جائیں۔

غزوۂ بنی مصطلق میں مسلمانوں کا جنگی شعار يَا مَنْصُورُ! أَمِتْ أَمِتْ تھا۔[1] اس کا مطلب یہ تھا: ''اے مدد یافتہ شخص! مار دے، ختم کر دے۔'' یہ الفاظ نہایت جامع اور معنی خیز تھے۔ ایک طرف تو یہ جنگی شعار تھے۔ دوسری طرف ان الفاظ میں یہ نیک فال بھی تھی کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہے۔ مزید برآں اس میں دشمن کے خلاف جوش دلایا گیا تھا کہ دشمن کو مار ڈالو۔ کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

غزوۂ بنو مصطلق میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مختلف طریقوں سے بھرپور مدد فرمائی۔ ایک بات یہ ہوئی کہ کفار

1 المعجم الكبير للطبراني: 102,101/7، أسناد الكبير حسن۔ مجمع: 142/6.

کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا گیا۔ وہ پہلے ہی مسلمانوں سے خوفزدہ تھے۔ جب انھوں نے اسلامی لشکر سامنے دیکھا تو ان کے ہوش اُڑ گئے۔ انھیں مسلمان ہر لحاظ سے دگنے چوگنے دکھائی دینے لگے۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اس وقت کا منظر بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد حارث کو یہ کہتے سنا کہ ہمارے پاس ایسا لشکر آ گیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت ہی نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں خود اس قدر زیادہ فوج اور گھوڑوں کا منظر دیکھ رہی تھی جو بیان سے باہر ہے۔ جب میں مسلمان ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آ گئی تو واپسی کے موقع پر میں مسلمانوں کو دیکھنے لگی۔ اب وہ اُس طرح نہیں تھے جس طرح میں نے انھیں پہلے دیکھا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ یہ تو وہ دبدبہ تھا جو اللہ تعالیٰ مشرکوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

سفید شہسوار کون تھے؟

جنگ کے دوران میں فرشتے بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے اُتر آئے۔ اس کا تذکرہ بنو مصطلق کے لشکر کے ایک آدمی نے کیا ہے۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ اس نے بتایا کہ ہم ابلق گھوڑوں پر سوار سفید مردوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہم نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ وہ بعد میں دیکھے گئے۔ [1]

کفار کو شکست فاش

یہ جنگ زیادہ دیر جاری نہیں رہی۔ مسلمان جلد ہی کفار پر غالب آ گئے۔ انھوں نے یکبارگی حملہ کر کے بنو مصطلق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہ سکا۔ مسلمانوں نے ان کے کُل دس افراد قتل کیے۔ باقی سب قید کر لیے گئے۔ ان کے علمبردار صفوان کو سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ [2] سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کفار کے دو آدمیوں مالک اور اس کے بیٹے کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ اسی طرح سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے شہسوار اَحمر یا اُحَیمر کو واصل جہنم کیا۔ [3] جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا خاوند مسافع بھی مارا گیا۔ [4] قیدیوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ بنو مصطلق کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ ان کے اونٹوں اور بکریوں کے بڑے بڑے ریوڑ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ [5]

اس طرح بنو مصطلق کو مسلمانوں کے ہاتھوں زبردست شکست ہوئی اور ان کے سارے عزائم خاک میں مل گئے۔ مکہ مدینہ کی شاہراہ پر مسلمانوں کا کنٹرول ہوگیا۔ مسلمانوں کی قوت اور شان و شوکت میں اضافہ ہوا۔ عرب قبائل پر

1 المغازي للواقدي :346/1. 2 المغازي للواقدي :345/1. 3 السيرة لابن هشام :306/3. 4 الطبقات لابن سعد : 116/8. 5 المغازي للواقدي :345/1.

مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اب ان میں سے کسی قبیلے میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی کہ وہ تنہا مسلمانوں پر حملے کے بارے میں سوچ سکے۔

ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی ایک صحابی کے ہاتھوں سہواً شہادت

غزوۂ بنو مصطلق میں دشمن کے ہاتھوں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ سب مسلمان محفوظ رہے۔ صرف ایک صحابی سیدنا ہشام بن صبابہ لیثی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ یہ بنوکلب بن عوف بن عامر سے تھے جو کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ انھیں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک انصاری صحابی نے غلطی سے دشمن کا آدمی سمجھ کر شہید کر ڈالا۔[1] واقدی نے انھیں شہید کرنے والے صحابی کا نام اوس رضی اللہ عنہ بتایا ہے اور شہید ہونے والے صحابی کا نام ہشام کے بجائے ہاشم لکھا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلا نام ہشام ہی زیادہ راجح ہے۔[2]

ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا الم انگیز واقعہ اس طرح پیش آیا کہ یہ دشمن کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آرہے تھے، اس وقت تیز آندھی چل رہی تھی اور فضا گرد و غبار سے اٹی ہوئی تھی۔ اس حالت میں ان کا آمنا سامنا انصاری صحابی اوس رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ وہ انھیں پہچان نہ سکے کہ یہ ہمارے ہی ساتھی ہیں۔ وہ سمجھے کہ یہ مشرکین کے آدمی ہیں۔ حالتِ جنگ میں اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اوس رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔ بعد میں انھیں پتہ چلا کہ وہ تو مسلمان تھے اور ہمارے ہی ساتھی تھے۔[3] انھیں بے حد افسوس ہوا لیکن وہ بے خطا تھے۔ انھوں نے جانے بوجھے ایسا نہیں کیا تھا۔ تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

مقیس بن صبابہ کا ماجرا

ہشام بن صبابہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پھیلتے پھیلتے ان کے بھائی مقیس تک جا پہنچی۔ وہ مکہ میں مقیم تھا اور ابھی اسلام کی آغوش میں نہیں آیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مشتعل ہوگیا۔ اس نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے مدینہ پہنچ کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا۔ سیدھا دربارِ نبوت میں پہنچا اور بولا: اللہ کے رسول!

---

1 السيرة لابن هشام :302/3. 2 الإصابة :423,422/6. 3 المغازي للواقدي :345/1.

میں مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرا بھائی غلطی سے مارا گیا، میں اس کی دیت لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً حکم جاری فرما دیا کہ اسے اس کے بھائی کی دیت ادا کر دی جائے، آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل ہوئی اور اسے دیت دے دی گئی۔

مقیس بن صبابہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرا۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ اسے اپنے بھائی کی دیت وصول کر کے بھی چین نہیں آیا۔ اس کے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے قاتل کے خون کا پیاسا تھا۔ اس نے مدینہ میں رہ کر قاتل کا سراغ لگا لیا۔ اب وہ اپنے مذموم ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ آخر ایک دن اسے یہ موقع مل ہی گیا۔ اس نے اپنے بھائی کے قاتل صحابی کو قتل کر ڈالا اور مدینہ سے فرار ہو گیا۔ مکہ آ کر وہ کفارِ قریش کے ساتھ مل گیا۔ اس نے اسلام کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کر لی اور مرتد ہو گیا۔ اس طرح اس کا جرم دگنا ہو گیا۔ ایک تو اس نے دیت لینے کے باوجود دھوکے سے صحابی کو شہید کیا۔ دوسرے وہ مرتد ہو کر کفارِ قریش کا ساتھی بن گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نہایت غمگین ہوئے۔ مقیس کو اپنے کیے کی سزا بہرحال ملنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اسے معافی نہیں دی بلکہ اس کا نام لے کر حکم صادر فرمایا کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ اسی کی قوم کے ایک صحابی نمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس پر قابو پا لیا اور واصل جہنم کر دیا۔[1]

ایک اشکال اور اس کا حل

یہاں رک کر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اب تک غزوۂ بنی مصطلق کے متعلق جو کچھ پڑھا ہے، سیرت نگاروں بالخصوص ابن اسحاق اور واقدی نے یہ سب کچھ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں اس سے کچھ مختلف بات بیان کی گئی ہے۔ اس میں بنو مصطلق کو اسلام کی دعوت دینے کا ذکر ہے، نہ لڑائی کے لیے صف بندی کا بیان ہے، نہ بنو مصطلق کی طرف سے مقابلہ کرنے کا کوئی تذکرہ ہے۔ یہ روایت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جو خود اس جنگ میں شریک تھے۔ اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقٰى عَلَى الْمَاءِ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ.

[1] السيرة لابن هشام :3/206,205 و4/53,52، المغازي للواقدي :1/345.

''نبی ﷺ نے جب بنو مصطلق پر حملہ کیا تو وہ لوگ بالکل بے خبر تھے، ان کے جانوروں کو چشمے پر پانی پلایا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔''[1]

یہی وہ روایت ہے جس سے یہ دلیل لی گئی ہے کہ جنھیں پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، انھیں جنگ سے پہلے دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ ان پر کسی بھی وقت اچانک حملہ کیا جا سکتا ہے۔ ابن عون رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع رحمہ اللہ کو یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ جنگ سے پہلے مشرکین کو دعوت دینا کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ حکم دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں تھا (پھر اس میں تبدیلی ہوگئی)۔ یہ بات لکھنے کے بعد انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متذکرہ بالا روایت بطورِ دلیل درج کر دی۔[2]

بہر حال صحیحین کی روایت سے یہ واضح ہے کہ اسلامی لشکر نے بنو مصطلق پر اچانک دھاوا بولا۔ اس وقت وہ لوگ بے خبر تھے۔ انھیں اپنی جگہ سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملا کہ لڑائی پیش آگئی اور وہ باقاعدہ برسرِ پیکار نہ ہو سکے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اسی بات کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔[3] علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[4] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے اور وضاحت سے لکھا ہے کہ اس غزوے میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے سیرت نگاروں کی بیان کردہ پہلی بات کو واہمہ قرار دیا ہے۔[5]

اس میں شک نہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت، سیرت نگاروں کی روایت پر ہر اعتبار سے فوقیت، برتری اور ترجیح رکھتی ہے لیکن اگر ان کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت نکلتی ہو تو اسے اپنانا ہی بہتر ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ جب اسلامی لشکر نے مریسیع چشمے پر اچانک انھیں آگھیرا تو وہ کچھ دیر تو ڈٹے رہے۔ پھر ان کے مابین صف بندی بھی ہوئی، جنگ بھی ہوئی، مسلمان غالب آگئے اور بنو مصطلق شکست کھا گئے۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ توجیہ نہایت عمدہ ہے۔

قیدیوں کی نگرانی کا حکم

رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنو مصطلق کے قیدیوں کو باندھ کر ایک طرف کر دیا گیا۔ اسی طرح ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی نکال کر الگ کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو قیدیوں کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ قیدیوں کی تعداد کتنی تھی؟ ابنِ اسحاق نے بنو مصطلق کے قیدیوں کی تعداد بیان کرتے ہوئے

[1] صحيح البخاري :2541، صحيح مسلم :1730. [2] صحيح مسلم :1730، سنن أبي داود :2633. [3] الدرر في اختصار المغازي والسير، ص :217. [4] جوامع السيرة، ص :203. [5] زاد المعاد :258,257/3. [6] فتح الباري :538,537/7.

لکھا ہے کہ وہ سو گھرانے تھے۔[1] واقدی نے لکھا ہے کہ قیدیوں میں 200 گھرانے تھے۔[2] زرقانی نے اپنے بعض مشائخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی تعداد سات سو افراد سے بھی زیادہ تھی۔[3] یہ ظاہر بات ہے کہ ایک گھرانے میں کئی افراد ہوتے ہیں۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

بنومصطلق کا سارا مال ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان کی رہائش گاہوں سے بھی جو اسلحہ، پرانا اور ردی ساز و سامان ملے، سب جمع کر لیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمانوں نے اپنے قبضے میں کر لیں۔ یہ کل دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام شقران کو ان کا نگران مقرر فرمایا۔ اب یہ ساری چیزیں مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت ٹھہریں۔

اگلا مرحلہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سارے مالِ غنیمت میں سے خُمُس (پانچواں حصہ) نکال لیا۔ اس کے بعد باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اسلامی لشکر میں موجود منافقین کی تو گویا لاٹری نکل آئی۔ کیونکہ وہ تو مال و دولت ہی کے عاشق تھے اور اسی کی طلب میں نکل آئے تھے۔ آپ ﷺ نے خمس کی تقسیم اور مسلمانوں کے حصوں پر سیدنا محمیہ بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر فرمایا۔ قیدی بھی تقسیم کر دیے گئے۔ جس کے حصے میں جو قیدی آیا تھا، وہ اُسی کے سپرد کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں بنومصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کے حصے میں آئیں۔ گھریلو استعمال کا ردی سامان بھی بانٹ دیا گیا۔ اس کے علاوہ خرید و فروخت کی سہولت بھی دی گئی یعنی اگر کوئی مستعملہ ردی سامان میں سے اپنے مطلب کی کوئی چیز خریدنا چاہتا تھا، وہ اس کے ہاتھ بیچ دی گئی۔ اونٹ اور بکریاں بھی تقسیم ہو گئیں۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر قرار پایا۔ گھڑ سوار کو تین حصے ملے۔ دو حصے گھوڑے کے لیے اور ایک اس کا اپنا حصہ۔ پیدل شخص کو ایک حصہ دیا گیا۔[4]

مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا عطیہ

رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر سیدنا مسعود بن ہنیدہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا۔ آپ ﷺ نے انھیں اونٹوں اور بکریوں کا ایک ریوڑ عطا فرمایا۔ انھیں اس قدر بکریاں اور اونٹ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ سوچنے لگے میں ان سب کو کیسے سنبھالوں گا اور اپنے ساتھ کس طرح لے کر جاؤں گا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

---

[1] السيرة لابن هشام: 3/308,307. [2] المغازي للواقدي: 1/347. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 3/7. [4] المغازي للواقدي: 1/347، الطبقات لابن سعد: 2/64.

میں عرض کی: اللہ کے رسول! بکریوں کے ہوتے ہوئے میں اونٹ کیسے لے کر جاؤں گا؟ آپ مجھے اونٹ اور بکریاں دینے کے بجائے یا تو نری بکریاں مرحمت فرما دیں یا بکریوں کے بجائے صرف اونٹ عطا کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی یہ بات سن کر مسکرا دیے۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنی مرضیٔ مبارک سے اونٹ یا بکریاں دینے کے بجائے خود اُنھی کی پسند معلوم کی، دریافت فرمایا:

«أَيُّ ذٰلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟»

''تمھیں دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟''

انھوں نے کہا: آپ اونٹ عطا فرما دیں۔ عرب کے لوگوں کو اونٹ ہی زیادہ پسند تھے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو حکم دیا:

«أَعْطِهِ عَشْرًا مِّنَ الْإِبِلِ»

''انھیں دس اونٹ دے دو۔''

چنانچہ انھیں اونٹ مل گئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ تمھیں خمس میں سے دیے ہیں یا مالِ غنیمت میں سے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں یہ اونٹ لے کر اپنے گھر واپس آ گیا۔ اللہ کی قسم! ان اونٹوں کی وجہ سے ہم آج تک خیر و برکت کی زندگی گزار رہے ہیں۔[1]

دو آدمیوں کا خُمس کے مال میں سے سوال

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ خدمتِ عالیہ میں جو سوالی آتا، آپ ﷺ اس کا سوال رد نہیں کرتے تھے، کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر دو سائل آپ کی خدمت میں آئے۔ انھوں نے خُمس سے کچھ مال مانگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا مِنْهُ، وَلَا حَظَّ فِيهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس میں سے دے دوں۔ (مگر یہ یاد رکھنا کہ) اس میں کسی مال دار اور کمائی کرنے والے اور طاقتور شخص کا کوئی حصہ نہیں۔''[2]

1 المغازي للواقدي :346/1. 2 المغازي للواقدي :347/1.

منافقین کی شرانگیزیاں

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق میں منافقوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی لشکر کے ساتھ چلی آئی تھی۔ اس موقع پر ان کا سربراہ عبداللہ بن ابیّ بھی موجود تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے شدید خطرہ تھا مبادا یہ کوئی فتنہ جگائیں، فساد برپا کریں۔ بیٹھے بٹھائے خواہ مخواہ کسی آفت کو آواز دیں یا کسی بھس میں چنگاری پھینک دیں۔ ان لوگوں سے کسی بھلائی کی امید نہیں تھی۔ انھوں نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن ان کے دل اسلام دشمنی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شرارتوں میں سرگرم رہتے تھے۔ مسلمانوں کو بدنام کرنا، نقصان پہنچانا اور انھیں آپس میں لڑانے کی شیطانی ترکیبیں سوچنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مسلمانوں کے خلاف جب بھی کوئی موقع ان کے ہاتھ آتا، یہ طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو غلط رنگ دے کر خوب اچھالتے تھے۔ یہ بدخصال لوگ ذرے کو صحرا، قطرے کو دریا اور رائی کو پہاڑ بنانے کے ماہر تھے۔ حسد، بغض، غیبت، چغلی، جھوٹ اور بدگمانی میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہ سچائی، امانت و دیانت، اتفاق و اتحاد اور امن و سکون کے دشمن تھے۔ اسلام کی برکت سے اوس و خزرج اپنی پرانی دشمنیاں بھلا کر باہم شیر و شکر ہو گئے، مہاجرین و انصار بھائی بھائی بن گئے۔ یہ منظر انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ان کا سردار عبداللہ بن ابیّ شرانگیزی میں پیش پیش تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی فتنے کی آگ بھڑکانے کی تاک میں رہتا تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کی وجہ سے اس کی بادشاہت کا خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ اس لیے یہ شروع ہی سے آتشِ انتقام میں جل رہا تھا۔ مسلمانوں کی مسلسل کامیابیوں نے اس کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ اس نے پس پردہ رہ کر مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین اور یہودیوں کا ہر ممکن ساتھ دیا۔ انھیں مسلمانوں سے جنگ پر اکسایا اور جھوٹی امیدیں دلائیں۔

ان سارے کرتوتوں کے باوجود منافقین کو ہر موقع پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں نہ صرف بری طرح ناکام ہوئیں بلکہ انھیں ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ صبر جمیل کا پیکر تھے، منافقین کی حرکتوں پر عفو و درگزر، بردباری اور تحمل مزاجی سے کام لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انھی باتوں کا حکم دے رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بھی منافقین کے معاملے میں صبر اور درگزر کی ہدایات دے رکھی تھیں۔

منافقین یہ بات اچھی طرح جان چکے تھے کہ مسلمانوں کو کثرتِ تعداد اور اسلحے کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی۔ انھیں مغلوب کرنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ان کی صفوں میں انتشار و اضطراب اور ان کے مابین شک اور بے اعتمادی کا زہر پھیلایا جائے۔ انھیں آپس میں لڑا دیا جائے۔

غزوۂ بنی مصطلق میں جب مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی تو منافقین کڑھنے لگے۔ ان سے مسلمانوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس غزوے میں اچانک دو ناخوشگوار واقعات پیش آگئے۔ ان کی وجہ سے منافقین کے وارے نیارے ہوگئے اور انھیں اپنی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور ان کا امن و سکون درہم برہم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ساری شیطانی تدبیریں خاک میں ملا دیں۔ آئیے۔ اب ہم یہ واقعات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

سنان اور جہجاہ رضی اللہ عنہما میں جھڑپ ہوگئی

اسلامی لشکر ابھی بنو مصطلق ہی کے علاقے میں تھا۔ جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مسلمان مالِ غنیمت کی تقسیم سے بھی فارغ ہوگئے تھے۔ کچھ مسلمان پانی لینے مریسیع کے چشمے پر گئے۔ اس میں پانی اتنا کم تھا کہ ڈول ڈالا جاتا تو وہ آدھا ہی بھرتا تھا۔ چشمے کی طرف جانے والوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مزدور جہجاہ بن مسعود بھی تھا۔ اس کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو پانی پلانے لایا تھا۔ وہاں بنو سالم بن عوف بن خزرج کے حلیف سنان بن وبرہ جہنی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ان کے ساتھ بنو سالم کے دو نوجوان تھے۔ ان کے علاوہ انصار و مہاجرین کے دیگر لوگ بھی وہاں آئے ہوئے تھے۔

جامع مسجد عمر بن الخطاب
وادی العثمانیہ (الجزائر)

سنان اور جہجاہ نے اپنا اپنا ڈول چشمے میں ڈالا۔ دونوں کے مشکیزے ملتے جلتے تھے، وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوگئے۔ دونوں میں سے ایک کا ڈول باہر نکلا، یہ سنان رضی اللہ عنہ کا ڈول تھا۔ وہ بولے: یہ میرا ڈول ہے۔ جہجاہ کو غلط فہمی ہوگئی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو میرا ڈول ہے۔ بس اس معمولی سی غلط فہمی کی بنا پر دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ بات بڑھ

گئی، جہجاہ نے مشتعل ہوکر سنان رضی اللہ عنہ کی پٹائی کردی، سنان زخمی ہوگئے ان کے بدن سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ انھوں نے دہائی دی: اے انصاریو! اے خزرجیو! مدد کے لیے آؤ۔ جونہی انصار مسلمانوں نے یہ آواز سُنی، وہ سنان کی طرف لپکے۔ انھوں نے سنان کو زخمی حالت میں دیکھا تو مشتعل ہوگئے۔ سنان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہجاہ کا پیچھا کیا لیکن وہ نکل بھاگا۔ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اس دوران میں جہجاہ نے بھی لشکر میں یہ دہائی دی: اے مہاجرین کی جماعت! اے قریشیو! اے کنانہ کے لوگو! اس کی آواز سنتے ہی قریش کے لوگ فوراً اس کی مدد کے لیے آپہنچے۔ اب ایک طرف انصار تھے اور دوسری طرف مہاجرین۔ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے۔ اور اپنے اپنے ہتھیار لہرانے لگے۔ ایک خونریز جنگ کی گھٹا چھا گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ بس کسی کی طرف سے پہل کرنے کی دیر تھی کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے کرم فرما دیا۔[1]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جھگڑے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ ایک مہاجر نے انصاری کو لات ماردی۔ انصاری کو غصہ آگیا۔ اس نے فوراً آواز لگائی: يَا لَلْأَنْصَارِ! ''انصاریو! مدد کے لیے آؤ۔'' یہ دیکھ کر مہاجر نے بھی پکار لگائی: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! ''ارے مہاجرو! مدد کرو۔''[2] بہرحال شیطان نے اپنا کرتب دکھایا، انھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا اور پرانے جاہلانہ تعصب میں دوبارہ مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ چھوٹی سی بات فتنہ بن گئی۔ یہ ایک غیر یقینی صورت حال تھی۔ کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ انصار و مہاجرین یوں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح کرادی

رسول اللہ ﷺ کو جونہی اس واقعے کی خبر ملی، آپ ﷺ فوراً وہاں تشریف لے گئے۔ اور اُن سے جواب طلب کرلیا۔ فرمایا:

«مَابَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟»

''دورِ جاہلیت کی یہ پکار کیسی ہے؟''

صورت حال بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ»

''ایسی باتیں چھوڑ دو۔ یہ بہت گندی اور متعفن باتیں ہیں۔''[3]

---

[1] المغازي للواقدي :352/1، السيرة لابن هشام :303/3. [2] صحيح البخاري :4905. [3] صحيح البخاري :4905، مزید دیکھیے :فتح الباري :827/8.

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا بَأْسَ، وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ، فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ»

''کوئی بڑی بات نہیں۔ آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر وہ ظالم ہو تو اسے (ظلم سے) روکے۔ یہی اس کی مدد ہے۔ اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔''[1]

اس طرح آپ ﷺ کی بروقت مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہو گیا اور فریقین ٹھنڈے پڑ گئے۔ آپ ﷺ کے درج بالا فرامین سے واضح ہے کہ آپ نے گروہی نسبت سے پُکار لگانے پر سخت ناگواری کا اظہار فرمایا کیونکہ اس سے تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ تعصب دورِ جاہلیت کی پیداوار اور یادگار ہے۔ بھلا اسلام ایسی گھٹیا اور جاہلانہ باتوں کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے امت کو خاص طور پر تعلیم دی ہے کہ ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوے کی بنیاد پر تو کی جا سکتی ہے لیکن علاقے، مذہب، گروہ، خاندان اور رنگ ونسل کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی۔ اگر کسی مسلمان نے کسی پر ظلم کیا ہے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسے ظلم سے روکیں۔ یہی اس کے ساتھ صحیح تعاون ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ظالم سے اس کا حق لے کر دیا جائے۔

سنان رضی اللہ عنہ نے جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا

واقدی کی روایت میں ہے کہ مہاجرین کے کچھ حضرات صلح صفائی کے لیے سنان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: آپ اپنا حق معاف کر دیں۔ سنان رضی اللہ عنہ اپنے حلیفوں کو اعتماد میں لیے بغیر یہ قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے حلیفوں سے بات چیت کی تو وہ نہ مانے۔ انھوں نے کہا کہ تم صرف اسی صورت میں جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کرنا جب رسول اللہ ﷺ تمھیں ایسا کرنے کا حکم دیں، بصورت دیگر تم جہجاہ سے بدلہ لو۔ مہاجر صحابہ نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ خود سنان رضی اللہ عنہ کے حلیفوں کی خدمت میں گئے، ان سے مذکرات کیے اور انھیں صلح پر رضامند کیا، چنانچہ سنان رضی اللہ عنہ نے اپنے حلیفوں کے کہنے پر جہجاہ رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا۔[2]

رئیس المنافقین کے ناپاک ارادے

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ مشتعل ہو گیا۔ وہ تو پہلے ہی ایسے موقعوں کی تاک

[1] صحیح مسلم :2584. [2] المغازي للواقدي :1/352.

میں رہتا تھا۔ بھلا وہ اس واقعے کو اتنی آسانی سے کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اچھالنا اور فساد پھیلانا ہی اُس کا مقصدِ زندگی تھا۔ ہرچند انصار و مہاجرین کی صلح ہو چکی تھی اور معاملہ رفع دفع ہو چکا تھا لیکن عبداللہ بن ابیّ دوبارہ فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے دس منافق چیلوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: مالک، داعس، سوید، اوس بن قیظی، معتب بن قُشیر، زید بن اللصیت، عبداللہ بن نبتل۔ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ ابھی نوعمر تھے۔ عبداللہ بن ابیّ کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے حسد و عناد کی جو آگ بھڑک رہی تھی، اس نے اس کا مظاہرہ اِس موقع پر کیا۔ اُس نے مہاجر مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اس نے کہا:

اللہ کی قسم! میں نے آج جیسی ذلت و رسوائی کبھی نہیں دیکھی۔ واللہ! مجھے تو شروع ہی سے یہ معاملہ پسند نہ تھا لیکن میری قوم مجھ پر غالب آگئی۔ دیکھو! ان مہاجرین نے کیسا ستم ڈھایا ہے؟ انھوں نے ہمارے ہی وطن میں رہ کر ہمیں مغلوب کر لیا اور تعداد میں ہم سے آگے نکل گئے۔ انھوں نے ہمارا احسان بُھلا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ہماری اور قریش کے ان تنگدستوں کی حالت پر تو یہ مثال صادق آتی ہے: سَمِّنْ كَلْبَكَ يَأْكُلْكَ. ''اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرو تا کہ وہ تمھیں ہی کاٹ کھائے۔'' واللہ! میں جہجاہ جیسی پکار سُنوں اور وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی ٹس سے مس نہ ہوں، مجھے تو یہ آواز سننے سے پہلے ہی مر جانا چاہیے تھا۔ واللہ! ہم مدینہ واپس جائیں گے تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔

بدبخت ابن ابیّ نے آخری جملے کے ذریعے سے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی اور اپنے خبث باطن اور کمینگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں کو معزز اور مہاجر مسلمانوں کو ذلیل قرار دیا۔ وہ دراصل مہاجرین و انصار کو لڑانا اور مہاجرین کو مدینہ سے نکلوانا چاہتا تھا۔ اس نے انھی باتوں پر بس نہیں کی بلکہ وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کو مہاجرین کے خلاف بھڑکاتے ہوئے بولا:

جو کچھ بھی ہوا ہے اُس کے ذمہ دار اور قصوروار خود تمھی لوگ ہو۔ تم نے انھیں اپنے شہر میں بسایا، اپنا مال بھی اُنھی میں بانٹ دیا، یہاں تک کہ وہ مال دار ہو گئے۔ واللہ! جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ انھیں دینا بند کر دو تو یہ خود بخود تمھارا شہر چھوڑ جائیں گے۔ یہ لوگ تمھارے احسانات پر بھی خوش نہ ہوئے، یہاں تک کہ تم نے خود اپنی جانوں کو موت کا نشانہ بنا لیا۔ تم ان (محمد ﷺ) کے دفاع میں لڑے۔ تم نے اپنے بچے یتیم کرا ڈالے۔ تمھاری تعداد گھٹ گئی اور یہ لوگ بڑھ گئے۔ *

* المغازي للواقدي :1/353,352، السيرة لابن هشام :3/303.

عبداللہ بن ابی کی ان اشتعال انگیز باتوں کا مقصد انصار کو قبائلی غیرت دلانا، جاہلانہ عصبیت میں مبتلا کرنا اور انھیں مہاجرین سے لڑانا تھا تاکہ مہاجر مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔ ابن ابی کا خیال تھا کہ وہ انصار کو مہاجرین کے خلاف برسرِ پیکار کر دے گا تو مہاجرین کے بے دخل ہو جانے کا راستہ کھل جائے گا۔ اس طرح اُس کے ریاستِ مدینہ کا بادشاہ بننے کا ارمان پورا ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو ابنِ اُبی کی شر انگیز باتوں کی اطلاع مل گئی

عبداللہ بن اُبی نے یہ سب فتنہ خیز باتیں اپنے خاص چیلے چانٹوں کی انجمن میں کی تھیں، وہ پوری طرح مطمئن تھا کہ اس کی یہ باتیں صیغۂ راز میں رہیں گی، رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچیں گی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں ایک ایسا نوعمر لڑکا بھی موجود ہے جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور وہ یہ ساری باتیں آپ تک پہنچا دے گا۔ یہ نوعمر صحابی سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ ابن اُبی کی زہر آلود باتیں برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے ابن اُبی کو سختی سے جھڑک دیا اور فرمایا:

أَنْتَ وَاللّٰهِ! الذَّلِيلُ الْقَلِيلُ الْمُبْغَضُ فِي قَوْمِكَ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ فِي عِزٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ وَمَوَدَّةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاللّٰهِ! لَا أُحِبُّكَ بَعْدَ كَلَامِكَ هٰذَا.

”اللہ کی قسم! تو ہی ذلیل ہے۔ تو ہی کمتر ہے اور اپنی قوم کا بدترین آدمی ہے۔ محمد ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی ہے، تمام مسلمانوں کی محبت اور ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! تیری خرافات سن کر مجھے تجھ سے شدید نفرت ہوگئی ہے، اب میں تجھ سے ہمیشہ متنفر رہوں گا۔“

ابن ابی نے زید رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو چونک پڑا۔ اسے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ زید میری یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتا دے گا۔ اس نے فوراً پلٹا کھایا۔ وہ زید رضی اللہ عنہ کو اطمینان دلانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا: ارے برخوردار! خاموش ہو جا، میں تو صرف ہنسی مذاق اور کھیل تماشے کی باتیں کر رہا تھا۔[1] زید رضی اللہ عنہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ یہ شخص مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے، جبکہ اصل حقیقت یہی ہے کہ یہ شخص رسالت مآب ﷺ اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان سب باتوں سے ضرور آگاہ کریں گے اور ابن اُبی کے مکروہ چہرے سے جھوٹی اسلامیت کے چھلکے اتار دیں گے۔ ہر چند ان کا اور ابن ابی کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا لیکن وہ اس معاملے میں اپنے قبیلے کی محبت کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ انھیں اس بات کی بھی کوئی فکر نہ تھی کہ ابن ابی کا اصلی

1 تفسير البغوي، المنٰفقون 3:63، الصارم المسلول، ص: 268,267.

چہرہ دکھانے سے ہمارے قبیلے کی بدنامی ہوسکتی ہے۔ دراصل رسول اللہ ﷺ کی محبت چیز ہی ایسی ہے کہ اس کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی متاع بھی ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہے۔ عبداللہ بن اُبی تو ایمان کی حقیقت ہی سے ناآشنا تھا۔ اس لیے اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اس نوعمر لڑکے کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو اپنی کم عمری کا بھی احساس تھا لیکن انھیں یہ احساس بھی سچائی کے اظہار و اعلان سے نہ روک سکا۔ تاہم انھوں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں گئے۔ بلکہ اپنے چچا سعد بن عبادہ کی طرف رخ کیا اور انھیں ساری بات بتا دی۔ [1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طبرانی اور ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ زید رضی اللہ عنہ کے چچا سے مراد یہاں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ زید کے حقیقی چچا نہیں تھے، بلکہ خزرج کے سردار تھے۔ زید رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ [2] سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مجازی طور پر چچا قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے پوری توجہ سے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ساری بات سنی۔ اس کے بعد وہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو ابن اُبی کے اصلی خیالات سے آگاہ کر دیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی دینی مصلحت کے لیے کسی آدمی کی شرانگیزی سے دوسرے آدمی کو خبردار کر دیا جائے تو یہ چغلی شمار نہیں ہوگی۔

زید رضی اللہ عنہ کی دربارِ نبوت میں طلبی

رسول اللہ ﷺ نے جونہی یہ باتیں سنیں، فوراً زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ آپ ﷺ سب کچھ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی زبانی سننا چاہتے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جو کچھ سنا تھا، من و عن سب آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا۔ [3] واقدی کی روایت میں ہے کہ جب زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو کئی مہاجر اور انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق، عثمان، سعد، محمد بن مسلمہ، اوس بن خولی اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔ ابن اسحاق کے بقول عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ [4] زید رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو ابنِ اُبی کی زہریلی گفتگو سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا۔ آپ کو اتنا شدید غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ زید رضی اللہ عنہ چونکہ نوعمر لڑکے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے مزید تصدیق و اطمینان کے لیے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4904. [2] فتح الباري: 822/8. [3] صحيح البخاري: 4904. [4] السيرة لابن هشام: 303/3.

«يَا غُلَامُ! لَعَلَّكَ غَضِبْتَ عَلَيْهِ؟»

''اے لڑکے! شاید تمھیں اس پر غصہ آ گیا ہے؟''

زید رضی اللہ عنہ بولے: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ باتیں خود اس کی زبان سے سنی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا:

«لَعَلَّهُ أَخْطَأَ سَمْعُكَ؟»

''شاید تمھیں سننے اور سمجھنے میں غلطی لگی ہے؟''

انھوں نے کہا: اللہ کے نبی! میرے کانوں نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے جو کچھ سُنا، بے کم و کاست عرض کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا:

«لَعَلَّهُ شُبِّهَ عَلَيْكَ؟»

''شاید اس کی بات تم پر مشتبہ ہو گئی ہے؟''

زید رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر کہا: اللہ کے رسول! میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اپنے کانوں اور اس کی زبان سے یہ سب کچھ سنا ہے۔[1]

ابن اُبی کے قتل کی اجازت نہ مل سکی

عبداللہ بن ابی کی یہ شر انگیز اور گستاخانہ باتیں سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روک دیا اور فرمایا:

«دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»

''اسے کچھ نہ کہو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''[2]

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن اُبی کی باتوں کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے۔ وہ بولے: آپ عباد بن بشر کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کر آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَكَيْفَ يَا عُمَرُ! إِذَا تَحَدَّثَ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ! لَا وَلٰكِنْ أَذِّنْ بِالرَّحِيلِ»

''عمر! بھلا یہ اقدام کیسے مناسب رہے گا؟ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ ایسا

[1] المغازي للواقدي :353/1. [2] صحيح البخاري :4905.

نہیں ہوسکتا۔ ہاں تم یوں کرو کہ کوچ کا اعلان کر دو۔‘‘

آپ نے ایسے وقت میں کوچ کا اعلان کرنے کا حکم دیا جس میں کوچ کرنا آپ کے معمولِ مبارک کے خلاف تھا۔[1] واقدی نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھے لیکن جب انھیں اس بات کا علم ہوا تو وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ابن ابی کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انھیں اجازت نہ دی تو وہ بولے کہ پھر محمد بن مسلمہ کو حکم دیجیے کہ وہ اسے قتل کر دیں لیکن آپ نہ مانے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیجیے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے کوچ کا اعلان کر دیا۔[2]

حق یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اپنی گھناؤنی منافقت اور گستاخانہ حرکتوں کی وجہ سے اسی سزا کا مستحق تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے لیکن اس نے نفاق کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ بہت سے لوگ ابھی تک اس کے اصلی چہرے سے ناواقف تھے، اس لیے اس بات کا شدید خطرہ تھا مبادا لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اب اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح نہ صرف مزید فتنہ وفساد پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا بلکہ مسلمانوں کی سیاسی شہرت بھی داغدار ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ایسی حالت میں داخلی اور خارجی دشمنوں کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل جاتا۔ بس یہی وہ وجوہ تھیں جن کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

ابن ابی اور اس کے چیلے مُکر گئے

ادھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے پورے اعتماد اور ذمہ داری سے ایک اہم اطلاع دی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس بات کی تحقیق خود ابن ابی سے بھی کی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ وہ آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی باتیں کی ہیں؟ ابن ابی بڑا مکار اور دھوکے باز تھا۔ وہ جھوٹی قسمیں بھی کھا لیا کرتا تھا۔ وہ صاف مکر گیا۔ اس نے آپ کے سامنے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تائید کی، جھوٹی قسمیں کھائیں اور یہی کہتے رہے کہ یہ باتیں بالکل غلط ہیں۔[3]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کو خبر ہوئی کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی زبان سے جو کچھ سنا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا ہے اور اس کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے تو وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

1 السيرة لابن هشام: 303/3. 2 المغازي للواقدي: 354/1. 3 صحيح البخاري: 4903، 4904.

ہوا۔ اس نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا کہ زید نے آپ ﷺ کو جو بات بتائی ہے، وہ میں نے نہیں کہی۔ [1] واقدی نے لکھا ہے کہ انصار کے ایک گروہ نے جب رسول اللہ ﷺ اور زید کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تو انھوں نے ابن ابی کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ابوالحباب! اگر تم نے ایسی بات کہی ہے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جاؤ، اپنی خطا کا اعتراف کرلو تا کہ وہ تمھارے لیے دعائے مغفرت فرمائیں۔ خبردار! مکرنا مت، ورنہ تمھاری تکذیب میں وحی نازل ہو جائے گی۔ اگر تم نے یہ باتیں نہیں کیں تب بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچو، معذرت کرو اور قسم کھا کر یقین دہانی کراؤ کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ اوس رضی اللہ عنہ نے اسے نہایت خوبصورت انداز میں سمجھایا اور اس کے سامنے مناسب حل پیش کیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ابن ابی اپنے جرم کا اعتراف کرلیتا اور آئندہ کے لیے توبہ کرتا لیکن ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اُس نے ان کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ میں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے اس سے نہایت ہمدردی سے فرمایا:

«يَا ابْنَ أُبَيٍّ! إِنْ كَانَتْ سَلَفَتْ مِنْكَ مَقَالَةٌ فَتُبْ»

”ابن ابی! اگر تم ایسی بات کہہ بیٹھے ہو تو فوراً توبہ کرلو۔“

عبداللہ بن ابی نے آپ ﷺ کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ حسب سابق جھوٹی قسمیں کھانی شروع کردیں کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ ابن ابی اپنی قوم کا سردار تھا، اس لیے اس کی بات کو سچا سمجھ لیا جاتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس کے بارے میں برا گمان بھی رکھا جاتا تھا۔ [2] حالات و حوادث کی رفتار کے ساتھ ساتھ جوں جوں اس کی اصلیت کھل کر سامنے آرہی تھی، لوگوں کے دلوں سے اس کا اعتبار اُٹھتا جا رہا تھا۔ ابن ابی نے دانائی سے کام نہیں لیا۔ اپنے فاسد خیالات پر کوئی ندامت محسوس نہیں کی۔ اُس کا دل سیاہ تھا، اُس کے پاس نورِ ایمان کی ایک کرن بھی نہیں تھی۔ اُس کا ضمیر گونگا تھا۔ اس کی رُوح اندھی ہوگئی تھی۔ اُس نے رسالت مآب ﷺ کی شفقت سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا، توبہ نہیں کی۔ اپنی بھیانک باتوں اور گھاتوں پر معافی نہیں مانگی، اُلٹا جھوٹی قسمیں کھا کر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا رہا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے مقدر پر ذلت و رسوائی کی مہر لگا دی۔

[1] السيرة لابن هشام :303/3. [2] المغازي للواقدي :354,353/1.

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو صدمہ

عبداللہ بن ابی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی صفائی پیش کی، اس وقت کچھ انصاری صحابہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ وہ اسے قسمیں کھاتا دیکھ کر اس کا اعتبار کر بیٹھے۔ وہ اس کے دفاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہوسکتا ہے کہ لڑکے کو اس کی بات سننے میں مغالطہ ہو گیا ہو۔ جو کچھ اُس نے کہا، یہ لڑکا اسے ٹھیک طرح سے یاد نہ رکھ سکا ہو۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تو تھے نہیں، چنانچہ آپ نے ابن ابی کو سچا مان لیا اور زید رضی اللہ عنہ کی بات کا اعتبار نہیں کیا۔ یہ بات پورے لشکر میں پھیل گئی تھی۔ ہر شخص اسی بات کا چرچا کر رہا تھا۔

اب زید رضی اللہ عنہ ایک نئے آشوب اور آزمائش سے دوچار ہو گئے۔ عام لوگ زید رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کی باتیں سنانے لگے۔ انھوں نے کہا کہ زید نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہ مخواہ جھوٹ بولا ہے۔ زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے بھی خفگی ظاہر کی، ان سے کہا کہ یہ تم نے کیا کر دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں جھٹلا دیا ہے اور وہ تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔[2] انصار نے بھی انھیں ملامت کی کہ تم نے اپنی قوم کے سردار کو بدنام کیا ہے۔ جو باتیں اس نے نہیں کیں، وہ تم نے اس کی طرف منسوب کر دیں۔ تم نے زیادتی اور قطع رحمی کی ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل سے یہ ساری باتیں سُنیں اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ ساری باتیں اسی شخص کی زبان سے سنی ہیں۔ زید رضی اللہ عنہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجھے عبداللہ بن ابی سے کوئی دشمنی نہیں، واللہ! خزرج قبیلے میں میرے نزدیک عبداللہ بن ابی سب سے بہتر ہے لیکن اُس جیسی زہریلی گفتگو میں اپنے باپ سے بھی سن لیتا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ضرور پہنچاتا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور وحی نازل فرمائے گا تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ میں سچا ہوں اور ابن ابی کذاب ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم ہو جائے کہ میری دی ہوئی اطلاع ٹھیک ہے۔ اس کے بعد زید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا شروع کر دی:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْزِلْ عَلٰى نَبِيِّكَ مَا يُصَدِّقُ حَدِيثِي»

''اے اللہ! میری بات کی تصدیق کے لیے اپنے نبی پر وحی نازل فرما۔''[3]

بہرحال زید رضی اللہ عنہ اس صورت حال کی وجہ سے بہت مغموم تھے، لوگوں کی ملامت سے انھیں اس قدر صدمہ ہوا کہ اپنے گھر ہی میں محصور ہو کر رہ گئے۔ وہ خود فرماتے ہیں: مجھے اس قدر غم ہوا کہ اس جیسا غم پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ میں اپنے گھر تک محدود ہو کر بیٹھ گیا....[4] ایک دن وہ بے حد افسردہ ہوئے اور غمگینی ہی کی حالت میں سو گئے۔[5]

---

[1] السيرة لابن هشام :3/304. [2] صحيح البخاري :4904,4903. [3] المغازي للواقدي :1/353. [4] صحيح البخاري : 4904,4903. [5] جامع الترمذي :3314.

یہاں گھر سے مراد ان کی بیرونی قیام گاہ ہے، مدینے والا گھر نہیں ہے اور یہ سارا واقعہ ہی مدینے سے باہر کا ہے۔ زید رضی اللہ عنہ نے صرف لوگوں کی بولیوں ٹھولیوں سے بچنے کے لیے ان کے سامنے آنا چھوڑ دیا۔ انھیں ڈر تھا کہ لوگ انھیں دیکھ کر کہیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار حکمت عملی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثال حکمت و بصیرت سے نوازا تھا۔ آپ کسی صورت یہ نہیں چاہتے تھے کہ ابن ابی کی یہ باتیں لشکر میں پھیلیں، لوگ انھیں اپنا موضوع بنائیں اور ان پر تبصرے کریں۔ اس طرح اس فتنے کو اور زیادہ ہوا لگنے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اسلامی لشکر کو فوراً کوچ کا حکم دے دیا، جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ گرمی عروج پر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت کوچ نہیں کرتے تھے لیکن ابنِ ابی کے برپا کردہ فتنے کو دبانے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ ایسی زبردست حکمت عملی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذہن مبارک میں آسکتی تھی۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

لوگ اسلامی لشکر کی خلافِ معمول اچانک روانگی پر حیران تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روانہ ہوئے تو سب سے پہلے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پہلے ملے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ اسید رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہی کہا: اللہ کے نبی! آپ نے آج ایسے ناپسندیدہ وقت میں کوچ کیا ہے جو آپ کے معمول مبارک کے خلاف ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَمَا بَلَغَكَ مَا قَالَ صَاحِبُكُمْ؟»

”تمھارے ساتھی نے جو کچھ کہا ہے، کیا تمھیں اس کی خبر نہیں؟“

انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون سا ساتھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عبداللہ بن ابی۔“ انھوں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«زَعَمَ أَنَّهُ إِنْ رَّجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ»

”اس کا خیال ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس گیا تو سب سے زیادہ معزز آدمی سب سے زیادہ ذلیل آدمی کو وہاں

[1] السنن الکبرٰی للنسائي :6/491.

سے نکال دے گا۔''

یہ سنتے ہی سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے۔ کہنے لگے: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! صفحۂ ہستی پر سب سے زیادہ معزز شخصیت آپ ہیں، اگر آپ چاہیں تو اسے مدینہ سے نکال باہر کریں۔ واللہ! سب سے زیادہ ذلیل عبداللہ بن ابی ہے۔ عزت اللہ کے لیے، آپ کے لیے اور مومنین ہی کے لیے ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اس کے ساتھ ذرا نرمی برتیے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس عین اس وقت لایا جب اس کی قوم اس کی تاج پوشی کے موتی پرو رہی تھی۔ صرف ایک مونگا باقی رہ گیا تھا، وہ یوشع یہودی کے پاس تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے تو اس نے اس کا نرخ بہت بڑھا دیا۔ اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ کا خصوصی لطف و کرم ہوا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ اس پس منظر میں ابن ابی یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس سے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔[1]

تھکا دینے والا سفر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ لشکر کو لے کر دن بھر مسلسل چلتے رہے حتی کہ شام ہوگئی۔ لیکن آپ کا سفر رات کو بھی جاری رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ جب اگلے دن کا بیشتر حصہ گزر گیا اور دھوپ نے ستایا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس وقت لوگ تھک کر چور ہو رہے تھے۔ ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ جونہی مجاہدین نے اپنے بستر بچھائے، انھیں بڑی غفلت اور غلبے کی نیند آئی، سب کے سب اسی وقت سو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشائے مبارک یہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل سفر اسی لیے کیا تھا تاکہ لوگوں کو عبداللہ بن ابی کی بات پر چہ میگوئیاں کرنے کا موقع نہ ملے۔[2]

ابن ابی کی دروغ گوئی پر قرآن کی گواہی

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکمت عملی اپنائی اور ادھر اللہ رب العزت نے وحی نازل فرما کر آپ پر ساری حقیقت منکشف فرما دی۔ اب پتا چل گیا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی دعا کو بھی شرفِ قبولیت سے نواز دیا۔ وہ بڑی شدت سے وحی کے منتظر تھے۔ اب ان کا صدمہ خوشی میں تبدیل ہوگیا۔ ان کی ساری پریشانی جاتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقوں کو بے نقاب کرنے اور ان کا گھناؤنا کردار عیاں کرنے کے لیے ایک پوری سورت نازل فرما دی۔ اس کا نام ''سورۃ المنافقون'' ہے۔

وحی نازل ہونے کی تفصیل واقدی نے اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریسیع سے روانگی والے دن سفر کر رہے تھے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بار بار اپنی سواری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لے آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری بہت

---

1 المغازي للواقدي:355,354/1، السيرة لابن هشام :304/3. 2 السيرة لابن هشام :304/3، المغازي للواقدي :357/1.

تیز چلا رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ وحی کی شدت نے آپ ﷺ کو آلیا۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگا۔ آپ کی سواری کی اگلی دونوں ٹانگیں اس قدر بھاری ہوگئیں کہ وہ اس سے اٹھائی نہیں جارہی تھیں۔ مجھے پتا چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ مجھے امید تھی کہ آپ ﷺ پر میری خبر کی تصدیق نازل ہو جائے گی۔ کچھ ہی دیر بعد آپ ﷺ کی یہ کیفیت دور ہوگئی۔ آپ ﷺ نے میرا کان اس طرح پکڑا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں اس وقت اپنی سواری پر تھا۔ آپ ﷺ میرا کان آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے فرما رہے تھے:

«وَفَتْ أُذُنُكَ يَا غُلَامُ! وَصَدَّقَ اللّٰهُ حَدِيثَكَ»

''اے لڑکے! تیرے کان نے وفا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیری بات کی تصدیق فرمادی ہے۔''[1]

یہ رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور محبت کا بڑا خوبصورت اور منفرد انداز تھا۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ریشم سے زیادہ ملائم دست مبارک نے زید رضی اللہ عنہ کے کان کو چھوا ہوگا تو اس وقت انھیں کس قدر سرور حاصل ہوا ہوگا۔ پھر جب آپ ﷺ نے انھیں اپنی بہت پیاری شہد سے بھی زیادہ میٹھی زبان سے ان کی سچائی کی بشارت سنائی ہوگی تو اُس وقت ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا!

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«هٰذَا الَّذِي أَوْفَى اللّٰهُ لَهُ بِأُذُنِهِ»

''یہی ہے جس کی کان سنی بات کو اللہ نے سچ قرار دیا ہے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 355/1. [2] صحيح البخاري: 4906.

بنو مصطلق (مریسیع) کا علاقہ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کے سامنے وہ آیات تلاوت فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یقیناً منافق جھوٹے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے، پھر وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک بہت برا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک وہ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، تو وہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انھیں دیکھیں تو آپ کو ان کے جسم اچھے لگتے ہیں اور اگر وہ (کوئی بات) کہیں تو آپ ان کی بات پر کان لگائیں گویا وہ ٹیک لگی لکڑیاں ہوں۔ وہ ہر اونچی آواز کو سمجھتے ہیں کہ انھی پر (بلا آئی) ہے، وہی (اصل) دشمن ہیں، لہٰذا آپ ان سے بچیں، اللہ انھیں ہلاک کرے، وہ کہاں پھرے جاتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جائے: آؤ، رسول اللہ (ﷺ) تمھارے لیے استغفار کریں، تو وہ (نفی میں) سر ہلاتے ہیں اور آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رک جاتے ہیں۔ ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا استغفار نہ کریں، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ تم ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں تاکہ وہ بھاگ جائیں، اور اللہ ہی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے، لیکن منافق سمجھتے

نہیں۔ وہ کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو معزز ترین لوگ وہاں سے ذلیل ترین لوگوں کو نکال دیں گے، اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اس کے رسول کے لیے، اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔''[1]

یہ آیات تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ!»

''زید! اللہ نے تمھاری تصدیق فرما دی ہے۔''[2]

جامع ترمذی کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ مارے غم کے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ اچانک آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے میرا کان مسلا اور مسکرا دیے۔ مجھے اس پر اس قدر خوشی ہوئی کہ اتنی دنیا میں ہمیشہ رہنے پر بھی نہ ہوتی۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔ پوچھنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا کہ آپ ﷺ نے کہا تو کچھ نہیں، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ آپ نے میرا کان مسلا اور پھر میرے روبرو مسکرا دیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: بس اب تم خوش ہو جاؤ۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ پھر صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔[3]

مسجد ابوبکر الصدیق، المرج (لیبیا)

عبادہ رضی اللہ عنہ کی بات پوری ہوگئی

سورۂ منافقون نازل ہونے کے باعث وہ بات بھی پوری ہوگئی جو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سے کہی تھی۔ انھوں نے اس سے کہا تھا کہ تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس چلا جا، تاکہ وہ تیرے لیے استغفار کریں۔ اس نے ان کی بات نہیں مانی، روگردانی کی اور اپنا سر پھیر لیا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے

[1] المنفقون 63:1-8. [2] صحيح البخاري: 4900، 4901. [3] جامع الترمذي: 3313.

کہا: اللہ کی قسم! تیرے سر پھیرنے کے بارے میں ضرور قرآن نازل ہوگا جس کی نماز میں تلاوت کی جائے گی۔[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس حرکت کو بھی قرآن میں محفوظ فرما دیا۔

ابن ابی لعنت و ملامت کی زد میں

اب ابن ابی بے نقاب ہوگیا۔ اُس کے چہرے پر پڑے ہوئے عیاری اور مکاری کے سارے پردے اُٹھ گئے اور اس کی اصل حقیقت نمایاں ہو کر سب کے سامنے آگئی۔ اس کی جھوٹی قسموں کا پول کھل گیا تھا۔ وہ جس قدر لوگوں کو اپنے سچا ہونے کی یقین دہانیاں کرا رہا تھا، اتنا ہی جھوٹا ثابت ہوا۔ اس کا مذموم کردار اور خطرناک عزائم عیاں ہوگئے۔ لوگوں کو اس سے نفرت ہوگئی۔ اس کی قوم کے لوگ بھی اسے ملامت کرنے لگے۔ چنانچہ سورۂ منافقون نازل ہونے کے بعد سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ابن ابی کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اسے سلام تک نہیں کیا۔ پھر اوس بن خولی رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے بھی رخ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر ابن ابی سے رہا نہ گیا۔ کہنے لگا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر تم دونوں نے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اس کی بات انھوں نے سن لی۔ وہ دونوں صحابی اس کے پاس آئے اور اس کے کرتوت پر اسے خوب جھڑکا اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اب میں تیرے بارے میں کبھی خلافِ حقیقت بات نہیں کروں گا جب تک کہ میں یہ نہ جان لوں کہ تو اپنی حرکتوں سے باز آگیا ہے اور تو نے اللہ سے توبہ کر لی ہے۔ ہم لوگ تیری خاطر زید بن ارقم کو کوستے رہے کہ تم نے اپنی قوم کے ایک آدمی کے بارے میں غلط بیانی کی ہے، یہاں تک کہ زید کی تصدیق ہوگئی اور تیرے جھوٹ پر آیات قرآنی کی مہر لگ گئی۔

ان کی سرزنش اور ملامت سن کر ابن ابی بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے پاس اب اپنے جرم کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس کے لیے حیلے بہانے کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس نے ان سے معافی مانگتے ہوئے کہا: میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔[2]

مومن بیٹا، منافق باپ کے قتل پر تُل گیا

عبداللہ بن ابی خود تو منافقوں کا سردار تھا لیکن اس کا بیٹا سچا اور مخلص مومن اور جاہلانہ تعصب سے محفوظ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ ملانے اور ورغلانے کی بہت کوشش کی لیکن بیٹا اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے باپ عبداللہ کا انتہائی خدمت گزار بھی تھا لیکن دونوں کے فکر و عمل کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ باپ کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بغض و عناد بھرا ہوا تھا تو بیٹا اللہ اور

[1] المغازي للواقدي :356/1. [2] المغازي للواقدي :356/1.

اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ابنِ ابی کے اس عظیم بیٹے کا نام حُباب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ یہ بدر و احد کے علاوہ کئی غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔[1] اس غزوے میں بھی وہ موجود تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی شر انگیز باتوں کا علم ہوگیا تھا۔ انھیں یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے میرے باپ کو قتل کرنے کی بات چیت کی ہے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہی بات ہے تو کیوں نہ میں خود اپنے منافق باپ کو قتل کر ڈالوں۔ وہ دین کے معاملے میں باپ کی محبت کو ہیچ اور نا قابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ ویسے بھی وہ اپنے باپ کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اس سے براءت اختیار کر چکے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ عبداللہ بن ابی کو اس کی مکروہ باتوں کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجیے، اللہ کی قسم! میں آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اللہ کی قسم! خزرج کے لوگ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے والد سے مجھ سے بڑھ کر حسنِ سلوک کرنے والا نہیں۔ ایک عرصے سے وہ میرے ہی ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے اپنے باپ کی ہیبت کی وجہ سے کبھی اس کے چہرے کو غور سے نہیں دیکھا۔[2] اللہ کے رسول! مجھے ڈر ہے مبادا آپ میرے سوا کسی اور شخص کو حکم دیں اور وہ میرے باپ کو قتل کر ڈالے تو مجھ سے جیتے جی اپنے باپ کا قاتل جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا نہ دیکھا جائے گا اور میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس طرح میں ایک کافر کے بدلے ایک مومن کو قتل کر کے جہنم میں چلا جاؤں گا۔ ہاں، آپ کا معاف فرما دینا سب سے افضل ہے اور آپ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت اطمینان سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی، پھر انھیں ایسا جواب دیا جو ان کے حاشیۂ خیال سے بھی ماورا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَبدَاللّٰهِ! مَا أَرَدْتُّ قَتْلَهُ وَمَا أَمَرْتُ بِهِ وَلَنُحْسِنَنَّ صُحْبَتَهُ مَاكَانَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا»

”عبداللہ! میں نے نہ تو اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے۔ جب تک وہ ہمارے درمیان رہے گا، ہم اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہیں گے۔“

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مخالفین کے ساتھ کس قدر نرمی اور نوازش سے پیش آتے

1 الإصابة: 133/4. 2 مسند الحميدي: 520/2.

تھے اور کس حد تک عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ ابن ابی کو معاف کر دینے میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دلجوئی بھی مقصود تھی۔ وہ اس بات کا خوب مشاہدہ کر رہے تھے کہ میرا باپ کس قدر گھٹیا حرکتیں اور کتنی مکروہ سازشیں کر رہا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی اسے کچھ نہیں کہہ رہے۔ انھوں نے اس موقع پر اپنے باپ کے بگڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: اللہ کے رسول! مدینہ والے اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ میرے والد کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔ اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ کو مدینہ بھیج دیا۔ پھر اللہ نے اُسے پستی میں ڈال دیا اور ہمیں آپ کے ذریعے سے رفعت و عزت عطا فرمائی۔ میرے باپ کے ساتھ کچھ لوگ ہیں، انھوں نے اسے گھیر رکھا ہے۔ وہ کچھ ایسے امور کا تذکرہ کرتے ہیں جن پر اللہ غالب آچکا ہے۔ اس کے بعد عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ سے واپس آئے تو انھوں نے اس سلسلے میں کچھ اشعار کہے۔[1]

بیٹے نے باپ کا رستہ روک لیا

وادی عقیق (مدینہ منورہ)

عبداللہ بن ابی کو معافی ملنے کے باوجود ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس پر شدید غصہ تھا۔ ان کی دینی حمیت نے انھیں بے چین کر رکھا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ ان کے باپ کو یہ گستاخانہ کلمات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی کہ معزز ترین شخص ذلیل ترین آدمی کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ اپنے باپ کے یہ الفاظ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ ان کی ایمانی غیرت کا اظہار اس وقت ہوا جب اسلامی لشکر مدینہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچا، وہ آگے بڑھے اور وہاں سے گزرنے والے اونٹوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے باپ کو تلاش کر رہے تھے اور اسے اس کی گستاخی کا مزہ چکھانا چاہتے تھے۔ جب ان کا باپ گزرا تو انھوں نے فوراً اس کا رستہ روک لیا، پھر اس کے اونٹ کو بٹھا کر اس کی اگلی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔

عبداللہ بن ابی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرا بیٹا میرے ساتھ یہ سلوک کرے گا۔ وہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس قدر گر چکا تھا کہ اب اپنے بیٹے کی نظر میں بھی اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

[1] المغازي للواقدي :357,356/1، السيرة لابن هشام :305/3.

اس نے جھلا کر کہا: ارے بیوقوف! تو کیا چاہتا ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے یہ ایمان افروز جواب دیا:

وَاللّٰهِ! لَا تَدْخُلُ حَتّٰى يَأْذَنَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، لِتَعْلَمَ أَيُّهُمَا الْأَعَزُّ مِنَ الْأَذَلِّ: أَنْتَ أَمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ!

''اللہ کی قسم! تم اس وقت تک (مدینہ میں) داخل نہیں ہوسکتے جب تک رسول اللہ ﷺ تمھیں اجازت نہ دے دیں۔ یہ بندش اس لیے ہے تاکہ تمھیں پتا لگ جائے کہ دونوں میں معزز ترین کون ہے! تم یا رسول اللہ ﷺ!''[1]

جامع ترمذی کی روایت میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

وَاللّٰهِ! لَا تَنْقَلِبُ حَتّٰى تُقِرَّ أَنَّكَ الذَّلِيلُ وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعَزِيزُ.

''واللہ! تم اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک یہ اقرار و اعتراف نہ کرلو کہ تم ہی ذلیل ہو اور رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں۔''[2]

اس موقع پر صورت حال یہ ہوگئی کہ اب جو مسلمان بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرتا، وہ ان کی حمایت کرتا۔ اور جونہی کوئی منافق گزرتا تو وہ انھیں طعنے دیتا کہ تم اپنے باپ کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہو۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا ماجرا ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد عبداللہ بن ابی کو مدینہ میں داخلے کی اجازت نہیں دے رہے۔ وہ اپنے باپ سے کہہ رہے ہیں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے، میں تمھیں مدینہ میں قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ موقع پر تشریف لائے تو صورت حال یہی تھی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے اونٹ کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا۔ اور ابن ابی کہہ رہا تھا کہ میں تو بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ میں عورتوں سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«خَلِّ عَنْ أَبِيكَ»

''اپنے باپ کو چھوڑ دو۔'' رسول اللہ ﷺ کا حکم سُن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو چھوڑ دیا۔[3]

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

رسول اللہ ﷺ نے خاص حکمت اور مصلحت کے تحت عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت نہیں دی تھی، آپ کے صبر و تحمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب اس کی قوم کے لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت کھل گئی تو وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ ان

---

[1] تفسير الطبري، المنٰفقون 8:63، سبل الهدٰى والرشاد: 352/4. [2] جامع الترمذي: 3315. [3] سبل الهدٰى والرشاد: 352/4.

کے دلوں سے اس کا اعتبار جاتا رہا۔ حالت یہ ہوگئی کہ اگر وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو وہ لوگ اسے خوب لتاڑتے تھے اور اس کی گرفت کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی قوم کے زیرِ عتاب آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی سبق آموزی کے لیے اُنھیں اپنے حکیمانہ موقف کے نتائج سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«كَيْفَ تَرٰى يَا عُمَرُ! أَمَا وَاللّٰهِ! لَوْ قَتَلْتُهُ يَوْمَ قُلْتَ لِي: اُقْتُلْهُ، لَأُرْعِدَتْ لَهُ آنُفٌ، لَوْ أَمَرْتُهَا الْيَوْمَ بِقَتْلِهِ لَقَتَلَتْهُ»

''عمر! اب بتاؤ، اللہ کی قسم! اگر میں اسے اس دن قتل کرا دیتا جب تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے قتل کرا دیجیے تو اس پر وہ لوگ ناک بھوں ضرور چڑھاتے جنھیں میں آج اس کے قتل کا حکم دوں تو وہ اسے (آنِ واحد میں) ہلاک کر ڈالیں گے۔''

یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات میری بات سے کہیں زیادہ بابرکت ہے۔[1]

تیز آندھی

مسلسل پُر مشقت سفر کرنے کے بعد جب لوگوں نے خوب آرام کرلیا اور تازہ دم ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے پچھلے پہر لوگوں کو تیار کر کے دوبارہ سفر کا آغاز کر دیا۔ آپ نے حجاز کا رستہ اختیار کیا۔ حجاز میں بقعاء نامی چشمے پر پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ بقعاء، نقیع کے بالائی جانب ہے جو حجاز کی وادیوں میں سے ایک بڑی وادی ہے۔ وادی نقیع

[1] السيرة لابن هشام :305/3.

وادی نقیع نزد مدینہ منورہ

مدینہ کے جنوب میں 40 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہی وادی کچھ فاصلے پر آگے جا کر وادی عقیق (عقیق المدینہ) کہلاتی ہے۔[1] لوگوں نے یہاں اپنے جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اچانک زور دار آندھی چلی۔ یہ اس قدر تیز تھی جیسے کسی سوار آدمی کو بھی زمین میں دفن کر ڈالے گی۔[2]

لوگوں کو گرد و غبار کے اس طوفان کی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی، وہ بُری طرح ڈر گئے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ شاید مبادا عیینہ بن حصن نے مدینہ پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ آندھی یونہی نہیں چلی۔ ضرور کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ مدینہ میں تو ہماری عورتیں اور بچے موجود ہیں۔

دراصل نبی اکرم ﷺ اور بنو غطفان کے درمیان صلح کا ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ اب اس کی مدت ختم ہونے والی تھی، اس لیے مسلمان خوفزدہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے خوف و ہراس کا پتا چلا تو آپ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا:

«بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ»

''یہ آندھی ایک منافق کے مرنے کی وجہ سے چلائی گئی ہے۔''[3]

ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«لَا تَخَافُوهَا، فَإِنَّمَا هَبَّتْ لِمَوْتِ عَظِيمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ الْكُفَّارِ»

''تم اس (آندھی) سے مت ڈرو۔ یہ تو کفار کے سرغنوں میں سے ایک سرغنے کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔''[4]

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ کچھ اضافے کے ساتھ اس طرح بیان ہوئے ہیں:

«لَيْسَ عَلَيْكُمْ بَأْسٌ مِّنْهَا، مَا بِالْمَدِينَةِ مِنْ نَّقَبٍ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ يَّحْرُسُهُ، وَمَا كَانَ لِيَدْخُلَهَا عَدُوٌّ حَتّٰى تَأْتُوهَا، وَلٰكِنَّهُ مَاتَ الْيَوْمَ مُنَافِقٌ عَظِيمُ النِّفَاقِ بِالْمَدِينَةِ، فَلِذٰلِكَ عَصَفَتِ الرِّيحُ»

''تمھیں اس (آندھی) سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مدینہ کی کوئی گھاٹی ایسی نہیں جہاں پہرہ دینے کے لیے ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔ دشمن اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک تم وہاں نہ پہنچ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ آج مدینہ میں ایک بہت بڑا منافق مر گیا ہے۔ اسی لیے یہ آندھی آئی ہے۔''

اس منافق کا نام واقدی نے زید بن رفاعہ بن تابوت بیان کیا ہے۔[5] جبکہ ابن اسحاق نے رفاعہ بن زید بن تابوت

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 320. [2] صحيح مسلم: 2782. [3] صحيح مسلم: 2782. [4] السيرة لابن هشام: 304/3. [5] المغازي للواقدي: 358/1.

بتایا ہے۔ اس کا تعلق یہودی قبیلے بنو قینقاع سے تھا۔ اس کا شمار یہود کے سرغنوں میں ہوتا تھا۔ یہ منافقین کے لیے پناہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ اسی کے ہاں پناہ لیا کرتے تھے۔[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس روز اتنی زبردست آندھی چلی کہ پہلے ایسی آندھی کبھی نہیں دیکھی گئی۔ یہ آندھی اسی طرح چلتی رہی یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، پھر کہیں یہ دن کے آخری حصے میں جا کر رکی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ لوٹا تو میں نے اپنے گھر جانے سے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ کون مر گیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ زید بن رفاعہ بن تابوت مرا تھا۔ اہل مدینہ نے بتایا کہ مدینہ میں بھی ایسی ہی تیز آندھی چلی تھی۔ جب اللہ کے دشمن کو دفن کر دیا گیا تو آندھی رک گئی۔ تیز آندھی کی وجہ سے مسلمانوں کے جانور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ جب دن کے آخر میں آندھی تھمی تب انھوں نے اپنے جانوروں کو اکٹھا کیا۔[2]

ابن ابی کو سخت صدمہ

زید بن رفاعہ کی موت سے منافقین کو بے حد صدمہ ہوا۔ وہ اپنے ایک اہم ساتھی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی موت سے آگاہ کیا تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اس روز عبداللہ بن ابی سے کہا: تیرا جگری دوست مر گیا ہے۔ اس نے فوراً پوچھا: کون سا جگری دوست؟ عبادہ رضی اللہ عنہ بولے: جس کی موت اسلام اور مسلمانوں کی فتح ہے۔ اس نے کہا: کون؟ انھوں نے بتایا: زید بن رفاعہ بن تابوت۔ یہ خبر اس پر بجلی بن کر گری۔ وہ بولا: ہائے! یہ کیسی مصیبت ٹوٹ پڑی! اللہ کی قسم! وہ کیا خوب آدمی تھا۔ پھر ابن ابی اس کا تذکرہ کرنے اور اس کی تعریفوں کے پُل باندھنے لگا۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اللہ کی قسم! تو کٹی ہوئی دم کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ ابنِ ابی کو اس کی موت کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ابو الولید! تمھیں اس کی موت کی خبر کس نے دی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ابھی ابھی بتایا ہے کہ اسی گھڑی اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ ابن ابی یہ سن کر لرز اٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات بالکل سچی ہوتی ہے۔ اسے بہت پشیمانی ہوئی۔ وہ وہاں سے بہت غمزدہ حالت میں واپس آیا۔[3]

قصواء کی گمشدگی پر ایک منافق کی طنزیہ باتیں

آندھی کے تھمتے ہی جب مسلمانوں نے اپنے جانور اکٹھے کیے تو اس دوران میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء اونٹوں میں موجود نہیں تھی۔ وہ کہیں گم ہو گئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فکر مند ہو گئے۔ وہ اس

1 السيرة لابن هشام :304/3. 2 المغازي للواقدي :359,358/1. 3 المغازي للواقدي :359/1، إمتاع الأسماع :211/1.

کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ زید بن لُصیت منافق انصار کے کچھ لوگوں کی مجلس میں موجود تھا۔ ان میں سیدنا عباد بن بشر بن وقش، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور اُسید بن حضیر جیسے جلیل القدر حضرات بھی تھے۔ زید بن لُصیت یہودی قبیلے بنو قینقاع سے تھا۔ اس کا شمار اُن یہودی علماء میں ہوتا تھا جو بظاہر تو مسلمان ہو چکے تھے لیکن اندر سے یہودی ہی تھے۔ اس نے جب مسلمانوں کو اس طرح آتے جاتے دیکھا تو پوچھنے لگا: یہ لوگ اِدھر اُدھر کہاں جا رہے ہیں؟ مجلس میں موجود لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی ہے، یہ اسے تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی اسے باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔ وہ تو پہلے ہی اس تاک میں رہا کرتا تھا کہ زہر اگلنے کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے، اس لیے وہ زبان درازی کرتے ہوئے بولا: محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ انھیں اتنی سی بات بھی معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے! اس نے بک بک کرتے ہوئے یہ بھی کہا: آخر اللہ تعالیٰ انھیں اُس جگہ سے آگاہ کیوں نہیں کر دیتا جہاں ان کی اونٹنی موجود ہے؟

وہاں موجود مخلص مسلمانوں کو زید بن لصیت کی یہ باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔ وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے بولے: اللہ کے دشمن! اللہ تجھے غارت کرے! تو منافق ہوگیا ہے۔ پھر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور بولے: اللہ کی قسم! اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ نہ معلوم رسول اللہ ﷺ میرے اس اقدام کی تائید فرمائیں گے یا نہیں تو میں تیرے خصیے نیزے سے چیر کر رکھ دیتا۔ اللہ کے دشمن! جب تیرے دل میں ایسی پاپی باتیں تھیں تو تجھے ہمارے ساتھ نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس پر وہ منافق بڑ بڑاتے ہوئے بولا: میں تو دنیاوی مال و متاع حاصل کرنے نکلا ہوں۔ میری زندگی کی قسم! محمد (ﷺ) تو ہمیں اونٹنی کے حال سے بھی زیادہ بڑی بڑی باتیں بتاتے ہیں۔ وہ تو ہمیں آسمانی خبروں سے آگاہ کرتے ہیں۔ اس نے طنزاً کہا کہ جب آپ آسمان سے اُترنے والی غیب کی اتنی بڑی بڑی خبروں سے مطلع کر دیتے ہیں تو اتنی معمولی سی بات نہیں بتا سکتے کہ اُن کی اونٹنی کہاں ہے۔ اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ سب لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور بولے: اللہ کی قسم! اب تیرا کوئی بہانہ نہیں چلے گا اور ہم اور تو کبھی ایک سائے تلے اکٹھے نہیں ہوں گے۔ اگر ہمیں تیرے دل کی باتوں کا پہلے پتا چل جاتا تو تجھے ایک گھڑی کے لیے بھی ہمارے ساتھ رہنا نصیب نہ ہوتا۔ اس منافق نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بھاگ کھڑا ہوا، مبادا یہ لوگ مجھ پر حملہ کر دیں۔ انھوں نے اس کا سارا سامان پھینک دیا۔ اس نے ان سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں پہنچ کر پناہ لی اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے خبر ہوگئی

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے زید بن لُصیت کی منافقانہ باتوں کی خبر ہوگئی۔ اب وہ آپ ہی کی مجلس میں

موجود تھا اور آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے اس واقعے سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِينَ شَمِتَ أَنْ ضَلَّتْ نَاقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَقَالَ: أَلَا يُخْبِرُهُ اللّٰهُ بِمَكَانِهَا؟ فَلَعَمْرِي! إِنَّ مُحَمَّدًا لَيُخْبِرُنَا بِأَعْظَمَ مِنْ شَأْنِ النَّاقَةِ، وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَخْبَرَنِي بِمَكَانِهَا، وَإِنَّهَا فِي هٰذَا الشِّعْبِ مُقَابِلَكُمْ قَدْ تَعَلَّقَ زِمَامُهَا بِشَجَرَةٍ فَاعْمِدُوا عَمْدَهَا»

''منافقین کے ایک آدمی نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کی اونٹنی گم ہوگئی ہے۔ اس نے کہا ہے: ''اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جگہ سے آگاہ کیوں نہیں کر دیتا۔ میری زندگی کی قسم! محمد (ﷺ) تو ہمیں اونٹنی کے حال سے کہیں زیادہ بڑی بڑی خبریں بتاتے ہیں۔'' غیب کا علم تو اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی جگہ کے بارے میں خبر دے دی ہے۔ وہ تمھارے سامنے والی اُس گھاٹی میں موجود ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ تم اس کی طرف جاؤ۔''

لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ اونٹنی اسی جگہ ٹھیک اسی حالت میں موجود تھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی، چنانچہ وہ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ زید بن لُصیت منافق نے جب اونٹنی کو دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ اس نے دیکھا کہ کسی نے اس کا سامان پھینک دیا ہے اور وہ لوگ وہیں بیٹھے ہیں۔ کوئی بھی مجلس سے نہیں اٹھا۔ جب وہ ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا: ہمارے قریب نہ پھٹکنا۔ انھیں پہلے ہی اس پر بہت غصہ تھا۔ وہ بولا: میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قریب آ گیا۔ اس نے ان سے پوچھا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، سچ سچ بتاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا تھا، کیا تم میں سے کسی نے وہ باتیں محمد (ﷺ) کو جا کر تو نہیں بتائیں؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا بالکل نہیں ہوا۔ ہم اپنی اس مجلس سے اٹھے بھی نہیں۔ وہ بولا: جو کچھ میں نے کہا تھا، میں نے لوگوں میں اس کا چرچا پایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ساتھ ہی اس نے انھیں وہ ساری بات سنا دی جو رسول اللہ ﷺ نے کہی تھی۔ اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی مل گئی ہے۔ میں پہلے محمد (ﷺ) کی نبوت و رسالت کے بارے میں شک میں مبتلا تھا۔ لیکن اب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہے۔ انھوں نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمھارے لیے استغفار کریں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا۔ اس نے آپ ﷺ کے سامنے

اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے اللہ سے بخشش طلب فرمائی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ اس شخص کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ گھٹیے کا گھٹیا (بدستور منافق) ہی رہا یہاں تک کہ اس حالت میں مر گیا۔ اس نے غزوۂ تبوک میں بھی ایسا ہی مذموم کردار دہرایا تھا۔[1] ابن اسحاق نے کہا ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زید نے توبہ کر لی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں کی تھی۔[2]

وادی نقیع کو چراگاہ بنا دیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو لے کر دوبارہ سفر شروع کیا۔ آپ ﷺ کا گزر وادی نقیع سے ہوا۔ آپ نے یہاں خوشحالی، ہری بھری گھاس اور ایک دوسرے سے مُتصل برساتی پانی کے بہت سی چھپڑیاں دیکھیں۔ آپ ﷺ کو یہاں کی خوشگوار اور صاف شفاف آب و ہوا کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے سوچا کہ کیوں نہ اس عمدہ جگہ کو غازیانِ اسلام کے گھوڑوں اور اونٹوں کی چراگاہ بنا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے پانی کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ اللہ کے رسول! اگر ہم پانی نتھاریں تو وہ گھٹ جائے گا اور چھپڑیاں ختم ہو جائیں گیں۔ آپ ﷺ نے اس کا بہترین حل یہ تجویز فرمایا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ مقصد مبارک یہ تھا کہ اس طرح پانی ایک جگہ اکٹھا ہو جائے گا اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ علاوہ ازیں آپ نے یہ فرمان بھی جاری کر دیا کہ وادی نقیع کو بطور چراگاہ مخصوص کر دیا جائے۔ اس کی نگرانی کے لیے آپ کی نظرِ انتخاب سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ پر پڑی، چنانچہ آپ نے انھیں اس علاقے کا نگران مقرر فرما دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ ہدایات لیں تا کہ ان کی روشنی میں اپنی ذمہ داری نبھائیں۔ انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں اس کی کتنی جگہ مخصوص کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِمْ رَجُلًا صَيِّتًا إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ يَعْنِي مُقَمَّلًا ـ فَحَيْثُ انْتَهٰى صَوْتُهٗ فَاحْمِهٖ لِخَيْلِ الْمُسْلِمِينَ وَإِبِلِهِمُ الَّتِي يَغْزُونَ عَلَيْهَا»

”طلوعِ فجر کے وقت ایک بلند آواز والے آدمی کو اس مقمل پہاڑ پر کھڑا کرو، پھر جہاں تک اس کی آواز جائے، اتنی جگہ مسلمانوں کے ان گھوڑوں اور اونٹوں کے چرنے کے لیے مخصوص کر دو جن پر سوار ہو کر وہ جہاد کرتے ہیں۔“

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا: عام مسلمانوں کے چرنے والے جانوروں کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟

[1] المغازي للواقدي: 360,359/1، مزید دیکھیے: السيرة لابن هشام: 527/2. [2] الإصابة: 511/2.

آپ نے فرمایا:

"لَا یَدْخُلُھَا"

''وہ اس چراگاہ میں داخل نہیں ہوں گے۔''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر کسی کمزور مرد اور عورت کے تھوڑے سے مویشی ہوں اور وہ انھیں چرانے کے لیے دوسری جگہ جانے کی سکت نہ رکھتے ہوں تو ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ کمزور اور ناتواں لوگوں سے خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"دَعْهُ یَرْعٰی"

''اسے (اپنے مویشی) چرا لینے دو۔''

اس طرح وادی نقیع میں اسلامی لشکر کے گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے چراگاہ مقرر کر دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انھوں نے بھی اس چراگاہ کو اسی شکل میں برقرار رکھا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہاں گھوڑوں کی تعداد بڑھ گئی۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی اس چراگاہ کو اسی طرح برقرار رکھا۔[1]

اونٹوں اور گھوڑوں کی ریس

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو چاق چوبند اور تازہ دم رکھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ان کے مابین وقتاً فوقتاً کھیل کود کے ایسے مقابلے کراتے رہتے تھے جن میں شجاعت و جوانمردی، ایمانی اور جہادی تربیت کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ اس قسم کے کھیلوں سے ان کے عزم، حوصلے، ولولے اور بہادری میں بڑا اضافہ ہوتا تھا۔ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے موقع پر جب آپ وادی نقیع پہنچے تو اسی روز آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے مابین اونٹوں اور گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اونٹوں کی ریس میں آپ کی اونٹنی قصواء نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس پر سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ بلاشبہ یہ ان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ریس

مسجد بلال بن رباح، رفح (غزہ)

[1] المغازي للواقدي: 361/1.

شروع ہوئی تو قصواء اتنی تیزی سے دوڑی کہ سب اونٹوں پر بازی لے گئی۔

اسی طرح گھوڑوں کی ریس میں رسول اللہ ﷺ کا ظَرِب نامی گھوڑا جیت گیا۔ اس پر سواری کی سعادت سیدنا ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ آپ ﷺ کے پاس اس وقت دو ہی گھوڑے تھے: ایک کا نام لِزاز اور دوسرے کا نام ظَرِب تھا۔[1]

عزل کی اجازت

غزوۂ بنو مصطلق میں جو قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان میں بہت سی عورتیں بھی تھیں۔ وہ سب کی سب لونڈی کی حیثیت سے مجاہدین کے حصے میں آئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب عورتوں کی خواہش ہوئی تو انھوں نے اپنی ان لونڈیوں سے عزل کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ بنو مصطلق میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہمیں عرب کے قیدی ملے جن میں ان کی عورتیں بھی تھیں۔ ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور ہمارے لیے ان کے بغیر رہنا مشکل ہوگیا۔ ہم عزل کرنا چاہتے تھے لیکن ہم نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں۔ ہم ان سے پوچھے بغیر کیسے عزل کرلیں؟ ہم نے اس بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہمیں لونڈیاں ملتی ہیں، ہم ان کے عوض قیمت وصول کرنا بھی پسند کرتے ہیں، ایسی صورت میں عزل کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ یہ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے ہماری اولاد ہوگئی تو اس صورت میں ہم انھیں فروخت نہیں کرسکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا، مَا مِنْ نَّسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ»

”تم ایسا نہ کرو تو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ قیامت کے دن تک جو جان پیدا ہونے والی ہے، وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گی۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذٰلِكَ؟ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَفْعَلُوا ذٰلِكُمْ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللّٰهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ خَارِجَةٌ»

”کیا تم ایسا کرتے ہو؟ اگر تم ایسا نہ کرو تو تب بھی کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ جس روح کا آنا اللہ نے لکھ

[1] المغازي للواقدي: 361/1، سبل الهدٰى والرشاد: 353/4.

دیا ہے، وہ (اپنے وقت پر) آ کر ہی رہے گی۔''[1]

جسے اللہ چاہے گا پیدا ہو کر رہے گا

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عزل کرنے سے منع تو نہیں فرمایا لیکن اسے پسند بھی نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے یہ نکتہ پوری طرح واضح فرما دیا کہ عزل کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جس جان کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرما دیا ہے، وہ دنیا میں آ کر رہے گی۔ تمھاری ان تدبیروں سے تقدیر پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ تقدیر کے سامنے ساری احتیاطی تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔ اس حوالے سے صحیح مسلم میں ایک دلچسپ واقعہ بھی موجود ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میری ایک لونڈی ہے۔ وہ ہماری خادمہ ہے، ہمارا پانی بھی بھر کر لاتی ہے۔ میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اسے حمل ٹھہرے۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ، فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»

''اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لو۔ (لیکن) جو اس کے مقدر میں لکھا ہے، وہ تو آ کر رہے گا۔''

دوسری روایت میں ہے:

«إِنَّ ذٰلِكَ لَم يَمْنَعْ شَيْئًا أَرَادَهُ اللّٰهُ»

''بے شک یہ (عزل) اس چیز کو ہرگز نہیں روک سکتا جس کا اللہ نے ارادہ فرما لیا ہے۔''

کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ جس لونڈی کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا، اسے حمل ٹھہر گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»

''میں نے تو تمھیں بتا دیا تھا کہ جو اس کے مقدر میں ہے، وہ آ کر رہے گا۔''

دوسری روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري: 4138 و 2229. [2] صحيح مسلم: 1439 (135,134).

اسلام میں خاندانی منصوبہ بندی کی گنجائش نہیں

یاد رہے کہ عزل کی اجازت کسی معقول ضرورت کے پیش نظر محدود پیمانے پر دی گئی ہے۔ اس اجازت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے مستقل اصول بنا کر رواج دیا جائے اور اسی طریقے پر عمل کر کے اسے نسل کشی کا ذریعہ بنالیا جائے۔ بھلا اسلام ایسی بات کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے! موجودہ دور میں عزل کے مذکورہ بالا جواز کی آڑ میں خاندانی منصوبہ بندی کا جو پروگرام اور پروپیگنڈا زور وشور سے جاری ہے، یہ نہ صرف کتاب وسنت کے خلاف ہے بلکہ یہ کفار کی ایک بھیانک سازش ہے۔ انھوں نے طرح طرح کے حربوں کے ذریعے سے اسے مسلمانوں میں عام کر دیا ہے۔ دراصل وہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی گھٹانا چاہتے ہیں۔ اکثر نام نہاد مسلمان آج ان کے اسی سازشی جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے تو اپنی امت کو یہ ترغیب دی ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ»

''ایسی عورتوں سے شادی کرو جو بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہوں، اس لیے کہ بے شک میں تمھاری کثرت سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔''[1]

[1] سنن أبي داود :2052.

سانحۂ افک

منافقین کی سازشوں کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہر آن ہر گھڑی فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں لگے رہتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے انھیں فتنے جگانے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ وہ نہ خود چین سے رہتے تھے، نہ دوسروں کو چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر منافقین اپنی پہلی سازش میں، جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، بری طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ ان کے سرغنے عبداللہ بن ابی نے انصار و مہاجرین کو لڑانے اور جاہلانہ تعصب بیدار کرنے کی جو کوشش کی تھی، وہ خود اسی کے گلے کا پھندا بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورت نازل فرما کر اس کے اور اس کے حواریوں کے مکروہ چہرے بے نقاب کر دیے۔ جو گڑھا انھوں نے مسلمانوں کے لیے کھودا تھا، وہ خود اس میں گر گئے۔ لوگوں کی نظر میں اب ان کی کوئی وُقعت نہیں رہی۔ عبداللہ بن ابی جیسے مغرور و متکبر شخص کو جو اپنی ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، مجبور ہو کر اپنی قوم کے لوگوں سے معافی مانگنی پڑی۔ اس رُسوا کن صورت حال کی وجہ سے ابنِ ابی اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس سے اپنی بے توقیری اور رسوائی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

مشرک اور منافق سازشوں سے کبھی باز نہیں آئیں گے

رئیس المنافقین ابن ابی نے اپنا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے وہ پھر موقع کی تاک میں لگ گیا۔ بالآخر اسے اپنی آتشِ غضب بجھانے اور زہر اگلنے کا موقع مل ہی گیا۔ اس نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور انتہائی گھناؤنا فتنہ برپا کر دیا۔ اس نے کاشانۂ نبوت کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کی بھیانک مہم چلائی جو اس کے نفاق اور خبثِ باطن کا نتیجہ تھی۔ اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد بہتان طرازی کی اور ان کے چاند کی چاندنی سے زیادہ درخشاں اور پھولوں سے زیادہ پاکیزہ کردار کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ ان کے خلاف کی جانے والی سازش کائنات کے بدترین جھوٹ کا پلندہ تھی، اس لیے اس واقعے کا نام ہی ''واقعۂ افک'' پڑ گیا۔

واقعۂ افک رسول اللہ ﷺ کو منافقین کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کی ایک نئی اور انتہائی صبر آزما کڑی تھی۔

اب تک یہود، مشرکین اور منافقین نے آپ ﷺ کو جتنی تکلیفیں پہنچائی تھیں، یہ اُن میں سب سے بڑھ کر روح فرسا اور ہوشربا تھی۔ دراصل منافقین آستین کے سانپ ہوتے ہیں جو اوپر سے ہمدرد اور اندر سے نہایت خطرناک دشمن ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے درمیان گھل مل کر رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ان کی نظریں ہروقت مسلمانوں کی خامیاں اور کمزوریاں تلاش کرتی رہتی ہیں، اسی لیے انھیں سازش کے زیادہ بڑے مواقع میسر آجاتے ہیں۔ ان کی شرانگیزی اور ضرررسانی دیگر دشمنوں کی نسبت کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کو اچانک اور بھیانک آزمائش کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ منافقین ایسی گھٹیا حرکت پر بھی اُتر آئیں گے۔ کسی بھی شریف انسان کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اس کی عزت ہوا کرتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تو تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔ آپ کی عزت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کے دشمن عبداللہ بن ابی نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا کر درحقیقت آپ ﷺ ہی کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ اس نے آپ کے ہنستے بستے گھرانے کا سکون برباد کرنے کی سازش کی۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں آپ کے اعتماد کو متزلزل کرنا چاہا۔ وہ اور اس کے حواری اس الزام تراشی کی آڑ میں لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور کرنا اور آپ ﷺ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد اسلامی معاشرے کی چولیں ہلانا اور مسلمانوں کے درمیان بے اعتمادی اور انتشار کی فضا پیدا کرنا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رنج و قلق

رسول اللہ ﷺ کو منافقین کی اس گھناؤنی سازش سے بے حد اذیت پہنچی۔ اس کا اثر آپ کے قلبِ اطہر پر دیگر مصیبتوں سے کہیں زیادہ پڑا۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ایک مہینے تک انتہائی بے چینی اور پریشانی

مسجد عائشہ (جدہ) کا تعمیری شاہکار
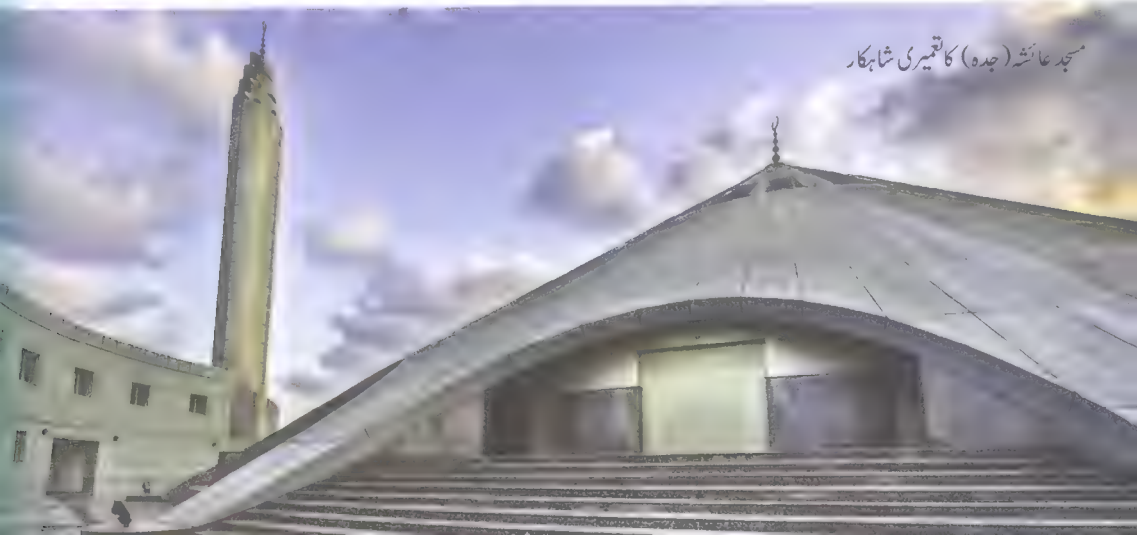
میں مبتلا رہے۔ اس دوران میں آپ ﷺ پر کوئی وحی بھی نازل نہیں ہوئی۔ دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب اپنے اوپر لگنے والی اس تہمت کا علم ہوا تو یہ خبران پر بجلی بن کر گری۔ رو رو کر ان کا برا حال ہوگیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس صدمے کی وجہ سے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی۔ یہ ان کی زندگی کے سب سے کڑے اور کٹھن دن تھے۔ وہ تو عفت و عصمت اور شرم و حیا کی پیکر تھیں۔ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ بد باطن منافق ان پر اس قدر بدترین تہمت لگائیں گے۔ انھوں نے اللہ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کیا، صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھا۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے میری براءت سے ضرور مطلع فرما دے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا بھی بے حد غمگین تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنی پاکباز بیٹی کے بارے میں کسی غلط چیز کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دیگر مسلمان بھی بہت دکھی اور پریشان تھے۔ منافقین کا پروپیگنڈہ اس قدر خوفناک تھا کہ پورا مدینہ اس طوفانِ بدتمیزی کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسلامی معاشرے کا امن خطرے میں پڑ گیا تھا۔ ہر شخص اِسی موضوع پر گفتگو کرتا نظر آتا تھا۔ منافقین نے اپنے جھوٹ میں ایسی رنگ آمیزیاں کیں کہ چند مسلمان بھی ان کے بہکاوے میں آگئے اور اس تہمت کو سچ سمجھ بیٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''واقعۂ افک'' منافقین کی تاریخ کا سب سے زیادہ مسموم اور مذموم واقعہ ہے۔ قرآن کریم قیامت تک اِس رکیک تہمت کی مذمت کرتا رہے گا۔

بہرحال یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کڑی آزمائش تھی۔ اس میں اہلِ ایمان کا امتحان تھا کہ وہ اس قسم کی افواہوں اور پروپیگنڈوں پر کان دھرتے ہیں یا اپنے مضبوط ایمان پر استقامت دکھاتے ہیں؟ بالآخر منافقین ذلیل و رسوا ہوئے اور ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا اور ان کی طہارت و پاکدامنی کے بارے میں قرآنی آیات نازل فرما دیں جن کی تلاوت رہتی دنیا تک کی جاتی رہے گی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کا بانگ دہل چرچا ہوتا رہے گا۔ اس واقعے کے تناظر میں باقاعدہ طور پر کچھ ایسے احکام وقوانین بھی نازل ہوئے جو اسلامی معاشرے کی فضا کو پُر امن بنانے کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

آیئے اب اس جھوٹ کے پُشتارے کی اصل حقیقت جان لیجیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوش نصیبی

غزوۂ بنو مصطلق کے آغاز میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ آپ جس وقت سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے مابین قرعہ اندازی کر لیتے تھے۔ ان میں سے جس زوجۂ محترمہ کے نام

کا قرعہ نکل آتا، آپ ﷺ اُنھیں سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام کا قرعہ نکلا۔ یوں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں جانے کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔

کڑے پردے میں سفر کا اہتمام

یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر مکمل طور پر پردے کے کڑے انتظام میں ہوا۔ وہ خود اپنے سفر کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب میرے لیے میرے اونٹ کو تیار کر دیا جاتا تو میں اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی تھی، پھر وہ لوگ آجاتے تھے جو ہودج کو اونٹ پر رکھنے پر مامور تھے۔ وہ ہودج کو نیچے سے پکڑ کر اٹھاتے اور اونٹ کی پشت پر رکھ کر اسے رسی سے کس دیا کرتے تھے۔ پھر وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلنا شروع کر دیتے۔ جس طرح مجھے ہودج سمیت اٹھا کر (اونٹ پر) سوار کیا جاتا تھا اُسی طرح ہودج سمیت ہی اتارا جاتا تھا۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی ہی ہوا کرتی تھیں۔ بھاری بھرکم نہیں ہوتی تھیں، ان پر زیادہ گوشت چڑھا ہوا نہیں تھا، اس لیے کہ ان کی خوراک تھوڑی سی ہوا کرتی تھی۔[1]

پیلو کا رسیلا پھل

پیلو کا درخت

واقدی کی روایت میں ہے کہ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دوڑ کا مقابلہ بھی ہوا تھا۔ جب اسلامی لشکر نے پیلو کے درختوں والی ایک نرم اور خوشگوار جگہ پر پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! هَلْ لَّكِ فِي السِّبَاقِ؟»

''عائشہ! کیا تم دوڑ لگانا چاہتی ہو؟''

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً ہاں کر دی۔ انھوں نے دوڑنے کی تیاری کرتے ہوئے اپنے کپڑے سمیٹ لیے۔ رسول اللہ ﷺ

1 صحيح البخاري: 4141، السيرة لابن هشام: 310/3.

نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد مقابلہ شروع ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ الَّتِي كُنْتِ سَبَقْتِينِي»

''یہ اس جیت کا بدلہ ہے جب تم پہلے میرے مقابلے میں جیت گئی تھی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی جیت اس طرح ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «هَلُمِّيهِ» ''یہ مجھے دے دو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے ازراہِ محبت و بے تکلفی وہ چیز آپ کو دینے کے بجائے دوڑ لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اہلِ خانہ سے بہت محبت و مرحمت اور خوش طبعی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے بھی ان کے پیچھے دوڑ لگائی لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔[1]

یاد رہے کہ دوڑ کا یہ مقابلہ لوگوں کے سامنے نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا لشکر سے الگ تھلگ تھے۔ دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعے کو بیان کرنے والی خود ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔

ہار کی گمشدگی

غزوۂ بنو مصطلق سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور رات کا کچھ حصہ وہیں بسر کیا۔ رات کے آخری حصے میں آپ نے روانگی کا اعلان فرما دیا۔[2] اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے نکلیں جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں قضائے حاجت کے لیے چل دی اور لشکر کی حدود سے باہر نکل گئی۔ میری گردن میں ایک ہار تھا۔ اس پر ظفار کے نگینے جڑے ہوئے

حمیری بادشاہوں کا دارالحکومت
ظفار (یمن)

[1] المغازي للواقدي :364/1. یاد رہے کہ سنن أبي داود :2578 وغیرہ میں بھی ایسی ہی ایک اور دوڑ کا تذکرہ موجود ہے۔ [2] المغازي للواقدي :364/1.

تھے۔ جب میں قضائے حاجت سے فارغ ہوگئی تو وہ ہار ٹوٹ کر میری گردن سے گر گیا۔ مجھے پتا بھی نہ چلا۔ میں اپنی سواری کی طرف واپس آئی تو میں نے اپنے سینے کو ٹٹولا، معلوم ہوا کہ میرا ہار کہیں گر گیا ہے۔ اس وقت لوگوں نے کوچ شروع کر دیا تھا۔ میں واپس اُسی جگہ گئی اور ہار تلاش کرنے لگی۔ ہار ڈھونڈتے ڈھونڈتے مجھے کچھ دیر ہوگئی۔ آخر کار وہ مل ہی گیا۔ [1]

یاد رہے کہ ظَفَار یمن کا ایک شہر ہے جو صنعاء کے قریب واقع ہے۔ یہی شہر حمیری بادشاہوں کا دارالحکومت تھا۔ [2]

ظَفَار کے نگینوں کا تذکرہ یہ بتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ کوئی معمولی ہار نہیں تھا بلکہ انتہائی قیمتی تھا۔ رہی یہ بات کہ وہ ہار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کہاں سے آیا تھا؟ تو اس کے متعلق واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے انھیں ان کی رخصتی کے موقع پر پہنایا تھا۔ [3] البتہ حافظ ابن کثیر اور ابن قیم رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہار اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا۔ [4]

اونٹ پر خالی ہودج رکھ دیا گیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنا ہار تلاش کرنے گئی تھیں، اس وقت لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا تھا لیکن سیدہ کو اس بات کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ پوری طرح مطمئن تھیں کہ جو لوگ میرا ہودج اٹھانے پر مامور ہیں، وہ کسی صورت مجھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ وہ تو فرماتی ہیں: میں سمجھتی تھی کہ اگر میں ایک مہینہ بھی ٹھہری رہتی تو میرے اونٹ کو اس وقت تک نہیں اٹھایا جائے گا جب تک میں اپنے ہودج میں نہ بیٹھ جاؤں۔ [5] یہی وجہ تھی کہ وہ کُوچ کے اعلان کے باوجود اپنا ہار ڈھونڈنے چلی گئی تھیں۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جانے کے بعد وہ حضرات آپہنچے جو ان کا ہودج اٹھاتے تھے۔ وہ سمجھے کہ سیدہ حسب معمول اپنے ہودج میں بیٹھ چکی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر کس دیا۔ ہودج اٹھاتے

[1] صحيح البخاري: 4141، السيرة لابن هشام: 310/3. [2] معجم البلدان: 60/4. [3] المغازي للواقدي: 364/1.
[4] الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص: 88، زاد المعاد: 259/3. [5] المغازي للواقدي: 364/1.

وقت انھیں یہ احساس ہی نہیں ہوسکا کہ سیدہ ہودج میں تشریف فرما ہی نہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جسم ہلکا پھلکا تھا۔ وہ خود کہتی ہیں: ''عورتیں اس وقت ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں، بھاری بھرکم نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے جسم پر زیادہ گوشت بھی نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کی خوراک بہت معمولی ہوا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہودج اٹھانے والوں نے ہودج اٹھایا تو اس کے وزن میں انھیں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہوا۔ ویسے بھی میں اس وقت ایک کم عمر لڑکی تھی۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چودہ سال تھی۔[2] دوسری وجہ یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے ہودج میں تشریف فرما ہوتی تھیں تو خاموش رہتی تھیں، کوئی بات نہیں کرتی تھیں۔[3] یوں ان کے ہلکے پن اور خاموش رہنے کی عادت کی وجہ سے ہودج اٹھانے والوں کو اس بات کا کوئی احساس ہی نہیں ہوسکا کہ ہودج بالکل خالی ہے اور سیدہ اس میں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور آگے روانہ ہوگئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہودج اُٹھانے والے اہل کار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و جلالت سے باخبر تھے اور سیدہ کے ساتھ انتہائی ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے کبھی اس جسارت کا تصور بھی نہیں کیا کہ وہ ہودج کا پردہ اٹھا کر صرف یہی دیکھ لیں کہ سیدہ تشریف فرما بھی ہیں یا نہیں۔ مزید برآں ہودج اُٹھانے والے حضرات پاسِ ادب کی وجہ سے آپ سے بات تک نہیں کرتے تھے۔

ہار لے کر واپس آنے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہار تلاش کر کے واپس پڑاؤ والی جگہ پر پہنچیں تو وہاں کا منظر ہی بدل چکا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ لشکر جا چکا ہے اور وہاں کوئی شخص موجود نہیں۔ نہ کوئی ہانک پکار لگانے والا ہے اور نہ کوئی جواب دینے والا۔ وہ ساری جگہ اب ایک ویرانے کی صورت پیش کر رہی تھی۔ یہ صورت حال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نہایت پریشان کن تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا اتفاق بھی پیش آئے گا جب وہ لشکر سے بچھڑ کر تنہا رہ جائیں گی۔

ہودج والی جگہ پر انتظار

ہر طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایک خاتونِ مکرم ہونے کے ناتے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تنہا کہیں جا بھی نہیں سکتی تھیں۔ اب ان کے پاس انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بے حد غمزدہ تھیں۔ انھیں یہ یقین تھا کہ جلد ہی ان لوگوں کو میری غیر موجودگی کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ مجھے اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ انھوں نے خوب

1 صحيح البخاري :4141. 2 الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص :88. 3 المغازي للواقدي :365/1.

اچھی طرح چادر اوڑھی اور اپنی ہودج والی جگہ پر بیٹھ گئیں۔ اسی دوران ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔

صفوان رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے رہے

سیدنا صفوان بن معطل سلمی ذکوانی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے رہنے کی وجہ ابن اسحاق نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی کسی ضرورت کے لیے پیچھے رہ گئے تھے اور انھوں نے لوگوں کے ساتھ رات بسر نہیں کی تھی۔[1] ایک دوسری روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ مجھے ساقہ (لشکر کے پچھلے حصے) پر مقرر فرما دیں۔ آپ نے انھیں اس کی منظوری دے دی۔ پھر ایسے ہوتا کہ جب لوگ روانہ ہوتے تو صفوان رضی اللہ عنہ نماز پڑھنی شروع کر دیتے، پھر بعد میں ان کے پیچھے پیچھے آتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز رستے میں گر جاتی تھی تو وہ اسے اٹھا کر ساتھ لے آتے اور اس تک پہنچا دیتے تھے۔[2] اس طرح وہ مجاہدینِ اسلام کی ایک عظیم خدمت انجام دے رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ بہت گہری نیند سویا کرتے تھے۔ بالعموم ان کی آنکھ اُسی وقت کھلتی تھی جب لوگ جا چکے ہوتے تھے۔[3]

صفوان رضی اللہ عنہ کی حیرت

بہرحال سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر سے پیچھے تھے۔ وہ رات کے پچھلے پہر چلے اور صبح اس جگہ آپہنچے جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ انھوں نے دور ہی سے کسی سوئے ہوئے انسان کو دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ ام المومنین کو اس لیے پہچان گئے کہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے آپ کو دیکھ رکھا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ پریشان ہوگئے۔ ان کی زبان سے فوراً مصیبت کے موقع پر پڑھے جانے والے یہ الفاظ نکلے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ الفاظ سنتے ہی بیدار ہوگئیں اور فوراً چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔[4] اس سے پتا چلتا ہے کہ ازواج مطہرات چہرے کے پردے کا کس قدر اہتمام کرتی تھیں۔ آج کل کی مسلمان خواتین کے لیے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بہترین نمونے کی حیثیت رکھتا ہے کہ انھوں نے کتنی عجلت سے ایک غیر محرم مرد سے

[1] السيرة لابن هشام : 311/3. [2] المعجم الكبير للطبراني : 125/23. [3] الروض الأنف : 24/4، فتح الباري : 586/8.
[4] صحيح البخاري : 4141.

اپنا چہرہ چُھپا لیا۔ ذرا سوچیے تو سہی! اگر چہرے کا پردہ ضروری نہ ہوتا تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا ایسا کیوں کرتیں؟ انھوں نے تو شدید پریشانی کی حالت میں بھی چہرے کے پردے کا فوراً اہتمام فرمایا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صرف اتنا پوچھا:

مَا خَلَّفَكِ، يَرْحَمُكِ اللّٰهُ؟

''اللہ آپ پر رحم فرمائے! آپ کس وجہ سے پیچھے رہ گئیں؟''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا، نہ ان سے کسی قسم کی کوئی بات کی۔[1] پھر صفوان رضی اللہ عنہ نے بھی سیدہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں پوچھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَاللّٰهِ! مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ.

''اللہ کی قسم! (اس کے بعد) انھوں نے مجھ سے قطعاً کوئی بات نہیں کی، نہ میں نے اُن کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کوئی اور لفظ سنا۔''

وہ اپنے اونٹ سے اترے اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنا اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھا دیا اور خود ایک طرف ہٹ کر اونٹ کی اگلی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھ دیا تاکہ سیدہ آسانی کے ساتھ اس پر سوار ہو جائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اٹھیں اور اونٹ پر سوار ہوگئیں۔ اب صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی نکیل والی رسی پکڑی اور اسے لے کر تیزی سے آگے چل پڑے۔[2] وہ چاہتے تھے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو جلد از جلد لشکر تک پہنچا دیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسلامی لشکر میں تشریف آوری

سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ غیر منقطع طور پر متواتر اسی طرح چلتے رہے۔ بالآخر وہ دوپہر کی سخت گرمی کے وقت اسلامی لشکر تک جا پہنچے۔ اس وقت مسلمانوں نے آرام کی غرض سے ایک جگہ پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ لوگ ابھی تک اس بات سے بے خبر تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے ساتھ نہیں آئیں۔ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ام المومنین پیچھے رہ گئی ہیں۔ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس صورتِ حال کا بالکل علم نہیں تھا کیونکہ آپ عالم الغیب تو تھے نہیں۔ اگر آپ کو ذرا بھی خبر ہوتی تو آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنہا چھوڑ کر ہرگز آگے نہ بڑھتے۔ جونہی سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لے کر نمودار ہوئے تو لوگ یہ منظر دیکھ کر حیرت کدے میں کھو گئے۔ اس وقت لوگوں کو پتا چلا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے ہی رہ گئی تھیں۔

1 السيرة لابن هشام: 311/3. 2 صحيح البخاري: 4750.

ابن ابی نے بہتان طرازی کا طوفان کھڑا کر دیا

کذابوں کے لیڈر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے جب یہ منظر دیکھا کہ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اکیلے ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر آ رہے ہیں تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دشمنی کی بھڑاس نکالنے کا نادر موقع مل گیا۔ شیطان نے اسے خوب اکسایا۔ اس نے مدینہ کی بادشاہت سے محرومی اور قدم قدم پر اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ لینے کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیکر عفت و حیا اہلیہ محترمہ اور مومنوں کی عظیم المرتبت ماں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی کی مہم چلا دی اور اپنی خباثت، گندگی اور گراوٹ کا طوفان برپا کر دیا۔ اس نے بڑی بے شرمی سے یہ گھناؤنی حرکت کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس معاملے کو اس طرح بیان کرتی ہیں: ''پھر جسے ہلاک ہونا تھا، وہ ہلاک ہوا۔ اس بہتان کا بیڑا اٹھانے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔''

اس بد بخت کو تو ایک پل کے لیے بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس قدر نیچ اور ذلیل تھا کہ سیدہ پر بہتان باندھ کر درحقیقت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ اذیت دینے پر تلا ہوا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت تھوپنے کے بعد وہ اس تہمت کے خاکے میں طرح طرح کے رنگ بھرنے لگا، اٹھتے بیٹھتے لوگوں میں یہ تہمت خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگا۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ عبداللہ بن ابی اس تہمت کا خوب چرچا کرتا تھا۔ اس کے ہاں اس کا تذکرہ ہوتا تو وہ اس کی تصدیق کرتا۔ اسے خوب غور اور توجہ سے سنتا اور اسے آگے پھیلانے کے لیے اس میں خوب کھود کرید کر کے زمین آسمان کے قلابے ملاتا تھا۔ [1]

ابن ابی کے چیلے چانٹوں نے بھی اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر اس کا ساتھ دیا۔ انھوں نے اس تسلسل سے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پورے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں کو ابھی ابنِ ابی کی برپا کردہ ایک مصیبت سے نجات ملی تھی تو اس نے دوسرا ہنگامہ کھڑا کر دیا جو پہلے کی نسبت انتہائی خطرناک تھا۔

اسلامی لشکر کی فضا ایک مرتبہ پھر فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آ گئی۔ ہر طرف لوگ اسی کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے اس میں سے کسی چیز کا بھی علم نہیں تھا (کہ منافقین نے میرے خلاف کیا طوفان کھڑا کر دیا ہے) [2]

[1] صحيح البخاري: 4141. [2] السيرة لابن هشام: 311/3.

لشکرِ اسلام واپس مدینہ میں

اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اپنا بقیہ سفر مکمل کر کے بالآخر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس پوری مہم کے دوران میں دو راتیں کم ایک مہینہ مدینہ سے باہر رہے۔[1]

پروپیگنڈے کی شدت سے چند صحابی بھی متاثر ہو گئے

عبداللہ بن ابی اور اس کے دم چھلوں نے مدینہ پہنچ کر اپنی بہتان طرازی کو لوگوں کے سامنے نمک مرچ لگا کر یوں پیش کیا جیسے یہ جھوٹا افسانہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں میں ان کی اس تہمت کا چرچا ہوتا رہا۔ منافقین نے ایک سازش کے تحت اسے خوب نشر کیا اور اس کی آڑ میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے۔ ان کا پروپیگنڈہ اتنا سخت تھا کہ بعض مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول جیسے کذاب اور منافق کی بات کو سچ سمجھ بیٹھے اور تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے۔ یہ کل تین افراد تھے: سیدنا حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم۔[2] ظاہر ہے کہ ان حضرات پر کیا موقوف، کیچڑ میں تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے یہ حضرات تو پھر انسان تھے۔ ان سے بڑی بھول ہوئی کہ یہ حضرات عبداللہ بن ابی کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیماری اور لاعلمی

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آتے ہی سخت بیمار ہو گئیں۔ پورا ایک مہینہ انھوں نے بیماری ہی کی حالت میں گزارا۔ اس عرصے میں شیطان کا جادو چلتا رہا اور لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے۔ سیدہ

[1] المغازي للواقدي :341/1. [2] صحيح البخاري :4141.

عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ لوگ میرے متعلق کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں اور منافقین نے مجھ پر کیا تہمت لگائی ہے۔ [1] البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تہمت کا علم ہو چکا تھا۔ آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کردار کی پاکیزگی سے پوری طرح واقف تھے۔ آخر وہ آپ کی سب سے محبوب زوجہ تھیں۔ آپ ان کے متعلق اس طرح کی بات کا تصور بھی نہیں فرما سکتے تھے۔ آپ کو یہ خبر بھی ہو چکی تھی کہ اس سارے معاملے کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جھوٹ کا یہ طوفان سن کر آپ کو کس قدر قلق ہوا ہوگا؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا تک بھی یہ بات پہنچ چکی تھی۔ ان کے لیے بھی یہ معاملہ انتہائی اذیت ناک تھا۔ وہ اپنی لاڈلی صاحبزادی پر معمولی سا بھی شک نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اس معاملے کے بارے میں بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ ان کا دل پوری طرح اس خبر کو جھٹلا رہا تھا۔ انھوں نے یہ لغو اور بے بنیاد بات اس قابل بھی نہیں سمجھی کہ اس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کریں کیونکہ وہ تو پہلے ہی بیمار تھیں۔ تہمت کی یہ خبر سن کر نجانے ان کا کیا حال ہوتا، وہ اسے برداشت بھی کر پاتیں یا نہیں۔ [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھٹکا

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جب بیمار ہو جاتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے غیر معمولی شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے تھے اور انھیں اطمینان اور تسلی دلاتے تھے۔ تہمت کے اس واقعے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد غمگین اور پریشان کر دیا۔ اب صورت حال بالکل تبدیل ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اس بیماری میں آپ کی وہ محبت اور شفقت نظر نہیں آ رہی تھی جو پہلے بیماری کی حالت میں ملا کرتی تھی، حالانکہ وہ تو بیماری میں آپ کی طرف سے شفقت و مرحمت کے خزانے کی بے حد مشتاق اور منتظر رہا کرتی تھیں اور زبانِ حال سے کہتی تھیں ؎

ایسی بیماریٔ بے ہوش پہ سو ہوش نثار　　آپ بیٹھے ہوئے دامن کی ہوا دیتے ہیں

اب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر محبت کو مائل نہ پایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان ہوگئیں۔ ان کے دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی ہے جس کی وجہ سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت و محبت سے محروم ہوگئی ہوں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بیماری کی حالت میں مجھے یہ شک ضرور گزرتا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف اور مہربانی نہیں دیکھ رہی تھی جو بیماری کی حالت میں پہلے دیکھا کرتی تھی۔ اب جو میں بیمار پڑ کر پابند بستر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحيح البخاري :4141. [2] السيرة لابن هشام : 311/3.

صرف اتنا کرم فرماتے تھے کہ میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور دریافت فرماتے:

«كَيْفَ تِيكُمْ؟»

''تم کیسی ہو؟''

بس اتنی بات پوچھ کر آپ واپس تشریف لے جاتے تھے، اور مزید کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس رویے سے مجھے کچھ تذبذب اور شک تو ہوتا تھا لیکن کسی بری بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ [1] ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اس دوران میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس بیٹھا کرتی تھیں۔ [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت کا پتا چل گیا

یہ بات بہت اہم ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے آپ پر لگنے والی تہمت کی خبر کس طرح ہوئی۔ آئیے! اب ہم آپ کو یہی بات بتاتے ہیں۔ ہوا یہ کہ جب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیماری سے کچھ افاقہ ہوا تو وہ قضائے حاجت کے لیے ام مسطح رضی اللہ عنہا کے ساتھ مناصع کی طرف نکلیں۔ یہ بقیع کی طرف قضائے حاجت کے لیے مخصوص معروف جگہیں تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ میں ام مسطح کے ساتھ مناصع کی طرف نکلی۔ یہ قضائے حاجت کی جگہ تھی۔ ہم صرف رات کے وقت ہی وہاں جاتی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے۔ ہم پہلے زمانے کے عرب لوگوں کی طرح رفع حاجت کے لیے ویرانے ہی میں جایا کرتے تھے۔ دراصل ہم اپنے گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانا خلافِ نظافت اور باعثِ تکلیف خیال کرتے تھے۔ خیر میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے روانہ ہوگئیں۔

وہ ابو رہم بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی والدہ صخر بن عامر کی بیٹی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ان کا بیٹا مسطح بن اثاثہ بن عَبّاد بن مطلب تھا۔ میں اور ام مسطح اپنی حاجت سے فارغ ہو کر گھر واپس آنے لگیں تو ام مسطح کا پاؤں ان کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا۔ اس وقت ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: مسطح برباد ہو۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا: آپ نے بری بات کہی ہے۔ کیا آپ ایسے شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوا تھا؟ وہ کہنے لگیں: اے بھولی لڑکی! تم نے مسطح کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہی وہ وقت تھا جب ام مسطح نے مجھے تہمت لگانے والوں کی ساری باتوں سے آگاہ کر دیا۔ [3]

صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ام مسطح رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو

[1] صحيح البخاري :4141. [2] السيرة لابن هشام : 311/3. [3] صحيح البخاري :4141.

قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اس سارے واقعے کی خبر دی تھی لیکن صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے انھیں قضائے حاجت سے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ الم انگیز خبر سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر صدمہ ہوا کہ قضائے حاجت کی ضرورت ہی ختم ہوگئی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے باہر نکلی۔ وہ رستے میں پھسل گئیں۔ اچانک ان کی زبان سے نکلا: اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے کہا: اماں جی! آپ اپنے بیٹے کو کوس رہی ہیں؟ اس پر وہ خاموش ہوگئیں، کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ دوبارہ پھسلیں تو ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلے کہ اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے پھر ان سے یہی کہا کہ آپ اپنے بیٹے کو برا بھلا کیوں کہہ رہی ہیں؟ اس کے بعد وہ تیسری مرتبہ پھر پھسل گئیں۔ انھوں نے پہلے کی طرح پھر یہی کہا کہ اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے انھیں ٹوکا تو وہ بولیں: اللہ کی قسم! میں تو آپ ہی کی وجہ سے اسے کوس رہی ہوں۔ میں نے پوچھا: آپ انھیں میری وجہ سے کیوں کوس رہی ہیں؟ اب انھوں نے مجھ سے اس (جھوٹ کے) طوفان کا سارا واقعہ بتا دیا۔ میں نے پوچھا: کیا واقعی یہ سب کچھ کہا گیا ہے؟ وہ بولیں: ہاں، اللہ کی قسم! یہ خبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بجلی بن کر گری۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے گھر واپس آگئی۔ میں جس ضرورت کے لیے نکلی تھی، اب مجھے اس کی ذرا بھی حاجت نہیں رہی۔ اس کے بعد مجھے بخار چڑھ گیا۔[1]

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! (یہ الم انگیز خبر سننے کے بعد) مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی کہ میں قضائے حاجت کے لیے آگے جاؤں۔ میں واپس آگئی۔ اللہ کی قسم! میں مسلسل روتی رہی یہاں تک کہ مجھے یوں لگا کہ روتے رہنے کی وجہ سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔[2] ان روایات سے یہ بالکل واضح ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو شروع ہی میں پتہ چل گیا تھا اور وہ رفع حاجت کیے بغیر ہی واپس آگئی تھیں۔ رہی صحیح بخاری کی درج بالا روایت (4141) جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یہ سانحہ واپسی میں بتایا گیا تھا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جمع و تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ اُس میں جو یہ الفاظ ہیں: وَقَدْ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا. ان سے مراد وہاں قضائے حاجت کی جگہ پر پہنچنے سے فراغت ہے، قضائے حاجت سے فارغ ہونا مراد نہیں ہے۔[3] واللہ اعلم بالصواب

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ واقعہ سن کر جو صدمہ پہنچا، وہ ایک فطری بات تھی۔ یقیناً جب ایک پاک باز اور پاک دامن عورت پر تہمت لگے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ تہمت نا قابلِ برداشت تھی۔ وہ اپنے متعلق اس قدر جھوٹی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں تھیں اور عفت و عصمت

[1] صحيح البخاري: 4745. [2] السيرة لابن هشام: 312/3. [3] فتح الباري: 591/8.

کا پیکرِ جلیل تھیں۔

والدین کے گھر جانے کی اجازت

اب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا جان گئی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول مبارک میں تبدیلی کی اصل وجہ کیا ہے اور آپ بے چین اور پریشان کیوں ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے گھر واپس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے سلام کرنے کے بعد میرا حال دریافت فرمایا: «کَیْفَ تِیکُمْ؟» ''تم کیسی ہو؟'' میں چاہتی تھی کہ اپنے والدین سے اس خبر کی تصدیق کروں۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے ہاں چلی جاؤں؟ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ [1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مجھے میرے والدین کے گھر بھجوا دیں۔ آپ نے ان کے ساتھ ایک بچے کو بھیج دیا۔ [2]

اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کا کتنا خیال رکھتے تھے، آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اکیلے بھیجنے کے بجائے ان کے ساتھ ایک بچے کو روانہ کر دیا۔ اسی طرح ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرزِ عمل یہ تھا کہ انھیں اپنے والدین کے گھر بھی جانا ہوتا تھا تو وہ آپ سے اجازت لے کر ہی جایا کرتی تھیں۔

یاد رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا والدین کے گھر جانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے لیے وہاں اپنے بیماری کے دن گزارنے آسان تھے۔ اسی طرح ان کی والدہ کے لیے بھی اسی میں آسانی تھی کہ ان کی صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک سے والدین کے گھر چلی آئیں تا کہ ان کی بخوبی دیکھ بھال ہو سکے۔ اسی وجہ سے ابن اسحاق کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی تو یہ عرض کی: اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی والدہ کی طرف چلی جاؤں تا کہ وہ میری اچھی طرح تیمار داری کریں؟ آپ نے فرمایا: ''تم جا سکتی ہو۔'' ابن اسحاق نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ کے گھر گئیں، اس وقت انھیں تہمت کا علم نہیں تھا اور ام مسطح والا واقعہ بھی والدین کے گھر جانے کے بعد ہی پیش آیا تھا لیکن زیادہ صحیح بات وہی ہے جو صحیح بخاری کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہو کر نہیں گئی تھیں بلکہ وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ پوری طرح اپنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملی جلی رضامندی سے گئی تھیں۔

---

[1] صحيح البخاري :4141. [2] صحيح البخاري :4757.

والدہ کی طرف سے تسلی

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شدید رنج وغم کے عالم میں اپنے والدین کے گھر تشریف لائیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا گھر کے نچلے حصے میں ہیں اور والد گرامی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالا خانے میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کی والدہ نے انھیں اچانک آتے دیکھا تو پریشان ہوگئیں۔ انھوں نے فوراً عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: میری بیٹی! اس وقت کیسے آنا ہوا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آمد کی وجہ بتائی اور سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ ان کی والدہ نے ساری باتیں نہایت سکون وتحمل سے سنیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان باتوں کا جتنا غم مجھے ہے، اتنا انھیں نہیں ہے۔ ان کی والدہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: پیاری بیٹی! ایسی باتوں پر توجہ نہ دو۔ اللہ کی قسم! کم ہی ایسا ہوا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی ایسے شوہر کے ساتھ ہو جو اس سے محبت رکھتا ہو، اس عورت کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس سے حسد نہ کریں اور اس میں سو عیب نہ نکالیں۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی یہ باتیں سنیں تو انھیں پھر یہی احساس ہوا کہ میری والدہ تہمت والے واقعے سے اتنی متاثر نہیں تھیں جتنی میں پریشان تھی۔ دراصل ایسے نازک موقع پر ایک مثالی ماں کا یہی کردار ہوتا ہے کہ وہ اپنے غم کا اظہار کر کے اپنی بیٹی کے رنج میں اضافے کا باعث نہیں بنتی۔ وہ تو اپنے غم کو چھپاتی ہے اور بیٹی کو تسلی اور اطمینان دلاتی ہے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا بھی اپنی بیٹی کو تسلی دے رہی تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ میری بیٹی اس تہمت کی وجہ سے کتنی مغموم ہے، اس کا سکون واطمینان برباد ہو چکا ہے۔ پہلے ہی اتنا عرصہ بیماری میں گزرا، اب ذرا طبیعت کچھ سنبھلی ہے تو اس واقعے نے اسے اور زیادہ بیمار کر ڈالا ہے۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ اپنی بیٹی کو پریشان اور غمگین دیکھنا اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ محترمہ سے پوچھا: کیا والد گرامی کے علم میں بھی یہ ساری باتیں آگئی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پتا چل گیا ہے؟ انھوں نے بتایا: ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عِلم ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کے بالائی حصے میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے انھوں نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی آہ وبکا سنی تو نیچے آگئے اور سیدہ کی والدہ سے پوچھا: اسے کیا ہو گیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ وہ تمام باتیں اسے بھی معلوم ہوگئی ہیں جو اس کے متعلق کہی جا رہی ہیں۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔[1] ان سے اپنی پیاری بیٹی کا دکھ دیکھا نہیں

[1] صحيح البخاري: 4757.

جاتا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ سے کہا: اللہ آپ کو معاف فرمائے! لوگوں نے اس قسم کی باتیں کیں اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب کرتے ہوئے کہا: سبحان اللہ! کیا واقعی لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں؟ دراصل انھیں یقین نہیں آرہا تھا کہ لوگ میرے بارے میں بھی ایسی جھوٹی باتیں کر سکتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ساری رات روتی رہی۔ میرے آنسو رکتے تھے، نہ مجھے نیند آتی تھی۔ پھر صبح ہوگئی اور میں روتی ہی رہی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر غشی طاری ہوگئی

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام مسطح رضی اللہ عنہا کی زبانی اپنے متعلق جو باتیں سنی تھیں، اب وہ اپنی والدہ کے گھر جا کر ان سے اچھی طرح ان باتوں کی تصدیق کر چکی تھیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ انھیں وہاں ایک انصاری عورت کے ذریعے بھی ان باتوں کا پتہ چلا تو وہ مارے غم کے بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ یہ واقعہ خود ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی زبانی نقل کیا گیا ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک انصاری خاتون آئیں۔ وہ کہنے لگیں کہ اللہ فلاں فلاں کو تباہ کرے۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: میرا بیٹا بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگیا ہے جنھوں نے اس طرح کی رکیک باتیں کی ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے پوچھا: وہ کیا باتیں ہیں؟ اس پر انھوں نے تہمت لگانے والوں کی بہتان طرازیاں بیان کر دیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اس انصاری خاتون سے پوچھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں؟ تو انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سب کچھ بتا دیا۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنی ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سنتے ہی عائشہ رضی اللہ عنہا غش کھا کر گر پڑیں۔ جب انھیں ہوش آیا تو انھیں سردی لگ رہی تھی اور بخار چڑھا ہوا تھا۔ ام رومان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان پر کپڑا ڈال کر انھیں ڈھانپ دیا۔ اس دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے انھیں اس طرح دیکھا تو فوراً دریافت فرمایا:

«مَا شَأْنُ هٰذِهِ؟»

''انھیں کیا ہوگیا ہے؟''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! انھیں سردی لگ رہی ہے اور بخار چڑھ گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 312/3. [2] صحيح البخاري: 4141.

«فَلَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ؟»

”شاید ان باتوں کی وجہ سے جو بیان کی گئی ہیں؟“

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ شاید عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ باتیں سن لی ہیں جو ان کے متعلق کہی گئی ہیں۔ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: جی ہاں (ایسا ہی ہوا ہے)۔[1]

وحی کی بندش

رسول اللہ ﷺ منافقین کے برپا کردہ اس فتنے کی وجہ سے بے حد پریشان اور غمزدہ تھے۔ آپ نے اب تک خاموشی اختیار فرما رکھی تھی۔ آپ شدت سے وحی نازل ہونے کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ کو ذاتی حد تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا پورا یقین تھا مگر آپ اس انتظار میں تھے کہ وحی کے ذریعے حقیقتِ حال صاف عیاں ہو جائے۔ وحی تو صرف اللہ کے حکم سے نازل ہوا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا، آپ پر وحی نازل فرما دیتا تھا۔ آپ کی ذاتی مرضی اور خواہش کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اللہ کی قدرت کہ اتنی دیر ہوگئی مگر اب تک اس سلسلے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سے ایک طرف تو آپ کی پریشانی بڑھ گئی تھی اور دوسری طرف بد بخت منافقین کو باتیں بنانے اور شر پھیلانے کا خوب موقع مل رہا تھا۔

سیدنا علی اور اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ

جب وحی نازل ہونے میں خاصی تاخیر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس نازک اور پیچیدہ معاملے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرنا چاہا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان

[1] صحیح البخاري :4143 و 3388.

مسجد علی، دمام (سعودی عرب)

کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا تاکہ آپ ان سے کچھ پوچھیں اور اپنی بیوی کی جدائی کے بارے میں مشورہ کریں۔[1]

یہ بات یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ عمومی معاملات میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔ یہاں چونکہ آپ کا گھریلو معاملہ تھا، اس لیے آپ نے سیدنا علی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کا انتخاب فرمایا۔ یہ دونوں حضرات آپ کے گھریلو افراد ہی شمار ہوتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ویسے تو آپ کے چچا زاد تھے لیکن آپ کی نظر میں وہ آپ کے بچوں ہی کی طرح تھے۔ آپ ہی نے بچپن سے ان کی پرورش کی تھی۔ بعد ازاں آپ نے اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی کر دی۔ اس طرح انھیں آپ کے داماد بننے کا شرف حاصل ہوا اور آپ کے ساتھ ان کا رشتہ و تعلق اور زیادہ مضبوط ہوگیا۔ آپ نے خاص طور پر انھیں مشاورت کے لیے اسی وجہ سے طلب فرمایا کہ وہ دوسروں کی نسبت آپ کے گھریلو حالات و معاملات سے زیادہ آگاہی رکھتے تھے۔

مسجد زید بن حارثہ
کوالالمپور (ملائیشیا)

اسی طرح سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے تھے۔ انھیں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح ایک طویل عرصہ آپ کی رفاقت میں گزارنے کی سعادت ملی تھی۔ انھیں آپ کی خاص محبت و شفقت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے لوگ انھیں حِبُّ رَسُولِ اللہ ﷺ کہا کرتے تھے۔ کسی کو بارگاہِ رسالت میں کوئی سفارش کرانی ہوتی تو وہ اسامہ رضی اللہ عنہ ہی کی خدمات حاصل کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد کو چھوڑ کر صرف انھیں مشاورت کے لیے مخصوص فرمایا تھا کیونکہ وہ

[1] صحيح البخاري :4141.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح نوجوان تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ علی رضی اللہ عنہ عمر میں ان سے بڑے تھے۔ ایسا اس لیے ہوا تھا کہ نوجوان کا ذہن معمر لوگوں کی نسبت زیادہ صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں جو جواب آتا ہے، وہ اسے بوڑھے شخص کی نسبت زیادہ جرات کے ساتھ بے دھڑک کہہ بیٹھتا ہے۔ بڑی عمر کے لوگ زیادہ تر انجام کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ کبھی کبھی کہنے والے کی یا جس کے متعلق کچھ پوچھا گیا ہو، اس کی رعایت کرتے ہوئے نمایاں ہونے والی بعض باتوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔[1]

اسامہ رضی اللہ عنہ کی رائے

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی آگہی کے مطابق مشورہ دیا جو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اور آپ کی ان سے محبت کے بارے میں رکھتے تھے۔ انھوں نے عرض کی:

أَهْلُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا.

”اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کی گھر والی ہیں۔ ہم ان کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔“[2]

ابن اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر لگنے والی تہمت کی پُرزور الفاظ میں تردید کیا اور عرض کیا:

وَهٰذَا الْكَذِبُ وَالْبَاطِلُ.

”(عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے) یہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد بات ہے۔“[3]

علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انھوں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَمْ يُضَيِّقِ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ النِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ، وَ إِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ.

”اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ عورتیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں۔ اگر آپ لونڈی (بریرہ) سے پوچھیں گے تو وہ آپ کو سچ سچ بتائے گی۔“[4]

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ بعض شر پسند لوگ علی رضی اللہ عنہ کے درج بالا جواب سے ان کے اور ام المؤمنین

---

1 دیکھیے: فتح الباري: 595/8. 2 صحيح البخاري: 4141. 3 السيرة لابن هشام: 313/3. 4 صحيح البخاري: 4750.

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان دوری ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور اس بنیاد پر طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتے ہیں، جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت اور ان کے کردار کی پاکیزگی کے معترف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کی تائید ہوتی ہو یا ان کی پاکبازی پر کوئی حرف آتا ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو مذکورہ بالا مشورہ دیا، وہ اس وجہ سے تھا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی بے چینی اور پریشانی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کسی طرح آپ کو اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل ہو جائے اور آپ راحت اور سکون سے رہیں۔ انھوں نے مصلحت کے پیشِ نظر آپ ﷺ کی تسلی اور دل جوئی کی غرض سے یہ مشورہ دیا تھا۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں بریرہ کا تذکرہ بھی کیا تاکہ آپ اس معاملے کی مزید تحقیق کریں۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی رنجش کی بات ہوتی تو وہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ گچھ کرنے کا مشورہ نہ دیتے۔ انھوں نے بریرہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہی اس لیے کیا تھا کہ انھیں یقین تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جانتی ہے۔ واقعی بریرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور پاکبازی کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی۔[1]

بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھ گچھ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بریرہ کو طلب فرمایا۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں۔ اگرچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں فتح مکہ کے بعد خریدا تھا لیکن اس سے پہلے بھی یہ اجرت پر ان کی خدمت کرتی تھیں۔[2] جب بریرہ رضی اللہ عنہا آئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف بڑھے اور انھیں سختی سے ڈانٹتے ہوئے بولے: اُصْدُقِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. ''رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ سچ کہہ دینا۔''[3] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بریرہ سے دریافت فرمایا:

«أَتَشْهَدِينَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا تم گواہی دیتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

بریرہ بولیں: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي سَائِلُكِ عَنْ شَيْءٍ فَلَا تَكْتُمِينِي»

[1] مزید دیکھیے: فتح الباري :595/8. [2] فتح الباري :596/8، الإصابة :50/8. [3] صحيح البخاري :4757، السيرة لابن هشام :313/3.

”تو پھر میں تم سے ایک چیز کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں، تم مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔“

بریرہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو یقین دہانی کراتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول! آپ مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی پوچھیں گے، میں ضرور بتاؤں گی۔ ان شاء اللہ میں آپ سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«فَقَدْ كُنْتِ عِنْدَ عَائِشَةَ، فَهَلْ رَأَيْتِ مِنْهَا شَيْئًا تَكْرَهِينَهُ؟»

”تم عائشہ کے پاس رہا کرتی تھیں، کیا تم نے ان کی طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جسے تم ناپسند کرتی ہو؟“[1]

صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«أَيْ بَرِيرَةُ! هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يُرِيبُكِ؟»

”بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس نے تمھیں (عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں) شک میں ڈال دیا ہو؟“

یہ سن کر بریرہ رضی اللہ عنہا نے صاف لفظوں میں یہ جواب دیا:

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! مَا رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا قَطُّ أَغْمِصُهُ غَيْرَ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ.

”اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے ان میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی بنا پر میں اُن پر کوئی عیب لگا سکوں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ ایک نوعمر لڑکی ہیں۔ اپنے گھر والوں کے لیے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں۔ اتنے میں گھر کی مرغی آتی ہے اور آٹا کھا جاتی ہے۔“[2]

بریرہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکبازی بڑے احسن انداز میں اُجاگر کر دی۔ انھیں عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں ایک معمولی سی خامی کے سوا کوئی عیب یا شک والی چیز نظر نہیں آئی۔ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب صحابہ نے کھل کر صاف لفظوں میں ان سے اس واقعے کی تصدیق چاہی تو وہ بڑی حیرت کے عالم میں بولیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلٰى تِبْرِ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ.

”سبحان اللہ، اللہ کی قسم! میں تو عائشہ کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے۔“[3]

واقدی نے تو بریرہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ”عائشہ تو خالص سونے سے بھی زیادہ کھری اور پاکدامن خاتون ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ اللہ کے رسول! واللہ! اگر اس کے سوا ان

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 201/7. [2] صحيح البخاري: 4141. [3] صحيح البخاري: 4757.

میں کوئی اور بات بھی ہوئی تو اللہ آپ کو اس سے ضرور آگاہ فرما دے گا۔''[1]

بلاشبہ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی اور پاکدامنی کی بڑی پکی اور ناقابلِ تردید گواہی ہے جو ان کی خادمہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے دی ہے جو سیدہ کی خدمت گار کی حیثیت سے انھیں بہت قریب سے جانتی تھیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمتِ کردار پر سوکن کی گواہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوران میں اپنی زوجۂ محترمہ ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دریافت کیا۔ دراصل ازواج مطہرات میں سے زینب رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں زیادہ عزت کا درجہ حاصل کرنے کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے ان کے متعلق یہ ڈر رہتا تھا مبادا وہ مجھ پر غیرت کھاتے ہوئے اپنا نقصان کر بیٹھیں۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

«یَا زَیْنَبُ! مَاذَا عَلِمْتِ أَوْ رَأَیْتِ؟»

''زینب! تم (عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق) کیا جانتی ہو یا تم نے (ان میں) کیا بات دیکھی ہے؟''

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''اللہ کے رسول! میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے متعلق بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔''

یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شفاف اور بے داغ سیرت پر ایک سوکن کی ایسی مؤثر اور محکم گواہی ہے جو قیامت تک چمکتی رہے گی۔ سوکنوں کا یہ رویہ اور روایت سب جانتے ہیں کہ وہ شوہر کی نظر میں اپنا درجہ بڑھانے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے گھٹیا سے گھٹیا تر حربہ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام معظم و مکرم بیویاں انتہائی جلیل القدر ہستیاں تھیں لیکن ان کی تمام تر عظمت و جلالت کے باوجود ان کے تعلقات میں کبھی کبھار سوکناپے کی جھلک صاف نظر آجاتی تھی۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کتنی عظیم خاتون تھیں کہ سیدہ عائشہ کے آشوب و آزمائش میں سوکن ہونے کے باوجود انھوں نے وہی کچھ کہا جو سچائی کا مطالبہ تھا۔ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلند پایہ کردار صرف ایک لفظ میں بیان کر دیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی افسوس ناک لغزش

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سچی گواہی دے دی۔ لیکن ان کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا لغزش کا شکار

[1] المغازي للواقدي :366/1. [2] المغازي للواقدي :366/1.

ہوگئیں۔ وہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف داری کرتے ہوئے اس قدر جوش میں آگئیں کہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہوگئیں۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ زینب ہی تھیں جو نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انھیں بچالیا، البتہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش ان کے لیے لڑیں تو وہ بھی تہمت لگانے والوں کے ساتھ ہلاک ہوئیں۔ [1]

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی گواہی

ام ایمن رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں۔ وہ آپ کی خدمت کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ انھی کے بطن سے تھے۔ واقعۂ افک کے نازک موقع پر آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دریافت فرمایا۔ وہ عرض کرنے لگیں: ”میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو بچا کر رکھتی ہوں۔ میں نے عائشہ کے متعلق ہمیشہ بہتر گمان رکھا ہے اور اچھی بات ہی جانی ہے۔“ [2]

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کا تبصرہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضرات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والی تہمت کو سفید جھوٹ قرار دیتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے بالکل بری سمجھتے تھے، ان میں ایک نمایاں ترین نام سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انھوں نے جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بات سنی تو اسے یکسر مسترد کردیا۔ اس سلسلے میں ابن اسحاق کی روایت میں ان کی اپنی بیوی کے ساتھ ہونے والی بات چیت بیان ہوئی ہے۔ ان کی بیوی ام ایوب نے ان سے کہا: ابو ایوب! کیا تم نے نہیں سنا کہ لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بولے: کیوں نہیں (سب کچھ سنا ہے اور) وہ سراسر جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! کیا تم ایسی حرکت کرسکتی ہو؟ وہ فوراً بولیں: نہیں، اللہ کی قسم! میں تو ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! عائشہ رضی اللہ عنہا تو تم سے بہت اونچے درجے کی خاتون ہیں۔ (وہ تو بالاولیٰ ایسے کام کا تصور بھی نہیں کرسکتیں)۔ [3]

صحیح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر ایک انصاری آدمی نے یہ کہا:

---

[1] صحيح البخاري :4141 و4750. [2] المغازي للواقدي :366/1. [3] السيرة لابن هشام :315/3.

سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ.

"(یا اللہ!) تو پاک ہے۔ ہمارے لائق نہیں ہے کہ ہم یہ بات زبان پر لائیں۔ تو پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔"[1]

طبرانی کبیر کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ الفاظ کہنے والے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔[2] اللہ تعالیٰ نے بعد میں ان کے کردار کو سراہا اور ان کے درج بالا الفاظ کو قرآن کریم میں نازل فرما دیا۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا کردار

مسجد ابی بن کعب، بن غازی (لیبیا)

بعض روایات میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بیان ہوا ہے کہ ان کی زوجہ ام طفیل رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: "کیا آپ نے وہ باتیں سنی ہیں جو لوگ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کر رہے ہیں؟" انھوں نے پوچھا: "کون سی باتیں؟" وہ بولیں: "وہ باتیں جو لوگ کہہ رہے ہیں۔" انھوں نے کہا: "اللہ کی قسم! وہ تو بالکل جھوٹ ہے۔ کیا تم ایسا کر سکتی ہو؟" وہ فوراً کہنے لگیں: "میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں (کہ میں ایسا برا کام کروں)۔" ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بولے: "اللہ کی قسم! عائشہ تو تم سے کہیں بہتر ہیں۔" وہ بولیں: "میں بھی اس کی گواہی دیتی ہوں۔"[3]

صفوان رضی اللہ عنہ کی پاکدامنی

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ منافقین نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو انھی کے ساتھ متہم کیا۔ انھیں جب اپنے متعلق اس تہمت کا علم ہوا تو وہ ششدر رہ گئے۔ انھوں نے اپنی پاکدامنی کے متعلق صرف اتنے الفاظ کہے:

سُبحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! مَاكَشَفْتُ كَنَفَ أُنْثٰى قَطُّ.

1 صحيح البخاري :7370. 2 المعجم الكبير للطبراني :76/23. 3 فتح الباري :597/8، المغازي للواقدي :370/1.

''سبحان اللہ، اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت کا لباس نہیں کھولا۔''[1]

سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ اپنی ماں سے بھی بڑھ کر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ادب و احترام کرتے تھے۔ منافقین نے ان پر جو تہمت لگائی تھی، اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال اس صورتحال نے صفوان رضی اللہ عنہ کو بھی انتہائی بے قرار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غمناک حالت میں خطاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے انتہائی قریبی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات سے باخبر عزیزوں سے مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کر لی تو پھر آپ اس روز مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ارد گرد جمع ہو چکے تھے۔ آپ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں لوگوں سے خطاب فرمایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے واقعۂ افک کے بارے میں برملا گفتگو کی ورنہ اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں خاموشی اختیار فرما رکھی تھی۔ لوگ بھی شدت سے منتظر تھے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ پر لگنے والی تہمت کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اس خطاب میں آپ نے ایک طرف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کی پاکیزگی اجاگر فرمائی دوسری طرف سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں شہادتین پڑھنے کے بعد اللہ کی شایانِ شان حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ، وَ أَبَنُوهُمْ بِمَنْ وَّاللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ، وَلَا يَدْخُلُ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَ أَنَا حَاضِرٌ، وَلَا غِبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِي»

''اما بعد! تم مجھے اُن لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ انھوں نے تہمت بھی ایک ایسے شخص کی طرف منسوب کی ہے کہ واللہ! میں نے اس میں بھی (کبھی) کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ میرے گھر جب بھی آیا، میری موجودگی ہی میں آیا۔ میں کسی سفر کی وجہ سے مدینہ میں نہیں ہوتا تھا تو وہ بھی مدینے سے باہر میرے ساتھ ہوتا تھا۔''[2]

آپ نے اس موقع پر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا معاملہ لوگوں کے سامنے رکھا اور اس کے خلاف لوگوں سے تعاون طلب کرتے ہوئے فرمایا:

[1] صحيح البخاري :4757. [2] صحيح البخاري :4757.

«يَا مَعشَرَ الْمُسْلمين! منْ يَعْذرُني مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغني أذَاهُ في أهْلِ بَيْتي؟»

''اے مسلمانوں کی جماعت! اس شخص کے بارے میں کون میری مدد کرے گا جس کی اذیت رسانی کا سلسلہ اب میرے اہل خانہ تک پہنچ گیا ہے؟''[1]

ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«أيُّهَا النّاسُ! ما بَالُ رجَالٍ يُؤْذُونني في أهْلِي، وَيَقُولُونَ عَلَيهِمْ غيرَ الْحَقّ، واللّٰهِ مَا عَلمْتُ مِنْهُمْ إلَّا خَيْرًا»

''لوگو! بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ مجھے میرے گھر والوں کے بارے میں ایذا پہنچا رہے ہیں اور ان کے متعلق ناحق باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے تو اپنے گھر والوں میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''[2]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اعلان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جامع اور مؤثر گفتگو سن کر قبیلہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! میں اس کے خلاف آپ کی مدد کروں گا۔ آپ اجازت دیں۔ اگر وہ اوس قبیلے کا ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے۔ اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔''

اوس وخزرج لڑائی کے دہانے پر

قبیلہ خزرج کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ انتہائی نیک آدمی تھے لیکن اس روز جب انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنی تو ان کی قبائلی حمیت جاگ اٹھی۔ انھیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اوسی لوگ ہمارے کسی خزرجی آدمی کو قتل کریں۔

انھوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا: تم نے غلط بات کی ہے۔ اللہ کی قسم! تم نہ تو اسے قتل کر سکتے ہو نہ تم میں اسے قتل کرنے کی طاقت ہے۔ اگر وہ آدمی تمھارے قبیلے کا ہوتا تو تم کبھی یہ پسند نہ کرتے کہ اسے قتل کیا جائے۔

ان کی یہ بات سن کر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے رہا نہیں گیا۔ وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ

[1] صحيح البخاري: 4750 [2] السيرة لابن هشام: 312/3.

کھڑے ہو گئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم غلط کہہ رہے ہو۔ ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ تم منافقوں کا کردار ادا کر رہے ہو اور منافقین کی طرف سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ بات انھوں نے اس لیے کہی تھی کہ عبداللہ بن ابی کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس کا دفاع کر رہے ہیں۔

بس پھر کیا تھا، انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگوں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور وہ مشتعل ہو کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ خطرے کے بادل منڈلانے لگے۔ قریب تھا کہ اوس وخزرج کے درمیان مسجد ہی میں کوئی فساد برپا ہو جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو خاموش کرانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر ہی پر تشریف فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس وخزرج کے لوگوں کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے دیکھا آپ نے فوراً انھیں خاموش کرانا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل خاموش رہنے کا حکم دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ بھی خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔[1]

آپ کی بروقت مداخلت سے اوس وخزرج کے درمیان لڑائی کا خطرہ ٹل گیا۔ اور یہ مجلس یہیں برخاست ہوگئی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کی جھڑی

دوسری طرف ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے غم میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ انھیں نیند بھی نہیں آ رہی تھی کہ سو کر ہی ان کا کچھ غم ہلکا ہو جاتا۔ ان کے والدین بھی ان کی اس کیفیت کی وجہ سے نہایت پریشان تھے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرا پورا دن روتے ہوئے گزرا۔ آنسو تھمتے تھے، نہ نیند آتی تھی۔ صبح ہوئی، میرے والدین میرے پاس آئے۔ میں نے دو راتیں اور ایک دن روتے روتے بسر کر دیا۔ اس دوران نہ میرے آنسو رکے، نہ میری آنکھ لگی۔ یوں لگا جیسے روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے والدین بھی مبتلائے غم تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی اسی دوران ایک انصاری عورت نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اجازت دے دی تو اس نے بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونا شروع کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور گفتگو

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم ابھی اسی طرح پریشان بیٹھے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس

---

[1] صحيح البخاري :4141 و4750 و4757، السيرة لابن هشام :313/3.

تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ عصر کی نماز پڑھا کر آئے تھے۔ میرے والدین نے مجھے دائیں بائیں سے سہارا دے رکھا تھا۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی، آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کا پورا ایک مہینہ اس طرح بیت گیا کہ میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ آپ نے بیٹھنے کے بعد خطبہ پڑھا، اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللّٰهِ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»

''اما بعد! عائشہ! مجھے تمھارے بارے میں اس اس نوعیت کی خبریں ملی ہیں۔ اگر تم واقعی اس معاملے میں پاک ہو تو اللہ تعالیٰ خود ہی تمھاری بے گناہی بیان فرما دے گا۔ اور اگر تم سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، اس لیے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے والدین کی موجودگی میں واضح طور پر دونوں صورتیں پیش کر دی تھیں۔ آپ ﷺ کی اس گفتگو سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو پھر آپ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی باتیں ہی نہ کرتے۔ آپ کو تو صرف غیب کی اُسی چیز کے بارے میں علم ہوتا تھا جو وحی کے ذریعے سے آپ کو بتا دی جاتی تھی۔ اب تک اس تہمت کے معاملے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صاف فرما دیا کہ اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اعتراف کر کے بارگاہِ الٰہی میں توبہ و استغفار کرو۔ آپ کی اس بات کا یہ مقصد بھی ہرگز نہیں تھا کہ (معاذ اللہ) آپ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی و پاکدامنی پر کوئی شک تھا۔ آپ کو پورا یقین تھا کہ وہ بالکل بری ہیں اور ان سے ایسا کوئی کام سرزد نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ معاملہ آپ کے گھرانے کا تھا، اس لیے آپ چاہتے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بھی یہ سن لیں کہ وہ بری ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ وحی نازل فرما کر ان کی براءت کا اعلان کر دے۔

آنسو تھم گئے

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو بڑے غور سے سنی۔ انھیں یہ اندیشہ بھی لاحق ہو گیا کہ

[1] صحيح البخاري: 4750 و 4757.

رسول اللہ ﷺ نے انصاری عورت کی موجودگی میں یہ گفتگو کی ہے اور اس کی موجودگی کا بھی کوئی لحاظ نہیں فرمایا، ایسا نہ ہو کہ وہ باہر جا کر اپنی سمجھ کے مطابق کوئی ایسی ویسی بات کر دے اور پھر کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ [1]

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حالت بدل گئی۔ وہ آنسو جو مسلسل بہہ رہے تھے، اب ایک دم تھم گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات مکمل فرما چکے تو یکبارگی میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ مجھے ان کا ایک قطرہ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

والدین کی خاموشی

اب سب سے اہم بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا جواب پیش کیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو یہی انتظار تھا کہ میرے والدین میری ترجمانی کریں گے اور آپ کی خدمت میں کچھ عرض کریں گے۔ انھوں نے دیکھا کہ میرے والدین تو بالکل خاموش ہیں۔ انھوں نے خود اپنے والد محترم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کے متعلق آپ ہی میری طرف سے کوئی جواب دیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قدر پریشان تھے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا جواب دوں۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد کو معذوری ظاہر کرتے دیکھا تو اپنی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے کہا: آپ ہی رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا کوئی جواب دے دیں۔ ان کی والدہ نے بھی یہی کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں کیا عرض کروں۔

نبی ﷺ کی خدمت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والدین کی خاموشی دیکھی تو انھیں خود ہی ہمت کرنی پڑی کیونکہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب بہر حال دینا ہی تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ کسی کے گھر والوں پر اتنی بڑی مصیبت آئی ہو جتنی ان دنوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے پر آئی تھی۔ جب میرے والدین نے خاموشی اختیار کی تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میرے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔ [2] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں اپنی گفتگو کا آغاز کس طرح کیا؟ اس کے متعلق وہ خود بیان کرتی ہیں کہ میں ایک نوعمر لڑکی تھی۔ میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ جب میرے والدین نے آپ ﷺ کو کوئی جواب نہیں دیا تو میں خود بول اٹھی۔ میں نے خطبہ پڑھا، اللہ کے شایانِ شان اس کی حمد و ثنا بیان کی، پھر عرض گزار ہوئی:

[1] صحيح البخاري: 4757. [2] السيرة لابن هشام: 314/3.

إِنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ حَتَّى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ، فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ: إِنِّي بَرِيئَةٌ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ، لَا تُصَدِّقُونَنِي بِذٰلِكَ، وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ، لَتُصَدِّقُنِّي، وَاللّٰهِ! مَا أَجِدُ لَكُمْ مَثَلًا إِلَّا قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُونَ﴾

''اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں نے اس افواہ پر کان دھرے، یہاں تک کہ یہ تہمت آپ کے دل و دماغ میں بیٹھ گئی اور آپ لوگوں نے اسے سچا سمجھ لیا۔ اب اگر میں آپ لوگوں سے یہ کہوں کہ میں اس تہمت سے بری ہوں، جبکہ اللہ جانتا ہے کہ میں واقعی اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں آپ سب کے سامنے (خواہ مخواہ) اس بات کا اعتراف کرلوں، حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور آپ لوگوں کی وہی مثال سمجھتی ہوں جیسے یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا۔ اب صبر بہتر ہے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کے متعلق اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ گفتگو اس قدر شدید ذہنی صدمے کی حالت میں کی کہ انھیں سیدنا یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام کا نام ہی بھول گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ذہن پر بہت زور دیا کہ یعقوب علیہ السلام کا نام یاد آجائے لیکن یاد نہ آیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی ہمت کر کے اپنے آپ پر لگنے والی تہمت کے بارے میں یہ چند باتیں کی تھیں۔ انھوں نے اپنی پاکدامنی اور بے گناہی کا اظہار واعلان کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری مدد فرمائے گا۔ انھوں نے اپنی سچائی کے اظہار کے بعد اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی پر وحی کا نزول

آزمائش کی گھڑیاں ختم ہونے والی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو ختم ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میری براءت نازل فرما کر مجھے بری قرار دے گا۔ لیکن اللہ کی قسم! یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی۔ میں تو خود کو اتنے بڑے درجے سے بہت کمتر خیال کرتی تھی۔ مجھے تو بس اتنی امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھیں گے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری سچائی اور بے گناہی روشن کر کے مجھے بری فرما دے گا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وحی نازل ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس مجلس

سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے، نہ گھر کا کوئی فرد باہر گیا تھا کہ آپ پر وحی اترنے لگی۔ آپ ﷺ پر وہی کیفیت چھا گئی جو وحی اترتے ہوئے طاری ہو جاتی تھی۔ سردی کے دنوں میں بھی آپ کے بدن مبارک پر موتیوں کی طرح پسینہ چمکنے لگتا تھا۔[1] آپ کو چادر اوڑھا دی گئی اور آپ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا۔[2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کا اطمینان اور والدین کی پریشانی

جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی، اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کس قدر مطمئن تھیں اور ان کے والدین کتنے پریشان تھے، یہ انھی کی زبانی سنیے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو اللہ کی قسم! میں بالکل نہیں گھبرائی، نہ میں نے اس پر کوئی توجہ دی۔ کیونکہ میں تو جانتی تھی کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ رہی بات میرے والدین کی تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عائشہ کی جان ہے! ابھی رسول اللہ ﷺ پر وحی والی کیفیت ختم نہیں ہوئی تھی، مجھے یوں لگا کہ جیسے ان دونوں کی جان نکل جائے گی۔ وہ ڈر رہے تھے کہ لوگوں نے جو کچھ کہا ہے، مبادا اللہ کی طرف سے صحیح قرار دے دیا جائے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری سنا دی

جب رسول اللہ ﷺ کی وہ کیفیت ختم ہوگئی جو وحی کے جلال سے آپ پر طاری ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ مسکرا اُٹھے۔ یہ مسکراہٹ آپ کی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔ اب آپ ﷺ پر سارے معاملے کی اصل حقیقت کھل گئی تھی۔ آپ اپنی پیشانی مبارک سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے معاً فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ»

”عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں بری کر دیا ہے۔“

یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا کو کس قدر خوشی ہوئی، یہ وہی جانتی تھیں۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا: اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی محبت پر پورا اعتماد تھا۔ انھوں نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے قدرے ناز کے انداز میں کہا:

وَاللّٰهِ! لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ.

”اللہ کی قسم! میں آپ کی طرف نہیں اٹھوں گی۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی۔“[4]

[1] صحیح البخاري: 4141 و4750 و4757، فتح الباري: 604/8. [2] السيرة لابن هشام: 315/3. [3] السيرة لابن هشام: 315/3. [4] صحيح البخاري: 4141 و4750.

انھوں نے یہ بات اس وجہ سے بھی کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کی براءت کا اعلان فرمایا تھا، اس لیے وہی اس بات کا مستحق تھا کہ اس کی حمد کی جائے۔

براءت میں نازل ہونے والی دس آیات

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت وفضیلت کے کیا کہنے! اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت میں ایک دو نہیں بلکہ یہ دس آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَلَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾

''بے شک جو لوگ (ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک گروہ ہیں، تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے، ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں سے وہ شخص جس نے اس (گناہ) کا بڑا بوجھ اٹھایا، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جب تم نے یہ (جھوٹ) سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور (یہ کیوں نہ) کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم جن باتوں میں پڑ گئے تھے اس پر تمھیں بہت بڑا عذاب آ پڑتا۔ جب تم اسے ایک دوسرے سے اپنی زبانوں کے ساتھ لیتے تھے اور اپنے مونہوں سے (وہ بات) کہہ رہے تھے جس کا تمھیں علم نہ تھا، اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے، جبکہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے۔ اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہا: یہ ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس کے متعلق بولیں (یا اللہ!) تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ

تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو دوبارہ ہرگز اس جیسی بات نہ کرنا۔ اور اللہ تمھارے لیے (اپنی) آیات بیان کرتا ہے، اور اللہ بڑا جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔ بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو اللہ بہتان لگانے والوں کو فوراً عذاب دیتا) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ نہایت شفقت کرنے والا، (اور) بڑا رحم فرمانے والا ہے۔'' [1]

ان دس آیات مبارکہ میں صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت، براءت اور فضیلت ہی نہیں، بھلائی اور امن کی زندگی کے لیے نہایت اہم اصول اور احکام بھی دیے گئے جو یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اعلیٰ سیرت کی برکت سے نصیب ہوئے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین بالخصوص ان کے سرغنے عبداللہ بن ابی کی پوری سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا اور ان کی سخت مذمت فرمائی۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی خوب ڈانٹ پلائی جو تہمت لگانے والوں میں تو شامل نہیں تھے لیکن انھوں نے اسے پھیلانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ واقعہ افک میں ملوث لوگوں کو سخت وعیدیں سنائی گئیں۔ علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ اگر آپ پورے قرآن میں نافرمانوں کے متعلق بیان ہونے والی وعیدوں کی چھان پھٹک کریں تو آپ کو کہیں نہیں نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور امر کے بارے میں اتنی سخت وعید بیان کی ہو جتنی زبردست وعید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے لیے بیان کی ہے۔ [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان

رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کر لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت چھلک رہی تھی۔ آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اللہ کے شایانِ شان اس کی حمد و ثنا کی اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے سلسلے میں نازل ہونے والی آیات تلاوت فرمائیں۔ یوں تمام لوگوں پر اس سارے معاملے کی اصلی حقیقت کھل گئی۔ ان کے سامنے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزہ اور بے داغ سیرت پوری طرح جلوہ نما ہوگئی۔

بہتان بازوں پر حد جاری کر دی گئی

اب ان لوگوں کی باری تھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے جرم میں شریک تھے۔ یہ تین افراد تھے: سیدنا مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ان پر حد نافذ کی گئی اور

[1] النور 24:11-20. [2] تفسير الكشاف، النور 24:24،25.

انھیں بہتان طرازی کی پاداش میں اسی اسی کوڑے مارے گئے۔[1] ایسا اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر عمل کرتے ہوئے کیا گیا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً ﴾

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر وہ چار گواہ نہیں لاتے، تو تم انھیں اسی کوڑے مارو۔''[2]

یہ حد اس لیے مقرر ہوئی کہ آئندہ اسلامی معاشرے میں کوئی ایسی ناپاک حرکت کرنے کی جرات نہ کرے۔

کیا ابنِ ابی پر حد نافذ ہوئی؟

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والا اصل مجرم رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا، وہی تھا جو اس جھوٹ کے طوفان کو اُچھالنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا لوگوں کے ساتھ ابن ابی پر بھی حد لگائی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح احادیث میں ابن ابی کا نام ان لوگوں میں شامل نہیں جن پر حد لگائی گئی تھی۔ اس لیے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس پر حد نہیں لگی۔ بعض روایات میں ابن ابی پر حد لگائے جانے کا ذکر موجود ہے لیکن وہ سب ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔[3]

اکثر اہل علم اسی بات کے قائل ہیں کہ عبداللہ بن ابی پر حد نہیں لگی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روایات میں جو بات مشہور اور علماء کے نزدیک معروف ہے، وہ یہی ہے کہ حسان، مسطح اور حمنہ رضی اللہ عنہم پر حد لگائی گئی لیکن ابن ابی پر حد لگائے جانے کا تذکرہ نہیں ملتا۔[4] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ابن ابی پر حد نہیں لگائی گئی۔

ابن ابی پر حد نہ لگانے کی مختلف وجوہ نقل کی گئی ہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

1. کہا گیا ہے کہ حدود جس پر نافذ ہوں وہ اس کے لیے تخفیف اور کفارے کا باعث بنتی ہیں جبکہ خبیث ابن ابی اس لائق ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آخرت میں بہت بڑے عذاب کا فیصلہ کر رکھا ہے جو اس کے لیے حد کے مقابلے میں کافی ہے۔
2. یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابن ابی اس قدر چالاکی سے اس تہمت کی کھود کرید کرتا، طرح طرح کے رنگ بھرتا رہا اور اسے جگہ جگہ پھیلاتا رہا کہ اس بدترین عمل میں اس کا نام ہی نہ آئے۔

---

[1] جامع الترمذي: 3181، سنن أبي داود: 4475،4474. [2] النور 24:4. [3] دیکھیے: مرويات غزوة بني المصطلق، ص: 324-337. [4] تفسير القرطبي، النور 24:11.

3 ایک قول یہ ہے کہ حد اقرار کرنے یا کسی کے گواہی دینے سے ثابت ہوتی ہے۔ ابن ابی نے تہمت لگانے کا اقرار کیا تھا، نہ کسی نے اس کے خلاف کوئی گواہی ہی دی۔ وہ اسے صرف اپنے چیلے چانٹوں میں بیان کرتا تھا۔ جو اس کے خلاف کوئی گواہی دینے کو تیار نہیں تھے۔ وہ مومنوں کے سامنے ایسی گفتگو نہیں کرتا تھا۔

4 بہتان طرازی کی حد آدمی کا حق ہے جو اس کے مطالبے ہی پر اسے دلا دیا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ اللہ کا حق ہے، پھر بھی یہ ضروری ہے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہو، وہ حد کا مطالبہ کرے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن ابی کے لیے حد کا مطالبہ ہی نہیں کیا۔

5 یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی مصلحت کی خاطر اس پر حد نافذ نہیں کی جو حد لگانے سے کہیں زیادہ بڑی تھی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نفاق ظاہر ہو جانے اور اس کے مسلمانوں کے خلاف زہریلے ارادے ثابت ہو جانے کے باوجود اسے قتل نہیں کیا۔ وہ مصلحت یہ تھی کہ اس کی قوم کی تالیف کی جائے اور انھیں اسلام سے متنفر نہ کیا جائے۔ اس کے قبیلے میں اس کی بات مانی جاتی تھی، وہ ان کا سردار تھا۔ اس پر حد نافذ کرنے میں خطرہ تھا مبادا کوئی نیا فتنہ بھڑک اٹھے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ درج بالا وجوہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ممکن ہے اسے ان تمام اسباب کی بنا پر چھوڑ دیا گیا ہو۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسطح پر خرچ نہ کرنے کی قسم کھالی

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر غصہ آیا۔ وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر اس کی غربت اور رشتہ داری کی وجہ سے اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ مسطح ان کے احسان اور قرابت داری کو بھی خاطر میں نہ لائے اور ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی وجہ سے ان پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے:

وَاللّٰهِ! لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ.

”اللہ کی قسم! مسطح نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اب اس کے بعد میں کبھی مسطح پر کچھ خرچ نہیں کروں گا۔“

اللہ تعالیٰ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات پسند نہ آئی کیونکہ وہ تو عفو و درگزر کو پسند فرماتا ہے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم

1 زاد المعاد: 263/3.

انسان کے لیے تو ایسا کرنا ان کے شایانِ شان نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ وحی نازل فرمادی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی مدد دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس آیت مبارکہ کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً فرمان الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور بے ساختہ کہنے لگے:

بَلٰی وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي.

''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! میں تو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دیں۔''

اس کے بعد وہ مسطح رضی اللہ عنہ پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے بلکہ انھوں نے یہ بھی کہا:

وَاللّٰهِ! لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا. ''اللہ کی قسم! میں اب یہ وظیفہ کبھی بند نہیں کروں گا۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے:

بَلٰی وَاللّٰهِ! يَا رَبَّنَا إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا.

''کیوں نہیں، اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرمادے۔''[3]

علاوہ ازیں انھوں نے پہلے جو قسم کھائی تھی، اُسے توڑنے کا کفارہ بھی ادا کیا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی سرداران اوس وخزرج کے درمیان صلح

رسول اللہ ﷺ نے جب لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کر کے ان سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگنے والی تہمت کے سلسلے میں گفتگو فرمائی تھی تو اس وقت اوسی سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرجی سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے اوس وخزرج کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے تھے۔ آپ نے اس وقت تو انھیں خاموش کرا کر معاملہ رفع دفع کرا دیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ ان کی آپس میں صلح کرادی جائے تاکہ اگر دل میں ایک دوسرے کے بارے میں کوئی رنجش موجود ہو تو وہ نکل جائے۔ آپ ویسے بھی صحابہ

---

1 النور24:22. 2 صحيح البخاري:4141. 3 صحيح البخاري:4757. 4 السنن الكبرى للبيهقي:37/10.

کے درمیان صلح صفائی کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔ آپ نے اوس وخزرج کے دونوں سرداروں کے درمیان نہایت حکیمانہ انداز میں صلح کرائی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد کچھ دن تو آپ ٹھہرے رہے۔ پھر اچانک ایک روز آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ انھیں لے کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ وہاں بیٹھ کر آپس میں کچھ دیر بات چیت کرتے رہے۔ اس دوران میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مہمان نوازی کرتے ہوئے کھانا پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ پھر آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ آپ انھیں لے کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر وہاں آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کھانا پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے کھانا کھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس چلے آئے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل مبارک سے سرداران اوس وخزرج اور ان کے قبیلے کے لوگوں کے دل ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح صاف ہوگئے۔ اوران کے درمیان ہونے والی تلخ کلامی کے اثرات بالکل ختم ہوگئے۔

صفوان اور حسان رضی اللہ عنہما کی سرگزشت

سیدنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن پر منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کے ساتھ خیانت کی تہمت لگائی تھی، ان کی بے گناہی اور پاک دامنی بھی عیاں ہوکر سب کے سامنے آگئی۔ انھیں ان لوگوں پر سخت غم وغصہ تھا جنھوں نے ان کے دامن کو داغدار کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہوگئے تھے۔ مزید برآں انھوں نے کچھ ایسے اشعار بھی کہہ ڈالے جن میں صفوان رضی اللہ عنہ اور مضر قبیلے کے عرب مسلمانوں کی عیب جوئی کی گئی تھی۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو انھیں حسان رضی اللہ عنہ پر بے حد غصہ آیا۔ انھوں نے حسان رضی اللہ عنہ پر تلوار ماری۔ ثابت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ قریب ہی موجود تھے۔ انھوں نے فوراً صفوان رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر باندھ دیا اور اپنے ساتھ بنو حارث بن خزرج کے محلے کی طرف لے کر چل پڑے۔ رستے میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ثابت رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ ثابت بولے: انھوں نے حسان کو تلوار کی ضرب لگائی ہے، کیا آپ کو اس پر تعجب نہیں ہوا؟ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگ رہا تھا کہ یہ انھیں قتل کر ڈالیں گے۔

[1] المغازي للواقدي: 371/1.

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم نے جو کیا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر ہے؟ وہ بولے! اللہ کی قسم! نہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بولے: تب تو تم نے بڑی دلیری دکھائی ہے۔ اس شخص کو رہا کر دو۔ اس پر انھوں نے صفوان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسان اور صفوان رضی اللہ عنہما دونوں کو طلب فرما لیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولے: اللہ کے رسول! حسان نے مجھے ایذا پہنچائی ہے اور میری ہجو کی ہے۔ اس پر مجھے غصہ آ گیا تو میں نے انھیں تلوار کی ضرب لگا دی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَحْسِنْ يَا حَسَّانُ! أَتَشَوَّهْتَ عَلَى قَوْمِي أَنْ هَدَاهُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ»

''حسان! احسان کرو۔ کیا تم نے میری قوم پر اس وجہ سے نکتہ چینی کی ہے کہ اللہ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔''

ابن ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی بیان کیے گئے ہیں:

«أَبَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ»

''اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت عطا فرما دی، پھر بھی تم نے ایسا کیا؟''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

«أَحْسِنْ يَا حَسَّانُ! فِي الَّذِي أَصَابَكَ»

''حسان! تمھیں (صفوان کی طرف سے) جو زخم لگا ہے، اس کے بارے میں تم احسان کرو۔''

حسان رضی اللہ عنہ فوراً بولے: اللہ کے رسول! میں اسے آپ کی خاطر معاف کر دیتا ہوں۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صلح کرا دی۔ آپ نے حسان رضی اللہ عنہ کو لگنے والی ضرب کے بدلے میں انھیں بئرحاء باغ عنایت فرمایا۔ یہ ابوطلحہ بن سہیل انصاری رضی اللہ عنہ کا تھا جو انھوں نے صدقے کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ نے وہ باغ حسان رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اس کے ساتھ آپ نے انھیں ایک قبطی لونڈی بھی دی جس کا نام سیرین تھا۔

باغ بئرحاء کا مقام (مدینہ منورہ)

حسان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمٰن انھی کے بطن سے تھا۔[1]

حسان رضی اللہ عنہ کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے معذرت

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی محسوس کرلی اوراس پر اُنھیں بے حد ندامت ہوئی کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ جا ملے، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ بہرحال حسان رضی اللہ عنہ سے انسان ہونے کے ناتے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی۔ انھوں نے بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے معذرت کی اور ان کی پاکدامنی کو اشعار کی صورت میں بیان کیا۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں:

حَصَانٌ رَّزَانٌ مَّا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ

وَتُصْبِحُ غَرْثَى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

”وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) پاکدامن اور باوقار ہیں۔ ان پر کسی شک وشبہ کی بنا پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ وہ بے خبر عورتوں کی سی غیبت سے پاک رہ کر صبح کرتی ہیں۔“

عَقِيلَةُ حَيٍّ مِّنْ لُّؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ

كِرَامِ الْمَسَاعِي مَجْدُهُمْ غَيْرُ زَائِلِ

”وہ لؤی بن غالب کے ایسے قبیلے کی بلند مرتبہ خاتون ہیں جس کی خدمات قابل ستائش ہیں اور بزرگی لازوال ہے۔“

مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيمَهَا

وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ وَّبَاطِلِ

”وہ مہذب خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی اچھی طبیعت کا مالک بنایا ہے اور انھیں ہر برائی اور بے بنیاد بات سے پاک رکھا ہے۔“

فَإِنْ كُنْتُ قَدْ قُلْتُ الَّذِي قَدْ زَعَمْتُمْ

فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِي إِلَيَّ أَنَامِلِي

[1] السيرة لابن هشام: 3/318,319.

''اگر میں نے وہ بات کہی ہے جو تم سمجھ رہے ہو تو (اللہ کرے) میری انگلیاں میرا کوڑا نہ اٹھا سکیں۔''

وَكَيْفَ وَوُدِّي مَا حَيِيتُ وَنُصْرَتِي
لِآلِ رَسُولِ اللّٰهِ زَيْنُ الْمَحَافِلِ

''یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ زندگی بھر میری محبت اور میری حمایت ونصرت رسول اللہ ﷺ کی آل کے لیے وقف ہے جو محفلوں کو زینت بخشنے والے ہیں۔''

لَهُ رَتَبٌ عَالٍ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
تَقَاصَرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

''انھیں سب لوگوں پر بلند رتبہ حاصل ہے۔ غرور کرنے والے آدمی کی تیزی اسے پانے سے قاصر ہے۔''

فَإِنَّ الَّذِي قَدْ قِيلَ لَيْسَ بِلَائِطٍ
وَلٰكِنَّهُ قَوْلُ امْرِئٍ بِي مَاحِلِ

''بے شک جو بات کہی گئی ہے، وہ چمٹ جانے والی نہیں، لیکن وہ تو ایسے شخص کی بات ہے جو میری چغل خوری کرنے والا ہے۔''[1]

حسان ؓ کے لیے عائشہ ؓا کے نیک جذبات

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓا سیدنا حسان ؓ سے کچھ ناراض رہیں۔ ان کی یہ ناراضی ایک فطری ردعمل تھا۔ انھیں حسان سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ ان کے خلاف تہمت لگانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود سیدہ عائشہ ؓا کا دل ان کے بارے میں صاف تھا۔ وہ ان کے متعلق نہ صرف اچھے خیالات کا اظہار فرماتی تھیں بلکہ ان کا دفاع بھی کرتی تھیں۔ وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں کہ کوئی حسان ؓ کو برا بھلا کہے۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ شعر حسان ؓ ہی نے کہا تھا:

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ

[1] السيرة لابن هشام: 320,319/3.

''بے شک میرے باپ دادا اور میری آبرو محمد ﷺ کی عزت (کی حفاظت) کے لیے تمھارے آگے ڈھال بنی رہے گی۔''[1]

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حسان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے ٹوک دیا۔ فرمایا:

لَا تَسُبَّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

''انھیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔''

وہ مزید کہنے لگیں کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«كَيْفَ بِنَسَبِي؟»

''میرے نسب کا کیا کرو گے؟''

انھوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو ان سے اس طرح الگ کرلوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔[2]

ہار کی گمشدگی کا ایک اور واقعہ

مسجد اسماء بنت ابی بکر، علم، مسقط (عُمان)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی کا ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے۔ یہ ہار انھوں نے اپنی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے عاریتاً لیا تھا۔[3]

اس واقعے کی تفصیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی سنیے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب ہم بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر پہنچے تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش میں وہیں قیام فرمایا۔ لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے۔ وہاں پانی نہیں تھا۔ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بولے:

[1] صحيح البخاري :4141. [2] صحيح البخاري : 4145. [3] صحيح البخاري :336.

آپ دیکھ نہیں رہے کہ عائشہ نے کیا کر دیا ہے؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں کو یہاں روک لیا ہے جبکہ یہاں کہیں پانی نہیں ہے، نہ لوگوں کے پاس پانی موجود ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے سو رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک لیا ہے، حالانکہ نہ یہاں کہیں پانی ہے، نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ پر بہت خفا ہوئے اور مجھے وہ کچھ کہا جو اللہ نے چاہا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگانے لگے۔ میں نے صرف اس لیے حرکت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب صبح کے وقت بیدار ہوئے تو پانی کا نام ونشان نہ تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی ضروری حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، پھر اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈالے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کردے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد سب نے تیمّم کیا۔ اس موقع پر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

مَاهِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ.

''اے آلِ ابوبکر! یہ تمھاری کوئی پہلی برکت نہیں۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

[1] المائدة 6:5. [2] صحيح البخاري: 334 و 3608.

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا، فَوَاللّٰهِ! مَانَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ خَيْرًا.

''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جو آپ کو ناگوار لگتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھلائی پیدا فرما دی۔''[1]

ایک اور جگہ یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

فَوَاللّٰهِ! مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ قَطُّ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ مَخْرَجًا وَّجَعَلَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ بَرَكَةً.

''اللہ کی قسم! آپ کے ساتھ جب بھی کوئی بات پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس سے نکلنے کی راہ نکال دی اور مسلمانوں کے لیے بھی اس میں برکت رکھ دی۔''[2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس اونٹ پر میں سوار تھی، ہم نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہار مل گیا۔[3]

تیمّم کا حکم کب نازل ہوا

اب غور طلب بات یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی کا درج بالا واقعہ کب پیش آیا اور تیمّم کا حکم کب نازل ہوا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو صرف اتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔'' یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ سفر کون سا تھا۔ آئیے! ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ سفر کون سا تھا۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر دو موقف ہیں۔

بعض علماء میں سرفہرست علامہ ابن عبدالبر، ابن سعد اور ابن حبان رحمہم اللہ ہیں۔ ان سے پہلے واقدی نے بھی اسے واقعۂ افک کے شروع میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک غزوۂ بنومصطلق کے سفر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا دو مرتبہ ہار گم ہوا۔ پہلی مرتبہ گم ہوا تو آیت تیمّم نازل ہوئی اور دوسری بار گم ہوا تو واقعۂ افک پیش آیا۔[4]

دیگر کئی علماء کا کہنا ہے کہ تیمّم والا واقعہ غزوۂ بنومصطلق کے بجائے کسی دوسرے غزوے میں پیش آیا۔ ان کی دلیل معجم طبرانی کی وہ حدیث ہے جس میں اس کی باقاعدہ صراحت موجود ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میرے ہار گم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور تہمت لگانے والوں نے جو کچھ کہا تو اس کے بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی دوسرے غزوے میں نکلی۔ میرا ہار ایک دفعہ پھر گر گیا۔ لوگوں کو اس کی تلاش کی وجہ سے رکنا پڑا اور طلوع فجر کا وقت ہوگیا۔ مجھے منشائے ربانی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: بیٹی! تم ہر سفر میں لوگوں کے لیے مشقت اور مصیبت کا باعث بن جاتی ہو۔ لوگوں کے پاس پانی موجود نہیں تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري: 336. [2] صحيح البخاري: 3773. [3] صحيح البخاري: 334. [4] المغازي للواقدي: 1/362-365.

نے تیمّم کی رخصت عطا فرما دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بیٹی! اللہ کی قسم! مجھے علم تھا کہ تم باعثِ برکت ہو۔ [1]

علامہ ابن سید الناس رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دونوں واقعے دو الگ الگ غزووں میں پیش آئے تھے۔ [2] حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہار کی گمشدگی کا واقعہ جس کی وجہ سے تیمّم کا حکم نازل ہوا، وہ غزوۂ بنو مصطلق کے بعد پیش آیا تھا اور یہی بات واضح ہے۔ غزوۂ بنو مصطلق میں تو ہار گم ہو جانے اور تلاش کرنے کی وجہ سے واقعۂ افک رُونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ بعض علماء کو مغالطہ ہوا اور یہ قصہ ایک دوسرے قصے کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ روایت اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ یہ دونوں الگ الگ سفر تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے بھی یہ پتا چلتا ہے کہ تیمّم والا واقعہ، واقعۂ افک کے بعد پیش آیا۔ اس طرح ان لوگوں کے قول کو تقویت مل جاتی ہے جو ہار کی متعدد بار گمشدگی کے قائل ہیں۔ [4] یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ تیمّم والا واقعہ غزوۂ بنو مصطلق کے بجائے کسی دوسرے غزوے میں پیش آیا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ وہ دوسرا غزوہ کون سا تھا۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ وہ غزوہ ذات الرقاع تھا۔ [5] واللہ اعلم بالصواب

---

1 المعجم الكبير لطبراني :23/122,121. 2 عيون الأثر، ص:305,304. 3 زاد المعاد :3/259. 4 فتح الباري :1/564,563.
5 فتح الباري :1/563، مزید دیکھیے: مرويات غزوة بني المصطلق، ص :465-481.

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی

بنو مصطلق کے جو لوگ قیدی بن کر آئے تھے، ان میں جویریہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ یہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی تھیں۔ ان کی قید ان کے لیے اتنی بڑی خوش نصیبی کا سبب بن گئی کہ ایسی قید پر ہزاروں آزادیاں بہت خوشی سے قربان کی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک لازوال شرف سے نوازنے کا فیصلہ فرما رکھا تھا۔ ان کی اسیری اسی کا پیش خیمہ تھی۔ ان کی قسمت جاگ اٹھی۔ وہ قیدی بن کر آئی تھیں لیکن اللہ کے کرم سے ام المومنین بن گئیں۔ سید الاولین والآخرین جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ بس اس شادی کے بعد جویریہ رضی اللہ عنہا کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے دروازے کھل گئے۔ انھیں عزت و احترام کی اتنی اونچی جگہ مل گئی جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ ان کی یہ شادی جہاں ان کے لیے بابرکت ثابت ہوئی، وہاں ان کی قوم کو بھی اس کا بھرپور فائدہ ہوا اور انھیں بھی اس کے برکات و ثمرات سمیٹنے کا موقع ملا۔ آئیے! اب ہم اس بابرکت شادی کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا ثابت رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد کے حصے میں

سیدنا جویریہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی ان کے چچازاد مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی۔ یہ نوجوان غزوۂ بنو مصطلق کے دوران کفر ہی کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی قید میں آئیں رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کے درمیان قیدی تقسیم فرمائے تو جویریہ رضی اللہ عنہا سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبت

جویریہ رضی اللہ عنہا بہت پریشان تھیں۔ انھیں طرح طرح کے صدموں نے گھیر رکھا تھا: بنو مصطلق کی شکست کا غم، اپنے اور اپنی قوم کے قیدی بننے کا صدمہ، اپنے خاوند کے مارے جانے کا صدمہ۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کو یہ پریشانی کھائے جا رہی تھی کہ وہ کسی کی لونڈی بن کر بھلا کس طرح زندگی گزار سکیں گی۔ انھیں اپنے لیے یہ ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کی عمر زیادہ نہیں تھیں۔ دوسری یہ کہ وہ کوئی عام خاتون نہیں تھیں بلکہ ایک سرادار کی بیٹی

تھیں۔ ان کی پرورش ناز و نعم میں ہوئی تھی۔ اب اچانک غلامی کی زندگی بسر کرنا ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچا زاد کے حصے میں آئیں تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ میں ہر صورت غلامی سے نجات حاصل کروں گی، چنانچہ انھوں نے اپنے مالک سے مکاتبت کر لی۔

مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنے مالک سے یہ سمجھوتہ کر لے کہ وہ ایک مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گی۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبت میں اپنے مالک سے جو رقم طے ہوئی، وہ نو اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے۔ اس طرح نو اوقیے 360 درہم کے بنتے ہیں۔ ایک درہم 2.975 گرام کا ہوتا ہے۔ یوں 360 درہم کا وزن 1071 گرام بنتا ہے۔

دربارِ نبوت میں فریاد

جویریہ رضی اللہ عنہا سیرت اور صورت کے لحاظ سے حسین و جمیل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ذہین و فطین بھی تھیں۔ مکاتبت کر لینے کے بعد اب انھیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ وہ یہ رقم کیسے اور کہاں سے ادا کریں گی۔ اس کے لیے انھیں کسی کے تعاون کی ضرورت تھی۔ اس پریشان کن صورت حال میں اُنھیں خیال آیا کہ کیوں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور آپ سے اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کروں۔

جویریہ رضی اللہ عنہا جیسی خاتون کے لیے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا آسان نہیں تھا لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق سے باخبر ہو چکی تھیں۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ آپ نہایت رحم دل اور دوسروں پر ترس کھانے والی شخصیت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان حال لوگوں کی مدد فرماتے ہیں، کسی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے۔ انھیں یقین تھا کہ جب میں اپنا دُکھڑا آپ کی خدمت میں پیش کروں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا غم سناؤں گی تو آپ میری پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے اور مجھے غلامی سے نجات دلانے میں میری ہر ممکن مدد کریں گے۔

ان ساری باتوں کے پیش نظر جویریہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ہمت کی اور بہت پُر امید ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے۔ اب ہم عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی یہ واقعہ پیش کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم فرمایا تو جویریہ بنت حارث، سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے چچا زاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ وہ نہایت خوش مزاج اور دلکش حسن و جمال کی مالک تھیں۔ وہ اپنی مکاتبت کے سلسلے میں مالی تعاون کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! جویریہ میرے حجرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئیں۔ میں نے انھیں دیکھا

تو مجھے ان کا آنا ناگوار گزرا۔ میں جان گئی کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہی کچھ دیکھیں گے جو میں نے دیکھا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں اندر آگئیں اور بولیں:

اللہ کے رسول! میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میرا نام جویریہ ہے۔ حارث اپنی قوم کا سردار ہے۔ میرا معاملہ آپ سے مخفی نہیں۔ میں جس آزمائش میں مبتلا ہوں، آپ ﷺ اس سے واقف ہیں۔ میں ثابت بن قیس یا اس کے چچا زاد کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے اپنے بارے میں مکاتبت کرلی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ رقم ادا کرنے کے سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پیشکش

رسول اللہ ﷺ نے توجہ سے جویریہ ؓ کی پوری بات سنی، پھر ارشاد فرمایا:

«فَهَلْ لَّكِ فِي خَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكَ؟»

''کیا تم اس سے بھی بہتر چیز چاہتی ہو؟''

وہ بولیں: اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَقْضِي كِتَابَتَكِ وَ أَتَزَوَّجُكِ»

''میں تمھاری مکاتبت کی رقم ادا کردیتا ہوں اور تم سے شادی کرلیتا ہوں۔''

جویریہ ؓ شادی کے لیے آناً فاناً جی جان سے راضی ہوگئیں

سیدہ جویریہ ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ پیشکش سنی تو وہ فوراً آمادہ ہوگئیں۔ بھلا ان کے لیے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی تھی کہ وہ نہ صرف غلامی کی زندگی سے نکل جائیں بلکہ سید البشر محسن انسانیت ﷺ کے حرم کی زینت بن جائیں۔ انھوں نے فوراً عرض کیا: اللہ کے رسول! ٹھیک ہے۔ میں راضی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ فَعَلْتُ» ''(ٹھیک ہے) میں نے ایسا کردیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی جویریہ ؓ سے شادی

رسول اللہ ﷺ نے جویریہ ؓ کی مکاتبت کی رقم ادا کرکے ان سے شادی کرلی۔ اس طرح یہ رقم ہی ان کا حق مہر

[1] مسند أحمد :277/6، سنن أبي داود :3931.

بنی۔ اس وقت جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر 20 سال تھی۔ ان کی خوش نصیبی تھی کہ ان کا نام جویریہ بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا۔ ان کا پرانا نام بَرَّہ تھا۔ اس کے معنی ہیں: نیکو کار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جویریہ رکھ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ نام پسند نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارہ نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برہ کے پاس سے نکلے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی اُن کی دلجوئی اور عزت افزائی کے پیش نظر کی تھی۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنو مصطلق کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے اور ان کے ساتھ گہرا ربط و تعلق قائم ہو جائے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے جو عداوت و نفرت کے جذبات ہیں، ان کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی اس خواب کی تعبیر تھی جو خود جویریہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے تین راتیں پہلے یہ خواب دیکھا کہ گویا چاند یثرب سے چلا آرہا ہے اور آکر میری گود میں گر گیا ہے۔ میں نے لوگوں میں سے کسی کو بھی یہ خواب بتانا پسند نہیں کیا۔ جب ہمیں قید کیا گیا تو اس وقت مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید پیدا ہوگئی۔ [2]

بنو مصطلق کے قیدیوں کی رہائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا بنو مصطلق کے قیدیوں کو بے حد فائدہ ہوا۔ ہوا یہ کہ اس شادی کی خبر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوئی تو انھیں بے حد خوشی ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ اب ہم بنو مصطلق کے لوگوں کو کس طرح قیدی بنا کر رکھ سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار بن چکے ہیں، چنانچہ صحابہ کرام کے قبضے میں بنو مصطلق کے جتنے قیدی تھے، انھوں نے ان سب کو آزاد کر دیا اور کہنے لگے: أَصْهَارُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. ''یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

فَلَقَدْ أُعْتِقَ بِتَزْوِيجِهِ إِيَّاهَا مِائَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ، فَمَا أَعْلَمُ امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس کی وجہ سے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد کر دیے گئے۔ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے برکت والی ثابت ہوئی ہو۔'' [3]

[1] المستدرك للحاكم: 27/4. [2] المستدرك للحاكم: 27/4. [3] مسند أحمد: 277/6، السيرة لابن هشام: 208,207/3.

تمام مسلمانوں نے اپنی خوشی سے رضا کارانہ طور پر بنو مصطلق کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی، نہ ایسا کرنے کو کہا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے شادی کی تو میں نے آپ ﷺ سے اپنی قوم کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مسلمانوں نے خود ہی میری قوم کے قیدی رہا کر دیے۔ مجھے تو ایک لونڈی کے ذریعے سے جو میرے چچا کی بیٹیوں میں سے تھی، یہ بات معلوم ہوئی اس نے مجھے یہ خبر سنائی تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔[1]

حارث بن ابی ضرار نے اسلام قبول کرلیا

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن ابی ضرار بنو مصطلق کے سردار تھے۔ یہ وہی تھے جو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے لشکر جمع کر رہے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انھیں اسلام کے زیور سے آراستہ کر دیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حارث بن ابی ضرار کو رہ رہ کر یہ احساس ستا رہا تھا کہ اس کی بیٹی مسلمانوں کی قید میں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح اسے رہا کرایا جائے۔ اس نے اپنی بیٹی کے فدیے کا بندوبست کیا اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ وادیِ عقیق میں پہنچا تو اس نے اُن اونٹوں پر نظر ڈالی جو وہ فدیے میں دینے کے لیے لایا تھا۔ اس نے ان میں سے سب سے اچھے دو اونٹ روک لیے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میں یہ دو اونٹ فدیے میں نہیں دوں گا۔ اس نے ان دو اونٹوں کو عقیق کی گھاٹیوں میں چُھپا دیا۔ پھر وہ دوسرے اونٹ لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: آپ لوگوں نے میری بیٹی کو اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ یہ اس کا فدیہ حاضر ہے۔ (آپ اسے قبول فرمائیں اور میری بیٹی کو رہا کر دیں)۔ اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَيْنَ الْبَعِيرَانِ الَّذَانِ غَيَّبْتَ بِالعَقِيقِ كَذَا وَكَذَا؟»

''وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنھیں تم نے عقیق کی فلاں فلاں گھاٹی میں غائب کر دیا ہے؟''

حارث بن ابی ضرار نے جب آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آپ کو یہ بات اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے بتائی ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً یہ اعلان کر دیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ، فَوَاللّٰهِ! مَا اطَّلَعَ فِعْلِي ذٰلِكَ إِلَّا اللّٰهُ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ

[1] المغازي للواقدي :1/348.

کے سوا کسی کو میرے اس کام کی خبر نہیں تھی۔ (اسی نے آپ کو اس سے آگاہ کیا ہے)۔"[1]

بنو مصطلق اسلام کے شیدائی بن گئے

رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے ساتھ ان کی توقع کے خلاف نرمی اور شفقت و محبت کا جو سلوک فرمایا، اُس کے ان کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ آپ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس کے بہت بابرکت نتائج برآمد ہوئے۔ ایک طرف بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو دوسری طرف ان کے قبیلے کے لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ یوں بنو مصطلق کے لوگ، جو کل تک مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے، اب اسلام کے شیدائی بن گئے۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور انھیں مزید عزت ملی۔ اب بنو مصطلق خود غلبۂ اسلام کے لیے کوشاں ہوگئے۔ ان کے تمام تر وسائل اور صلاحیتیں اسلام کی خدمت میں صرف ہونے لگیں۔ وہ دین کے داعی بن کر زندگی بسر کرنے لگے۔ انھوں نے عملی طور پر جہاد میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کرنے کی وجہ سے ان کے قبیلے کی عزت کو چار چاند لگ گئے اور ان کی قدر و منزلت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ ان کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت ہوجانے ہی کی وجہ سے تو صحابہ نے ان کے سارے قیدی آزاد کر دیے تھے۔

ادائے زکاۃ کا واقعہ

بنو مصطلق کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سرگرم رہنے اور اچھے مسلمان ثابت ہونے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ بڑی خوشی کے ساتھ بہت پابندی سے زکاۃ ادا کیا کرتے تھے، حالانکہ اس وقت عربوں کے لیے زکاۃ دینا نہایت مشکل تھا۔ بنو مصطلق کے زکاۃ ادا کرنے کا ایک واقعہ مختلف روایات میں بیان ہوا ہے۔ یہ واقعہ اس لحاظ سے انتہائی اہم ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی وجہ سے خبر کی تحقیق کرنے کا حکم نازل فرمایا۔ اس قصے کے راوی بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ ہیں۔

حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے معاً اسلام قبول کرلیا، پھر آپ نے مجھے زکاۃ دینے کی دعوت دی تو میں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کے پاس واپس جا کر انھیں اسلام قبول کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جو میری دعوت قبول کرلے گا، میں اس کی زکاۃ جمع کرلوں گا۔ آپ فلاں فلاں وقت میرے پاس اپنا قاصد

[1] أسد الغابة: 381/1، الإصابة: 674,673/1.

بھیج دیجیے گا تا کہ جو زکاۃ میں نے جمع کر رکھی ہوگی، وہ اسے آپ ﷺ تک پہنچا دے۔

اس کے بعد جب حارث رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے زکاۃ وصول کر کے جمع کر لی جنھوں نے ان کی بات مان لی تھی اور وہ وقت بھی آ پہنچا جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچا۔ حارث رضی اللہ عنہ سمجھے کہ شاید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ابھی تک قاصد نہیں آیا۔ حارث رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی سرکردہ شخصیات کو طلب کیا اور ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ ایک وقت مقرر فرمایا تھا کہ آپ ﷺ میری طرف اپنا قاصد روانہ فرمائیں گے تا کہ میرے پاس زکاۃ کا جو مال ہے، وہ اسے اپنی تحویل میں لے لے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے کسی ناراضی کی وجہ سے اپنے قاصد کو روک لیا ہے، اس لیے آؤ ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ کو حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ فرمایا تا کہ وہ ان سے جمع شدہ زکاۃ کا مال لے آئیں۔ جب ولید رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے تو رستے ہی میں کسی وجہ سے خوف زدہ ہو کر واپس آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! حارث نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حارث رضی اللہ عنہ کی طرف ایک دستہ روانہ فرما دیا۔ اُدھر حارث رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ جب دستہ مدینہ سے آگے بڑھا تو رستے میں حارث رضی اللہ عنہ سے ان کا آمنا سامنا ہو گیا۔ وہ لوگ کہنے لگے: یہ تو حارث ہیں۔ جب وہ قریب پہنچے تو حارث رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمھیں کس کی طرف بھیجا گیا ہے؟ وہ بولے: تمھاری طرف۔ حارث نے پوچھا: وہ کیوں؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو تمھاری طرف روانہ کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ تم نے انھیں زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور انھیں قتل کرنا چاہا ہے۔ حارث رضی اللہ عنہ بولے: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ایسا نہیں ہوا۔ میں نے تو انھیں دیکھا ہی نہیں، نہ وہ میرے پاس آئے۔

پھر جب حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَنَعْتَ الزَّكَاةَ وَأَرَدْتَّ قَتْلَ رَسُولِي!»

''تم نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قاصد کو قتل کرنا چاہا!''

حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کی: نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں نے تو اسے دیکھا ہی نہیں، نہ وہ میرے پاس آیا ہے۔ میں تو آپ ﷺ کی خدمت میں اسی لیے آیا ہوں کہ مجھے آپ کے قاصد کے نہ پہنچنے پر تشویش ہوئی اور یہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی ناراضی ہوگئی

ہے۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات کی درج ذیل آیات نازل فرما دیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔ اور جان لو! بلاشبہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمھاری اطاعت کریں (تو) یقیناً تم مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا ہے اور اس نے اسے تمھارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور اس نے تمھارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو ناپسند بنا دیا ہے (اور) یہ لوگ رشد و ہدایت والے ہیں۔ اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“[1]

رات کو اچانک گھر جانے کی ممانعت

جب اسلامی لشکر غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو اس موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی زبانی سُنیے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوہ مریسیع میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ ہم واپس روانہ ہوئے، رات کے درمیانے حصے میں وادی عقیق تک پہنچے۔ لوگ آرام کے لیے وہیں رک گئے۔ ہم نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ لشکر کے اگلے حصے میں آرام فرما رہے ہیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: جابر! کیا تم ہمارے ساتھ آگے چلو گے اور اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ گے؟ میں نے جواب دیا: ابو محمد! میں لوگوں کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ایک آدمی بھی آگے نہیں گیا۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگے جانے سے منع تو نہیں فرمایا۔

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو نہیں جاؤں گا۔ اس پر وہ مجھے الوداع کہہ کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ میں انھیں رستوں کے بیچوں بیچ تنہا جاتا دیکھ رہا تھا۔ وہ بنو حارث بن خزرج کے علاقے میں رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر کے بیچ میں چراغ جل رہا ہے اور ان کی بیوی

[1] الحجرٰت 49:6-8.

کے ساتھ کوئی لمبے قد والا انسان لیٹا ہوا ہے۔ انھیں بے حد افسوس ہوا اور اس وقت گھر آنے پر ندامت ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ شیطان بھولے بھالے آدمی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ (بھلا مانس آدمی شیطان کے جال میں جلدی پھنس جاتا ہے۔) وہ اپنی تلوار نیام سے نکال کر گھر میں گھس گئے۔ وہ ان دونوں کو مار دینا چاہتے تھے۔ پھر انھوں نے کچھ سوچا اور وہ چونکے۔ انھوں نے اپنے پاؤں سے اپنی بیوی کو ہلایا۔ وہ کچھ ہی دیر پہلے سوئی تھی۔ اس نے بیدار ہوتے ہی چیخ ماری۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ نے کہا: میں عبداللہ ہوں، یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ وہ بولی: یہ میری خادمہ رُجَیلہ ہے۔ ہمیں پتا چلا کہ تم لوگ آرہے ہو تو میں نے اسے اپنی کنگھی کرانے کے لیے بلوا لیا۔ اور یہ رات کو میرے پاس ہی سوگئی۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ نے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل پڑے۔ ان کی بئر ابی عتبہ کے پاس آپ سے ملاقات ہوئی۔ آپ اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق اور بشیر بن سعد ؓ کے درمیان چل رہے تھے۔ آپ نے بشیر ؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«يَا أَبَا النُّعْمَانِ!»

”اے ابونعمان!“

وہ بولے: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ وَجْهَ عَبْدِ اللّٰهِ لَيُخْبِرُكَ أَنَّهُ قَدْ كَرِهَ طُرُوقَ أَهْلِهِ»

”عبداللہ کا چہرہ تمھیں بتا رہا ہے کہ انھیں اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت جانا اچھا نہیں لگا۔“

جب عبداللہ بن رواحہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَبَرَكَ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ»

”ابن رواحہ! آپ بیتی سناؤ۔“

انھوں نے آپ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح وہ نکلے اور گھر جا کر کیا ماجرا گزرا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَطْرُقُوا النِّسَاءَ لَيْلًا»

”تم اپنی بیویوں کے پاس رات کے وقت اچانک نہ جایا کرو۔“

سیدنا جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔[1]

[1] المغازي للواقدي :375,374/1. یہ اختصار کے ساتھ المستدرك للحاكم :293/4 میں بھی موجود ہے۔

غزوۂ خندق

اس غزوے میں کفار عرب کے سارے جتھے مسلمانوں پر یکبارگی ٹوٹ پڑے، یہودی اور منافقین بھی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس کے باوجود رب ذوالجلال کا کلمہ توحید بلند ہو کر رہا اور مسلمانوں کی شانِ توکل مضبوط سے مضبوط تر ہوگئی

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا

هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا

”اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا تو انھوں نے کہا: یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ کہا اور اس چیز نے ان کو ایمان اور فرماں برداری ہی میں زیادہ کیا۔“ (الاحزاب 33:22)

اس باب میں

دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ یہی خواہش اور کوشش رہی ہے کہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نیست و نابود کردیا جائے۔ یہی ناپاک تمنا یہودِ بنی نضیر کے سرداروں کو مکہ لائی، پھر غطفانی قبائل کو اسلام کے خلاف اکسانے کا موجب بنی، بعدازاں بنوقریظہ کو غداری پر مجبور کیا اور اپنی طرف سے نصرت و اعانت کا بھرپور یقین دلایا۔ ابوسفیان قریشی اور غطفانی قبائل سے دس ہزار کا لاؤلشکر لے کر مرکزِ اسلام مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے نکلا۔ یہ لشکر ہر لحاظ سے پوری طرح مسلح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس لشکر کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر مدینہ کے گرد شمالی جانب خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے بڑی جانفشانی سے خندق کھودی۔ خندق کھودنے اور اس کی مٹی منتقل کرنے میں رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ شریک رہے۔ خندق کی کھدائی کے دوران میں بہت سی روشن نشانیاں اور معجزات ظہور میں آئے۔ ایک طرف دشمن کا دس ہزار کا لشکر تھا اور دوسری طرف بنوقریظہ کی غداری تھی جس کے باعث مسلمانوں کے لیے بڑی سنگین صورتحال پیدا ہوگئی۔ اچانک نصرت ربانی نے دستگیری کی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار اور ان کے اتحادیوں میں پھوٹ ڈال دی، پھر کافروں کے لاؤلشکر پر زبردست آندھی کے جھکڑ بھیج دیے۔ ان کا کوئی خیمہ بچا نہ جملہ ساز و سامان۔ وہ آگ جلا سکتے تھے نہ قرار پکڑ سکتے تھے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر نکل بھاگے۔ آئندہ اوراق اسی غزوے کی روح پرور تفصیل پیش کرتے ہیں۔

غزوۂ احزاب

احزاب کی یہ اہم جنگ بظاہر مسلمانوں کے خلاف قریشی اور غطفانی جنگ تھی مگر اپنے دوررس مقاصد کے اعتبار سے یہ یہودی جنگ تھی۔ وہ اصل ہاتھ جو اس خوفناک حملے کے پس پردہ کارفرما اور مسلمانوں کی تباہی کے درپے تھا، وہ یہودی ہاتھ تھا۔

غزوۂ احزاب کا مقصد مدینہ پر قبضہ کرنا، مسلمانوں کا خاتمہ کرنا اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔ یہ غزوہ اس طے شدہ منصوبے کے مطابق تھا جو یہودی سرداروں نے بنایا تھا۔ انھی کی ترغیب پر قریشِ مکہ نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے دس ہزار کا لشکر جمع کیا۔ محمد ﷺ اور آپ کی دعوت سے یہود کا اختلاف نسلی تعصب کی بنا پر تھا۔ یہود اپنے سوا ہر بشر سے عداوت و کراہت رکھتے ہیں اور یہ عداوت ان کے دلوں میں جاگزین ہے۔ ان کی بنیاد دھوکے بازی، دسیسہ کاری، معرکہ آرائی اور نفع اندوزی پر ہے۔

احزاب اور خندق کی وجہ تسمیہ

غزوۂ احزاب کے دو نام ہیں: 1 خندق 2 احزاب۔

خندق دراصل فارسی لفظ ''کندہ'' کا معرب ہے جس کے معنی ''کھودے گئے'' کے ہیں۔ کاف ''خ'' سے اور ہائے ہوز ''ق'' سے بدلی گئی ہے جس طرح ''پیادہ'' سے ''بیدق'' ہوگیا ہے۔ اس غزوے کو خندق اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مدینہ کے گرد خندق کھودی تھی۔ عرب میں اس سے پہلے اس کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ خندق کا طریقِ دفاع ایرانی لوگ اپنی جنگوں میں بروئے کار لاتے تھے۔ سب سے پہلے ایرانی بادشاہ منوچہر بن اِیرج نے خندق کھدوانے کا رواج ڈالا تھا۔

احزاب، حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ اس جنگ کو احزاب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قریش، بنوغطفان، بنوسُلیم اور ان کے ہمنوا سب کے سب مل کر اہلِ حق پر چڑھ دوڑے تھے۔[1]

غزوۂ خندق کی تاریخ

جبل سلع پر مسجد فتح جہاں سے خندق کی کھدائی شروع ہوئی

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ احزاب غزوۂ احد کے دوسال بعد پیش آیا۔ جمہور مؤرخین اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5 ھ میں پیش آیا۔ واقدی کے بقول رسول اللہ ﷺ نے بروز منگل 8 ذوالقعدہ 5 ھ کو دفاعی پوزیشن لی۔ دشمنوں نے پندرہ دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ناکام و نامراد لوٹا دیا تو رسول اللہ ﷺ بروز بدھ 23 ذوالقعدہ کو واپس تشریف لائے۔[2] ابن سعد نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیر، منگل اور بدھ کو احزاب کے خلاف دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور بروز بدھ ذوالقعدہ 5 ھ میں احزاب کو شکست دی۔[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ غزوۂ خندق 5 ھ میں پیش آیا۔ ابن اسحاق، عروہ بن زبیر، قتادہ، بیہقی اور کئی متقدمین اور متاخرین اہلِ علم نے اس کی صراحت کی ہے۔ جبکہ امام موسیٰ بن عقبہ، زہری اور مالک بن انس رحمہم اللہ نے

---

1 فتح الباري :491,490/7، الروض الأنف : 416/3، سيرة النبي ﷺ (شبلی نعمانی) :245/1. 2 المغازي للواقدي : 379,378/1. 3 الطبقات لابن سعد :65/2 و 73.

کہا ہے کہ غزوۂ احزاب 4 ہجری میں پیش آیا۔ اسی طرف امام بخاری کا بھی رجحان ہے۔[1]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے زور دے کر کہا ہے کہ یہ غزوہ 4 ھ میں پیش آیا تھا۔ وہ اپنے اس موقف میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: ''احد کے دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ان دنوں میں چودہ برس کا تھا، پھر پندرہ برس کی عمر کو پہنچا تو مجھے غزوۂ خندق کے موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا گیا۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شرکت کی اجازت مرحمت فرما دی۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف اہلِ علم کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ جنگِ احزاب 4 ھ میں ہوئی۔ یہ علماء اسلامی سال کی ابتدا اس محرم سے کرتے ہیں جو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیا۔ اس سے پہلے والے مہینوں کو وہ شمار نہیں کرتے۔ مؤرخ یعقوب بن سفیان نے اپنی کتاب ''تاریخ'' میں اس چیز کو بنیاد بنایا ہے۔ لہٰذا ان علماء کے نزدیک غزوۂ بدر کبریٰ 1 ھ میں، احد 2 ھ میں اور خندق 4 ھ میں ہوا۔

لیکن یہ بنیاد نہایت کمزور اور جمہور اہل علم کے موقف کے خلاف ہے۔ جمہور اہل علم نے اسلامی سال کی ابتدا اس سال کے ماہِ محرم سے کی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تھی۔ لہٰذا ان علماء کے موقف کے مطابق جنگ بدر 2 ھ میں، جنگ احد 3 ھ میں اور جنگ خندق 5 ھ میں ہوئی ہے اور یہی موقف مضبوط اور معتمد ہے۔[3]

امام بیہقی کہتے ہیں کہ درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد غزوۂ بدر کی قیادت فرمائی، اڑھائی سال بعد معرکۂ احد پیش آیا، پھر ساڑھے چار سال بعد غزوۂ خندق ہوا، لہٰذا جو لوگ غزوۂ خندق کے 4 ھ میں رونما ہونے کے قائل ہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غزوہ چار سال بعد لڑا، جبکہ ہجرت کا پانچواں سال شروع نہیں ہوا تھا اور جو 5 ھ کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہ غزوہ پانچویں سال میں ہوا لیکن پانچواں سال ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما احد کے دن چودھویں برس کے آغاز میں تھے اور خندق والے دن پورے پندرہ برس کے ہو چکے تھے۔ اس کی تائید ابن اسحاق کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ احد کے دن ابوسفیان نے مسلمانوں کو دھمکی دی کہ آئندہ سال بدر میں مقابلہ ہوگا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کے اگلے سال بدر جا پہنچے لیکن ابوسفیان خشک سالی کا بہانہ بنا کر مقابلے میں نہ آیا۔ جب وہ اپنا

---

[1] البداية والنهاية: 95/4، المغازي لموسى بن عقبة، ص: 214، صحيح البخاري، قبل الحديث: 4097. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 185، صحيح البخاري: 4097. [3] فتح الباري: 492,491/7.

لشکر لے کر عسفان کے قریب پہنچا تو اس کا دل اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے اپنی قوم میں فوراً یہ اعلان کر دیا کہ لڑائی اسی وقت مناسب ہوتی ہے جب ہریالی اور شادابی ہو، لہٰذا وہ لوگ وہیں سے واپس چلے گئے۔ [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی اسی طرف میلان رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: دونوں اقوال میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5 ھ میں پیش آیا۔ جنگ احد 3 ھ میں ہوئی۔ اس موقع پر مشرکین نے آئندہ سال جنگ کی دھمکی دی تھی، تاہم انھوں نے خشک سالی کا عذر تراش کر پسپائی اختیار کی اور واپس چلے گئے۔ 5 ھ میں پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے آ گئے۔ [2]

غزوۂ خندق کے اسباب

غزوۂ خندق کے تین اہم اسباب بیان کیے جاتے ہیں:

1 جب سے رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلانا شروع کیا تھا، اسی وقت سے شیطان نے بھی سر اُٹھایا اور اس کے چیلے چانٹے کفار و مشرکین اسلام اور مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے۔ کُفّارِ قریش ہر آن مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے کے درپے رہتے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مرکزِ اسلام مدینہ منورہ میں اپنے دفاع کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ ایک اہم سبب جس نے مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب ازسرنو بھڑکا دیا، وہ غزوۂ احد میں ان کی محرومی و نامرادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اگلے سال مدینہ میں داخل ہو کر مسلمان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک ارادے ملیامیٹ کر دیے اور وہ راستے ہی سے مکہ لوٹ گئے۔ دراصل ان پر مسلمانوں کی دہشت چھائی ہوئی تھی، اس لیے وہ واپس بھاگ گئے۔

[1] فتح الباري :491/7، دلائل النبوة للبيهقي :396,395/3. [2] زاد المعاد :269/3.

وادی عسفان کا ایک خوبصورت منظر

2 غزوۂ احد کے بعد کفارِ قریش کا شام کی طرف جانے والا تجارتی راستہ بند ہو گیا اور ان کے تمام فوجی اور اقتصادی منصوبے دھرے رہ گئے۔ میدانِ احد سے ان کی پسپائی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہر طرف فوجی دستے روانہ کیے تاکہ مدینہ پر حملے کے لیے آنے والے ہر کافر کا سر کچل دیا جائے۔ یوں مشرکین مسلمانوں کی ہر آن بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر غم و غصے کی آگ میں جلنے لگے۔ 4 ھ میں وہ لڑے بغیر عسفان سے لوٹ کر مکہ پہنچے تو اسی فکر میں لگ گئے کہ وہ عرب قبائل کو جمع کریں اور انھیں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ڈرا کر ان سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں، چنانچہ انھوں نے بدوی قبائل کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ اگر وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مشرکین قریش کے ساتھ جمع نہیں ہوں گے تو ایک دن یہ مسلمان ان لوگوں پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیں گے۔

3 غزوۂ خندق کا ایک بڑا سبب یہود بنونضیر کا مدینہ سے اخراج تھا۔ مسلمانوں نے ان کی شرانگیزی اور فتنہ پروری سے بچنے کے لیے انھیں مدینہ سے نکال دیا تھا۔ خیبر پہنچنے کے بعد بنونضیر چپکے چپکے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ ان کے لیڈر مکہ گئے تاکہ کفارِ قریش اور دیگر قبائلِ عرب کے ساتھ نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کرنے کا معاہدہ کریں۔ اس لحاظ سے یہود بنونضیر کی مدینہ سے جلاوطنی بھی ایک بڑی وجہ تھی جس کے باعث تاریخ کا یہ بے حد اہم واقعہ رونما ہوا۔[1]

نبیِ کریم ﷺ سے یہود کا بُغض و عناد

یہود نبی کریم ﷺ اور آپ کی دعوتِ حق سے اس قدر بغض و عناد رکھتے تھے کہ ان کے مقابلے میں قریش اور ان کے حلیفوں کی اسلام دشمنی بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ قریش نے ابتدا میں اپنی قوت اور مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے انھیں آزمائشوں سے دوچار کیا اور ان میں سے بعض کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ان ظالموں نے آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور آپ کو اپنا وطن عزیز چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے تو آپ نے یثرب کے قبائل (اوس اور خزرج) کے ساتھ ایک زبردست فوجی محاذ بنانے میں سبقت کر لی۔ اس میں وہ مہاجرین بھی شامل ہو گئے جنھوں نے اپنے دین کی خاطر وطن چھوڑا اور مدینہ کی چھاؤنی میں مقیم ہو گئے۔ یہ طاقتور فوجی محاذ تھا جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مؤثر دفاع کا ذریعہ تھا۔

اس صورتحال کی وجہ سے یہود کے غیظ و غضب کے شعلے بھڑک اٹھے اور وہ مغلوب ہو گئے۔ ان حالات نے انھیں مسلمانوں کے خلاف قریش جیسی کسی بھی قسم کی جنگی کارروائی سے عاجز کر دیا، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہود

1 مرويات غزوة الخندق، ص :55,54، زاد المعاد :270/3، فتح الباري :491/7، الصادق الأمین، ڈاکٹر لقمان السلفی، ص : 443,442.

اہلِ مکہ کی شامی راہِ تجارت

جزیرہ نمائے عرب میں عرصۂ دراز سے رہنے کے باوجود ایک اجنبی عنصر تھے اور وہ ہزاروں سال سے عربوں کے ساتھ رہنے کے باوجود ان میں گھل مل نہیں سکے تھے۔

غزوۂ احزاب سے پہلے یہودیوں نے حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جو کچھ بھی کیا، وہ محض جاسوسی اور مسلمانوں کے خلاف افواہیں پھیلانے اور خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے کی کوششیں تھیں۔ لیکن ان کی انتہائی کوشش یہود بنی نضیر کا یہ سیاہ عمل ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو سازش کے ذریعے شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اِسی گھناؤنی کوشش کے نتیجے میں بنونضیر کو جلاوطنی بھگتنی پڑی۔[1]

احزاب کی جتھے بندی کے لیے یہود کی سوچ بچار

بنونضیر کی جلاوطنی کے سبب نبی کریم ﷺ کے خلاف یہود کا بُغض نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ اب ان کے قائدین کسی ایسے منصوبے کی تیاری کے لیے سوچ بچار کرنے لگے جو مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ اور اسلام کے وجود کی بنیادیں منہدم کر دے۔ خیبر منتقل ہو کر پہلے تو انھوں نے یہ انتظار کیا کہ دیکھیں مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان جو جنگ چل رہی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے لیکن جب دیکھا کہ حالات مسلمانوں کے لیے روز بروز سازگار ہو رہے ہیں، گردشِ لیل ونہار نے ان کے اثر ونفوذ میں اضافہ کر دیا اور ان کے غلبے اور حکمرانی کا سکہ دور دور تک بیٹھ گیا ہے تو وہ غم وغصے کی آگ میں جلنے لگے اور انھوں نے نئے سرے سے سازش کا جال پھیلایا۔

چونکہ یہودیوں کو براہِ راست مسلمانوں سے ٹکرانے کی جرأت نہیں تھی، اس لیے انھوں نے پوری بحث اور غور وفکر کے بعد مسلمانوں کے خلاف ایک ہمہ گیر اور تباہ کن منصوبہ تیار کر لیا جس میں طاقتور عرب قبائل کی زیادہ سے زیادہ تعداد خصوصاً اہلِ نجد، کنانہ اور قریش کے قبائل کو شریک کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ اس جنگ کی

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :446/1.
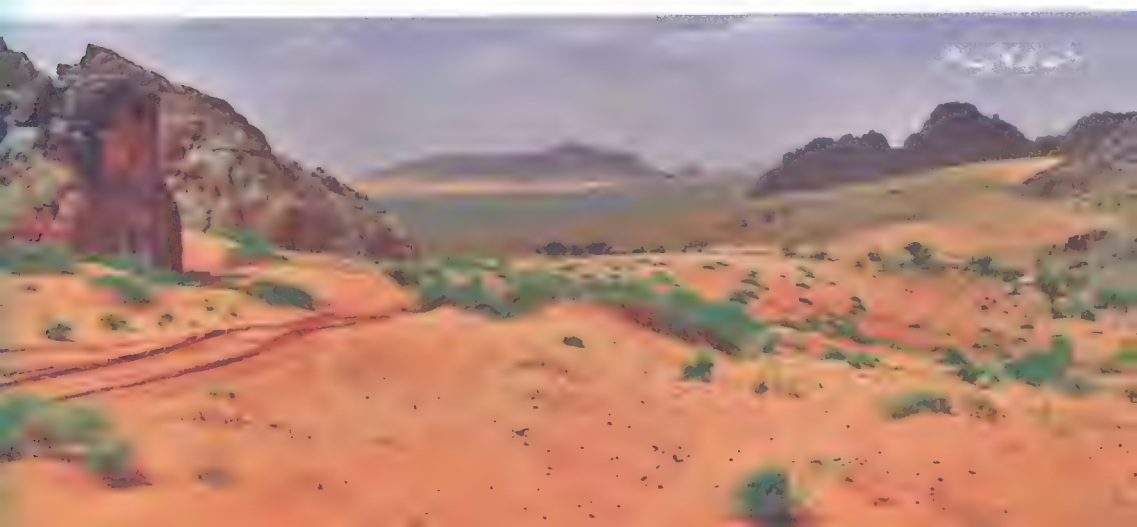
دعوت اور تنظیم کی ذمہ داری خیبر کے یہود لیں گے اور مالی اخراجات کا بڑا حصہ بھی وہی برداشت کریں گے۔[1]

یہودی وفد کی تشکیل

اس شیطانی سوچ کو عملی شکل دینے کے لیے یہودِ خیبر نے ایک وفد تشکیل دیا جو مطلوبہ تعداد میں افواج کی تیاری کے لیے عرب قبائل سے رابطہ کرے۔ اس وفد کے ارکان یہ تھے:

- حُیَی بن اخطب نضری
- ابو رافع سلام بن ابی الحُقَیق نضری
- کنانہ بن الربیع بن ابی الحُقَیق نضری
- ہوذہ بن قیس وائلی
- ابو عمار وائلی
- ربیع بن ابی الحقیق
- وحوح بن عامر

قبائل عرب سے مدد کے طالب بنو وائل اور یہودی گروہ کا شجرہ

★ بعض نسابوں کے مطابق بنو قحطان کا سلسلۂ نسب براہ راست سام بن نوح سے نہیں ملتا بلکہ بنو قحطان اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے سامی النسب ہیں۔

ان لوگوں کے ساتھ بنو نضیر اور بنو وائل کے کچھ اور لوگ بھی شامل تھے۔ انھوں نے قریش اور غطفانی قبائل کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف خوب اکسایا اور انتقام کی آگ بھڑکائی۔[2]

یہودی وفد دیارِ قریش میں

اگرچہ غطفان کے نجدی قبائل کی بستیاں حجازی قبائل کی نسبت یہودی وفد کے زیادہ قریب تھیں مگر یہودی وفد سب سے پہلے مکہ گیا اور مشرکین کے سرداروں سے رابطہ کیا، انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اُکسایا اور یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے شانہ بشانہ ہوں گے یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) اسلام اور بانیٔ اسلام کو ختم

---

1 موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :447,446/1، الرحيق المختوم، ص : 314. 2 السيرة لابن هشام : 225/3، تفسير الطبري، النساء 51:4.

کر کے دم لیں گے۔

زعمائے مکہ یہودی منصوبے کی تفصیل سُن کر خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ انھوں نے اس منصوبے کی تیاری اور اس کی تنفیذ کی کوشش کے لیے یہود کی اس زبردست جد و جہد کا شکریہ ادا کیا اور اس منصوبے پر کامل اتفاق اور بھرپور تیاری کا یقین دلایا۔[1]

دارالندوہ میں اجلاس

یہودی وفد کی پیش کش پر دارالندوہ میں خصوصی اجلاس بلایا گیا۔ اس کا ایجنڈا اسلام کے خلاف جنگ اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے بت پرست عربوں اور یہودیوں کا متحدہ محاذ بنانا تھا۔ یہودی منصوبے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے سے رؤسائے مکہ کو معلوم ہوا کہ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے اسلام اور اہلِ اسلام کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا، چنانچہ ارکان مجلس نے یہودی وفد کو مکمل وفاداری کا یقین دلایا۔ اس موقع پر مکی لشکر کے سالار ابوسفیان نے اپنی تقریر میں دارالندوہ کے ارکان اور دیگر قریش کی طرف سے اس جنگی منصوبے کو سراہا۔ اس نے مکہ کے سرداروں سے کہا: یہود کو خوش آمدید کہو۔ ان لوگوں نے محمد (ﷺ) کے خلاف ہماری مدد کی ہے۔ یہ ہمیں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔[2]

غلافِ کعبہ سے چمٹ کر معاہدے کا اعلان

یہودیوں کو اور کیا چاہیے تھا، انھوں نے ابوسفیان کی آمادگی دیکھ کر کہا: آپ قریش میں سے پچاس سردار چن لیں اور

[1] السيرة لابن هشام :225/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :447/1. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل : 448/1، سبل الهدٰى والرشاد :363/4.

آپ بھی ان میں سے ایک ہوں، پھر ہم سب جا کر کعبہ کا غلاف پکڑیں اور کعبہ کی دیواروں سے اپنے سینے چمٹا کر عہد کریں کہ ہم پیغمبرِ اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے۔ جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا، وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ ہم ایک دوسرے کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے اور محمد (ﷺ) کے خلاف ہم سب یک جان رہیں گے، چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے غلافِ کعبہ پکڑ کر اور اپنے سینے اس کی دیواروں سے چمٹا کر اسلام اور مسلمانوں کا صفایا کرنے کا عہد کرلیا۔[1]

یہود کا کتمانِ حق

قریش نے یہودی وفد سے سوال کیا: اے جماعتِ یہود! تم لوگ پہلی آسمانی کتاب والے اور صاحب علم ہو اور جس بات میں ہمارا اور محمد (ﷺ) کا اختلاف ہے، اسے خوب جانتے ہو۔ اب تم ہی بتاؤ: کیا ہمارا دین بہتر ہے یا اس کا؟ جبکہ ہم بیت اللہ کو آباد کرنے والے ہیں، اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، فربہ اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

یہودیوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم محمد (ﷺ) سے کہیں زیادہ حق کا دامن پکڑے ہوئے ہو کیونکہ تم اس گھر کی تعظیم کرتے ہو۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہو۔ فربہ اونٹ ذبح کرتے ہو اور ان خداؤں کی پرستش کرتے ہو جن کی تمھارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ

[1] المغازي للواقدي :379/1.

عَلٰی مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ○ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ○﴾ (النسآء 4:51-55)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور باطل معبود پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، پھر تم کوئی اس کی مدد کرنے والا ہرگز نہیں پاؤ گے۔ یا ان کے پاس سلطنت کا کچھ حصہ ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے۔ کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا؟ پس ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی دی۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے باز رہے اور ان کے لیے دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے۔''[1]

یہودی بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے

جب یہودی وفد نے قریش کو فتویٰ دے دیا کہ ان کا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے تو ابوسفیان نے کہا: اے یہود کی جماعت! ہمیں تمھاری اس بات پر اس وقت تک یقین نہیں آ سکتا جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کرو، چنانچہ سب یہودیوں نے جن میں ان کے چوٹی کے علماء بھی شامل تھے، بتوں کو سجدہ کیا۔[2]

قریش نے جب یہودی علماء کے منہ سے اپنے مذہب کی تعریف و حمایت سنی تو وہ خوشی سے جھوم اُٹھے۔ وہ یہود کی طرفداری اور حمایت میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے۔ ان کا مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا۔ انھوں نے یہود کی حمایت اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے ان سے شراکت کا سرِعام اعلان کر دیا اور انھیں اپنی وفاداری کا حلف بھی دے دیا۔[3]

مستشرق ولفسن کا یہود پر تبصرہ

مستشرق ولفسن یہود پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہودی وفد جو ان کے احبار اور سرداروں پر مشتمل تھا، انھیں اچھی طرح علم تھا کہ کعبہ مقدسہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنایا تھا۔ اس کے برعکس مشرکین نے اس میں تین سو ساٹھ بت نصب کر

1 السيرة لابن هشام :3/225، البداية والنهاية :4/96. 2 السيرة الحلبية :2/629. 3 تاريخ اليهود في بلاد العرب، ص : 310، السيرة لابن هشام :3/226.

احزاب میں شریک قبائل عرب
★ قریش، احابیش، بنو سُلیم اور بنو اسد
★ غطفان (مُرّہ، اشجع، فزارہ)
بحیرۂ روم
عمّان
یروشلم
(القدس)
غزہ
اردن
بنو عدوان
بتراء
کلب
دومۃ الجندل (الجوف)
کلب
ایلہ
صحرائے نفود
مدین
سیناء
تبوک
قضاعة
قرنا
بلي
أسد
بنو عامر
تیماء
أشجع
طيء
تميم
جذام
مدائن صالح (الحجر)
غطفان
هلال
باهلة
ذبيان
وادی القریٰ
خیبر
عذرة
غطفان
وادی رُمّہ
جديلة
عبس
جبل قطن
جديلة
قردہ
فزاره
مُرّہ
أملج
جُهينه
مُزينه
خزرج
مصر
مدینہ منورہ
اوس
بحیرۂ احمر
غفار
نجد
بدر
بئر معونہ
معدن بنی سُلیم
(مہدالذہب)
عامر
خزاعة
ابواء
حجاز
بحیرۂ قلزم
بنو سليم
(رعل . ذكوان . عصيه)
رابغ
كنانه
ودان
بنو اسلم
خزاعه
هذيل
بنو لحيان
الرجیع
عسفان
جرهم
قريش
جدہ
مکہ مکرمہ
نوبیہ
بنو عامر
هوازن
احابيش
اوطاس
شعیبہ
طائف
عدوان
ثقيف
سوڈان
بورسوڈان
(پورٹ سوڈان)
سعد
بجيله
كنانة
یلملم
مازن
ازدشنوءه

رکھے تھے جن کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جبکہ مسلمان اپنی جبینِ نیاز صرف اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں جھکاتے تھے۔ ان تمام حقائق کو جانتے ہوئے بھی یہود نے ایک غیر متوقع فائدے کی خاطر اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ صدیاں بیت گئیں لیکن ان کے ماتھے سے اس داغ کی سیاہی صاف نہیں ہوئی۔ ان کے اپنے مصنفین نے بھی ان کی اس دروغ گوئی پر بڑی لعن طعن کی ہے۔

ڈاکٹر ولفسن مزید لکھتا ہے: ''جو چیز ہر صاحبِ ایمان کے دل کو دکھاتی ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی، وہ اس یہودی وفد کی مشرکین مکہ کے ساتھ گفتگو ہے جس میں انھوں نے مکہ کے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دی جو اللہ وحدہ لاشریک پر محکم ایمان رکھتے ہیں۔'' [1]

یہودی وفد غطفانی قبائل کے روبرو

جب یہودی وفد نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کے منصوبے پر قریش کی رضا مندی حاصل کر لی تو اس کے بعد یہ شریر وفد نجد میں دیارِ غطفان کی طرف گیا۔ انھیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا۔ قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا، اسے خوب بنا سنوار کر پیش کیا اور ساتھ ساتھ یہ لالچ بھی دیا کہ اگر وہ اس جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو اس سال خیبر کے باغات کی کھجوروں کا نصف حصہ انھیں دے دیا جائے گا۔

بنومرہ کے ایک سمجھدار آدمی حارث بن عوف نے عیینہ بن بدر اور بنوغطفان سے کہا: میری بات مان لو۔ محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کرو۔ اس کی اور اس کے عرب ساتھیوں کی راہ چھوڑ دو، وہ خود ہی آپس میں نمٹ لیں گے...... لیکن شیطان بنوغطفان پر مسلط تھا۔ لالچ نے انھیں مکمل طور پر ہلاکت میں

---

[1] تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ص: 142

ڈال دیا تھا۔ انھوں نے حارث بن عوف کی بات نہ مانی اور بنوفزارہ کے سردار عیینہ بن بدر کی بات مان لی اور رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ عیینہ بن بدر نے اپنے دوست قبیلے بنو اسد کو دعوت دی، چنانچہ بنو اسد کے سردار طلیحہ اسدی نے بھی یہ دعوت قبول کرلی۔ قریش نے بنوسلیم کو دعوت دی تو ابوالاعور بنوسلیم کی جماعت لے کر ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوگیا۔ بنوفزارہ، بنومرہ اور بنواشجع قبائل نے بھی اس جنگ کی افرادی قوت میں خاصا اضافہ کیا۔[1]

یہودی وفد کی کامیابی

غطفانی قبائل کے ساتھ مذاکرات میں یہود کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ قبائل بھی بت پرستوں اور یہود کے عسکری اتحاد کے لیے قریش سے کم پُر جوش نہ تھے۔ ان قبائلِ غطفان نے مدینہ پر تنہا حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں جو ناکام ہوگئیں کیونکہ جونہی نبی کریم ﷺ کو ان کی کسی جنگی سرگرمی کا علم ہوتا تھا، آپ بڑی سرعت کے ساتھ ان پر کاری ضرب لگا کر ان کی جارحانہ کوششیں ناکام بنا دیتے اور ان کی افواج کو حرکت میں آنے سے پہلے ہی پراگندہ کر دیتے تھے، اس لیے جب یہود نے اپنے منصوبے میں ان قبائل کو قریش اور یہود کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے میں شرکت کی دعوت دی تو یہ ان قبائل کے دِل کی آواز ثابت ہوئی۔[2]

غطفان سے معاہدہ اور اس کی شرائط

غطفان کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کی اہم شقیں یہ تھیں:

ا) اتحادی لشکر میں غطفان کے چھ ہزار جنگجو شامل ہوں گے۔

ب) یہود تعاون کے صلے میں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں غطفانی قبائل کو دیں گے۔

موسیٰ بن عقبہ اور جمہور سیرت نگاروں نے نصف پھل کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

اس طرح یہودی وفد قبائل قریش اور غطفان سے دس ہزار جانبازوں کے لاؤلشکر کا انتظام کر کے لوٹا اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنی بڑی تعداد میں حریف کی کسی فوج کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہودی وفد نے قریش کے قائدین کو اس معاہدے کی تفصیلات پہنچا دیں جو غطفان سے طے پایا تھا تاکہ اس کے مطابق جنگ منظم کی جائے۔ اس سے قریش کو بہت خوشی ہوئی۔[3]

---

[1] المغازي لموسى بن عقبة، ص: 215، مرويات غزوة الخندق، ص: 55,54. [2] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 450/1. [3] موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 450/1، عيون الأثر، ص: 268.

قریش کی تیاری

ادھر قریش نے اپنے حلفاء سمیت چار ہزار جنگجو جمع کر لیے۔ ان کی فوج تنظیمی مہارت، عمدہ اسلحے اور وافر خرچ کے لحاظ سے بہترین فوج تھی۔ نقل و حمل کے لیے قریش کے پاس پندرہ سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔

قریش نے دارالندوہ میں عَلَم باندھا اور عثمان بن طلحہ عبدری کو دے دیا۔ فوج کی کمان ابوسفیان بن حرب اموی کے سپرد کر دی گئی اور خالد بن ولید مخزومی نے سواروں کی کمان سنبھالی۔ یہ مدت سے جاری ایک عسکری نظام کے تحت ہوا۔ وہ نظام یہ تھا کہ فوج کی عام کمان بنو امیہ میں ہو، سقایہ اور رفادہ (وصولی ٹیکس) بنو ہاشم میں ہو۔ جنگوں میں خانہ کعبہ کی پاسبانی بنوعبدالدار کریں، سواروں کی کمان ہمیشہ بنو مخزوم میں ہو۔

بنوسلیم انھیں مرالظہران میں ملے۔ ان کی قیادت ابوالاعور کا باپ سفیان بن عبدشمس کر رہا تھا۔[1]

غطفانی لشکروں کے سالار

قبائل غطفان کا لشکر اپنے حلیفوں سمیت چھ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا جو چار کمانوں میں تقسیم تھا:

1. بنوفزارہ کی قیادت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر کر رہے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔
2. بنو اسد طلیحہ بن خویلد اسدی کے زیرِ کمان تھے۔ یہ بھی بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔
3. بنو اشجع کے کمانڈر مسعر (مسعود) بن رُخَیلہ تھے، انھیں بھی بعد ازاں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔
4. بنو مرہ کے سالار حارث بن عوف بن ابوحارثہ تھے۔ انھوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا۔[2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰی :451,450/1، سبل الهدٰی والرشاد :364/4. [2] السيرة لابن هشام :226/3، موسوعة الغزوات الكبرٰی :451/1، سبل الهدٰی والرشاد :364/4.

سد (ڈیم) وادی مرالظہران نزد مکہ مکرمہ

احزابِ کفار کی مدینہ پر یلغار
قریش، کنانہ اور سُلیم کی یلغار
غطفان (اشجع، فزارہ، عبس، مرہ) اور اسد کی یلغار
حائل
کہفیہ
جبل اجا
جبل سلمٰی
فَید
بنو طے
مدائن صالح
(الحجر)
نجد
غمرہ
بنو اسد
فدک (الحائط)
جبل قطن
خیبر (یہود)
اشجع
قبائل غطفان
عبس
عقلۃ الصقور
وادی الرمہ
فزارہ
مرہ
نقرہ
بنو ثعلبہ
وادی الحمض
الحناکیہ
بواط
الربذہ
ضربہ
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
وادی العقیق
بدر
قرقرۃ الکدر
عفیف
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
ابواء
وادی فرع
بنو سلیم
رابغ
نجد
ذات عرق
عسفان
کنانہ
عشیرہ
مر الظہران
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
وادی غرنہ
یہودِ خیبر، قریش اور غطفان کے وفود
یہود کا وفد سُوئے قریش
یہود کا وفد سُوئے غطفان
قریش کا وفد سُوئے بنو سُلیم
غطفان کا وفد سُوئے بنو اسد

کفار کا سالارِ اعظم اور احزاب کی تعداد

جب اتحادی لشکر مختلف کمانوں میں مرالظہران پہنچے تو مجموعی طور پر ان کی کمان قریشی سردار ابوسفیان بن حرب کو سونپ دی گئی۔

اتحادیوں کے انبوہِ کثیر میں چار ہزار جنگجو قریش اور ان کے حلیفوں پر مشتمل تھے۔ غطفانی اپنے حلیفوں سمیت چھ ہزار تھے۔ واقدی نے ان لشکروں کی علیحدہ علیحدہ تعداد بھی بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں: قریش اور احابیش 4000، بنوسلیم 700، بنوفزارہ 1000، بنواشجع 400، بنومرہ 400۔ ان کی مجموعی تعداد 6500 بنتی ہے۔ باقی جنگجو غطفان اور بنواسد کے تھے جن کی تعداد 3500 تھی۔ اس طرح یہ لشکر 10,000 جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔[1] انھی کو اللہ تعالیٰ نے ''احزاب'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔[2]

مدینہ میں مجلس شوریٰ کا اجلاس

اسلامی ریاست مدینہ کی قیادت دشمن کی حرکات وسکنات سے مکمل طور پر باخبر تھی۔ یہودی وفد کے خیبر سے مکہ جانے پر بھی مسلمانوں کی نظر تھی۔ انھیں یہود وقریش اور پھر یہود وغطفان میں طے پانے والے معاہدے کا بھی بخوبی علم تھا۔ دشمن کی ان سرگرمیوں ہی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے دفاعی انتظام کیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کو جب احزاب کی پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فوری طور پر جنگی قائدین کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں یہود کی چال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال اور مدینہ کے دفاعی معاملات زیرِ بحث آئے۔[3]

مسلمانوں کے لیے الجھن

اسلامی قیادت نے مدینہ کے دفاع کے لیے شمالی جانب کا انتخاب کیا تھا کیونکہ یہی واحد راستہ تھا جہاں سے دشمن مدینہ پر حملہ کر سکتا تھا اور حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں تھی لیکن منصوبہ بندی کے وقت ایک الجھن ایسی پیش آئی جو مسلمانوں کے لیے تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ اگر احزاب کی افواج یکبارگی دھاوا بول دیں تو مسلمانوں کے لیے ثابت قدم رہنا کیسے ممکن ہوگا؟ اگر کفار مدینہ کے شمالی راستوں کے آس پاس برسرِ پیکار ہوں گے تو وہ انھیں مدینہ پر قبضہ کرنے سے کس طرح روکیں گے؟

---

[1] المغازي للواقدي :381,380/1، السيرة النبوية للمهدي (حاشية) :549/1، عيون الأثر، ص : 268. [2] فتح الباري : 491/7. [3] السيرة النبوية للصلابي :258/2.

اسلامی لشکر کے جوان اگرچہ شجاعت میں بے مثل تھے جوان کے اندر سچے عقیدے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی مگر دشمن کی اس قدر بھاری تعداد کو بھی قرینِ عقل رکھنا ضروری تھا کیونکہ کثرت بسا اوقات شجاعت پر غالب آجاتی ہے۔[1]

خندق کا مشورہ کس نے دیا؟

مسجد سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

مسلمان ایسی دفاعی تدابیر سوچ رہے تھے جنھیں بروئے کار لا کر وہ ان لشکروں کے ارادے تہ و بالا کر دیں۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ارکانِ شوریٰ میں شامل تھے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

إِنَّا كُنَّا بِفَارِسَ إِذَا حُوصِرْنَا خَنْدَقْنَا عَلَيْنَا فَهَلْ لَّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنْ نُّخَنْدِقَ؟

”(اے اللہ کے رسول!) ہم جب فارس میں تھے اور ہمیں دشمن کے محاصرے کا خدشہ محسوس ہوتا تو ہم اپنے علاقے کے گرد خندق کھود لیتے تھے، تو کیا ہم مدینے کے گرد خندق نہ کھود لیں؟“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ بہت پسند آیا کیونکہ پیش آمدہ صورتِ حال میں یہ نہایت موزوں تھا۔

چنانچہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بڑی سعادت کی بات تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو ترغیب دینے کے لیے اس کام میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی سرعت سے کھدائی کا کام کیا یہاں تک کہ وہ دشمن کی آمد سے پہلے ہی اس کام سے فارغ ہوگئے۔ مشرکین جب آئے تو انھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔[2]

دفاعی منصوبے کی تفصیل

مسلمانوں کا دفاعی منصوبہ درج ذیل تدابیر پر مشتمل تھا:

1. مسلمان مدینہ کے دفاع کے لیے مدینہ ہی میں موجود رہیں اور احزاب کے مقابلے کے لیے مدینہ سے باہر نہ جائیں۔
2. بڑی دفاعی لائنیں مدینہ کے شمالی طرف ہوں اور جبل سلع پشت پر ہو۔

---

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/453. [2] المغازي للواقدي :1/382، فتح الباري :7/491، تاريخ الطبري :2/234.

3 مسلمان ایک گہری خندق کھودیں جو ان کے اور احزاب کی افواج کے درمیان حائل ہو جائے۔

4 مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو دشمن سے دور محفوظ قلعوں میں اکٹھا کر دیں خصوصاً بنوقریظہ سے دور جن کی بستیاں مدینہ میں ہیں اور مسلمان ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔

5 اسلامی حفاظتی دستے مسلسل رات بھر گشت کر کے مدینہ کی نگرانی کریں۔[1]

خندق کہاں اور کس طرح کھودی گئی؟

جب مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ خندق کھودی جائے تو رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کو ساتھ لے کر جگہ کی نشاندہی کے لیے تشریف لے گئے۔ واقدی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ چند مہاجرین و انصار آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کو اسلامی لشکر کے پڑاؤ کے لیے مدینہ کے شمال میں جبل سلع والی جگہ بہت پسند آئی۔ طے پایا کہ سلع پہاڑ کو اپنے پیچھے رکھا جائے اور مذاد سے ذباب تک اور دوسری طرف راتج کے علاقے تک خندق کھودی جائے۔ جبلِ سلع کو بطور دفاع اختیار کر کے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقبی جانب محفوظ کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر دس افراد کو چالیس ہاتھ (32 میٹر) خندق کی کھدائی کا کام سونپا۔ مہاجرین نے مشرق میں راتج کے قلعے سے

جبل بنی عبید

قلعۂ ذباب تک کھدائی شروع کی جبکہ انصار نے قلعۂ ذباب سے مغرب میں جبل بنی عبید تک کھدائی کا ذمہ لیا۔[2]

باشمیل نے خندق کا نقشہ بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر خندق کھودنے کا جو منصوبہ بنایا گیا، وہ دراصل ایک بڑی خندق کھودنے کا متقاضی تھا جو غربی جانب جبل سلع سے لے کر حرہ وبرہ تک پھیلی ہوئی ہو۔ اس طرح یہ خندق حرہ وبرہ کی مشرقی جانب سے کمان کی شکل میں

---

1 المغازي للواقدي :382/1، فتح الباري :491/7، موسوعة الغزوات الكبرٰى :454/1. 2 المغازي للواقدي :382/1.

مسلمانوں کی دفاعی لائن
جبل سلع اور خندق
خندق جو مہاجرین نے کھودی
خندق جو انصار نے کھودی
جبل احد
خندق
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
وادی قناۃ
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل ذباب
مدینہ منورہ
راتج
جبل سلع
مسجد نبوی
بنو نجار
البقیع
بنو حارث بن خزرج اصغر
السنح
بنوزریق
بنو واقف
بنو بیاضہ
بنو حبلی
قواقلہ
وادی مہزور
بنو قریظہ
وادی مذینب
بنو عوف بن خزرج
چشمہ ازرق
اطم الضحیان
بنو عوف بن مالک
مسجد قبا
قبا
بنو انیف
جبل عیر
ذوالحلیفہ

گزرے، پھر جبل سلع کے آگے خط مستقیم میں مشرقی سمت حرہ واقم کے اطراف تک پھیل جائے جو شرقی جانب سے مدینہ کو گھیرے ہوئے ہو۔ اس طرح یہ خندق احزاب کے پڑاؤ کے درمیان، جو شمالی جانب ہوگا، اور اسلامی افواج کے درمیان، جو حرتین کے بیچ میں جبل سلع کے آگے فروکش ہوں گی، رکاوٹ ڈال دے گی۔ اس لحاظ سے یہ منصوبہ

دوسری جزوی خندقوں کی کھدائی پر بھی مشتمل تھا جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں اور جبل سلع کی غربی سمت میں بڑی خندق تک پھیلی ہوئی تھیں اور جنوب میں وادی بطحان اور رانوناء کے اکٹھا ہونے کی جگہ تک یوں چلی جاتی تھیں کہ یہ ملی ہوئی خندقیں مغربی جانب سے مسجد نبوی کے پیچھے آجاتی تھیں۔[1]

جبل سلع کے قریب اسلامی لشکر کے پڑاؤ کی مصلحت

خندق کے لیے اس جگہ کا انتخاب بڑا موثر ثابت ہوا کیونکہ مدینہ منورہ کا شمالی علاقہ دشمن کے لیے کھلا رستہ تھا جس سے وہ بآسانی مدینہ منورہ میں داخل ہوسکتا تھا۔ دیگر اطراف محفوظ اور ناقابل دخول تھیں، ان اطراف سے دشمن کے درآنے کی راہ میں خاصی رکاوٹیں موجود تھیں۔ جنوب کی

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :455/1.

حرہ وبرہ اور وادی عقیق (مدینہ منورہ)

جانب متصل گھروں کا لمبا سلسلہ محفوظ دیوار کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ جگہ کھجوروں کے باغات سے گھری ہوئی تھی۔ مشرقی جانب حرہ واقم اور مغربی جانب حرہ وبرہ قدرتی دفاعی قلعوں کی صورت اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ بڑی دشوار گزار سنگلاخ چٹانیں تھیں، یہاں سے اونٹوں اور پیدل دستوں کا چلنا اور کوئی کارروائی کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ جنوب مشرق میں بنوقریظہ کے ٹیلے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور بنوقریظہ کے درمیان معاہدہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے خلاف دشمن کا ساتھ دیں گے نہ اسے کوئی مدد فراہم کریں گے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے پڑاؤ کے لیے جو مقام منتخب فرمایا، وہ اسلامی لشکر کی حفاظت کے نقطہ نظر سے بہترین تھا۔ اس جگہ کے انتخاب سے جہاں رسالت مآب ﷺ کی بے خطا بصیرت عیاں ہوتی ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معرکہ آرائیوں میں سب سے پہلے اپنے لشکر کی سلامتی کا اہتمام کرنا کتنا ضروری ہے۔ جنگ کا یہ پہلو جنگ اور اس کے نتائج پر واضح طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔[2]

خندق کی کھدائی میں مسلمانوں کا انہماک

مسلمان پوری دلجمعی اور جوش وخروش سے خندق کی کھدائی میں لگ گئے۔ اسلامی لشکر کی خواہش تھی کہ خندق کی کھدائی احزاب کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے، لہٰذا ممکن حد تک عاجلانہ طور پر کھدائی جاری تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھدائی کا کام انتہائی شدید ضرورت ہی کے وقت چھوڑتے تھے۔ اور یہ کام چھوڑتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ اجازت مرحمت فرماتے، تب وہ اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے خندق سے نکلتے تھے۔ جب وہ اپنی حاجت پوری کر لیتے تو بھلائی کی رغبت اور نبیِ کریم ﷺ کی اطاعت کی حرص میں نہایت عجلت کے ساتھ خندق میں اپنے کام پر واپس آجاتے تھے۔[3]

---

1 السيرة النبوية للصلابي :259/2، العبقرية العسكرية في غزوات الرسول، ص :442. 2 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ، ص :426. 3 السيرة لابن هشام :227,226/3.

مومنوں کی شان میں قرآن کریم کا نزول

مخلص اصحابِ رسول خندق کی کھدائی نہایت سنجیدگی اور اخلاص سے کر رہے تھے۔ وہ اس سلسلے میں ایک لمحے کی غفلت بھی نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ فرمان عالی شان نازل کیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(النور24:62)

''بس مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے۔ (اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں، وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[1]

منافقین کے ہتھکنڈے

مسلمان چاہتے تھے کہ خندق کی کھدائی احزاب کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے لیکن اسلامی فوج کو ابتدا ہی میں ایسے لوگوں کا سامنا کرنا پڑا جو بظاہر مسلمان تھے، مگر وہ ایسی کارروائیاں کرتے تھے جن پر تخریب کاری اور تفرقہ بازی کی چھاپ تھی۔ منافقین کا یہ ٹولا کھدائی کے کام میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا۔ دراصل وہ چاہتے تھے کہ خندق کی کھدائی میں تاخیر ہو جائے اور احزاب کی فوجیں آ کر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

مجاہدین کو حکم تھا کہ کوئی شخص نبیِ کریم ﷺ کی اجازت کے بغیر خندق کا کام نہ چھوڑے لیکن یہ منافقین کام چھوڑ دیتے، آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر ہی کھسک جاتے اور اپنے اہل و عیال کے پاس جا دبکتے۔ ان کی ان تخریبی کارروائیوں کا خندق کی کھدائی میں برا اثر پڑا۔

منافقین بظاہر اسلام لانے اور اسلامی فوج میں شمولیت کے باوجود نبی کریم ﷺ پر تہِ دِل سے ایمان نہیں لائے تھے، نہ انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کی تھی۔ ان کی ظاہر داری تقیہ کے طور پر تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

[1] السيرة لابن هشام: 227/3، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 409,408.

رہ کر اپنے لیے تمام حقوق حاصل کرتے رہیں، حالانکہ وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کرنے پر منافقین کی حیلہ سازی کا پردہ چاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

(النور24:63)

”(اے مومنو!) تم رسول (ﷺ) کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں، لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (اللہ اور اس کے رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ ان پر کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں دردناک عذاب گھیر لے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس مٹی ڈھوتے رہے

خندق کی کھدائی میں سب لوگ برابر کے شریک تھے۔ امیر، غریب اور غلام و آقا میں کوئی فرق نہیں تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی برابر کے شریکِ کار تھے۔ آپ ﷺ خندق بھی کھودتے تھے اور مٹی بھی اٹھاتے تھے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خندق کھودتے اور مٹی ڈھوتے تھے یہاں تک کہ مٹی کی بہتات سے آپ ﷺ کا بطن مبارک ڈھک گیا تھا، آپ ﷺ کے جسم اطہر پر گھنے بال تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار رجزیہ انداز میں پڑھتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ... وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا ... وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا

[1] السيرة لابن هشام: 227/3، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 409,408، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 459/1-461.

إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

”اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت پاتے نہ صدقہ کرتے اور نہ نمازیں پڑھتے۔ لہٰذا ہم پر سکینت (اطمینان) نازل فرما اور دشمن سے مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ یہ لوگ ظلم کی نیت سے ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ اگر یہ ہمیں فتنے (جنگ) پر مجبور کریں گے تو ہم صاف انکار کر دیں گے۔“[1]

حوصلے بلند رکھنے کا نبوی اسلوب

خندق کی کھدائی کے دوران شدید مشکلات سامنے آئیں، مثلاً: موسم انتہائی سرد تھا۔ ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ تنگ دستی کے دن تھے۔ ساتھ ساتھ متوقع دشمن کی آمد کا خوف ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔ کھدائی کا کام بڑا مشکل تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور کمر پر ڈھوتے تھے۔ ان حالات میں رہبر اعظم اور ماہر نفسیاتِ انسانی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صحابہ کے بارے میں یہ بات ہرگز نہیں بھولے کہ صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے جو ان کے دکھ درد کو کچھ وقت کے لیے بھلا دے، چنانچہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے عزمِ صمیم کی تازگی کے لیے اشعار پڑھتے تو نبیِ کریم ﷺ بھی ان کا مستعدی سے جواب دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہاجرین و انصار خندق کھودتے تھے، اپنی کمر پر مٹی ڈھوتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

”ہم تو پیغمبر محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں کہ جب تک جان میں جان ہے، اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔“

اور نبی ﷺ انھیں جواباً دعا دیتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

”مولائے برحق! حقیقی بھلائی تو آخرت ہی کی بھلائی ہے، لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کو برکت عطا فرما۔“[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حالتِ زار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی کٹھن حالات میں گرفتار تھے مگر وہ جذبۂ ایمان سے سرشار تھے۔ بھوک کے ہاتھوں ستائے ہوئے تھے لیکن ان کے عزم و ایمان نے ان کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہیں آنے دی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان

[1] صحيح البخاري: 4106,4104، صحيح مسلم: 1803. [2] صحيح البخاري: 4100، صحيح مسلم: 1805.

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف گئے۔ وہاں شدید سردی میں مہاجرین و انصار کام کر رہے تھے۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کے بدلے کام کرتے۔ جب نبی کریم ﷺ نے تھکن اور بھوک کے سبب ان کی حالتِ زار دیکھی تو ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ　　فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! حقیقی زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لیے تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما دے۔''

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو یہ جواب دیا:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا　　عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد پر قائم رہیں گے۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ایک مٹھی یا دو مٹھی مقدار میں جو لائے جاتے تھے، پرانے بدمزہ تیل میں جو پکا کر انھیں پیش کیے جاتے۔ پرانے تیل کی وجہ سے جو سے اتنی سخت بدبو آتی تھی کہ اسے حلق سے نیچے اتارنا مشکل تھا لیکن بھوک اس غضب کی ہوتی تھی کہ وہ لوگ اسے بخوشی کھا لیتے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے شکمِ اطہر پر دو پتھر

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنا پیٹ کھول کر اس پر بندھا ہوا ایک ایک پتھر دکھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔[3]

بنت بشیر کی کھجوروں میں برکت

سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ بشیر بن سعد کی بیٹی، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی بہن نے بیان کیا کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے مجھے بلا کر ایک لپ کھجوریں دیں، پھر کہنے لگیں: بیٹی! یہ ناشتا اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دے۔ میں نے وہ کھجوریں لیں اور چل پڑی۔ وہاں اپنے والد اور ماموں کو تلاش کرتے کرتے میرا گزر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہوا۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4098، صحيح مسلم: (127)-1805. [2] صحيح البخاري: 4100. [3] جامع الترمذي: 2371. یہ روایت ضعیف ہے۔

«تَعَالَيْ يَا بُنَيَّةُ! مَا هٰذَا مَعَكِ؟»

"میری بیٹی! ادھر آؤ، یہ تمھارے پاس کیا ہے؟"

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کھجوریں ہیں۔ میری ماں نے دی ہیں اور کہا ہے کہ میں انھیں اپنے والد بشیر بن سعد اور ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دوں تاکہ وہ ناشتہ کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هَاتِيهِ!» "یہاں لے آؤ۔" میں نے آپ ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں پر کھجوریں رکھ دیں۔ یہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ بھی نہ بھرنے پائے، پھر آپ ﷺ نے ایک کپڑا طلب فرمایا اور اسے بچھا دیا۔ آپ ﷺ نے وہ کھجوریں اس کپڑے پر ڈال دیں۔ کھجوریں سارے کپڑے پر بکھر گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے قریب بیٹھے ایک شخص سے کہا:

«أُصْرُخْ فِي أَهْلِ الْخَنْدَقِ أَنْ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ»

"خندق کھودنے والوں کو آواز دو کہ وہ آ کر ناشتہ کر لیں۔"

سب لوگ آ گئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ کھجوریں آپ ہی آپ برابر بڑھتی جا رہی تھیں حتی کہ تمام لوگ سیر ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد بھی یہ حال تھا کہ کھجوریں کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں۔[1]

ابو رافع رضی اللہ عنہ کی دعوت

سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خندق کے روز میں نے ایک ٹوکری میں بُھنی ہوئی بکری رکھی اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ، فَقَالَ: «يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَنَاوَلْتُهُ، فَقَالَ: «يَا أَبَا رَافِعٍ! نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ» فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! وَهَلْ لِلشَّاةِ إِلَّا ذِرَاعَانِ، فَقَالَ: «لَوْ سَكَتَّ سَاعَةً لَنَاوَلْتَنِي مَا سَأَلْتُكَ»

"اے ابو رافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے آپ کو دستی (کا گوشت) پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ابو رافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے پیش کی۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ابو رافع! مجھے دستی پکڑاؤ۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کچھ دیر خاموش رہتے تو جو میں نے تم سے مانگا تھا، وہ مجھے دے دیتے۔"[2]

[1] السيرة لابن هشام: 229,228/3، دلائل النبوة للبيهقي: 427/3. [2] مسند أحمد: 8/6.

اصحابِ خندق کے لیے حلوے کا پیالہ

عبداللہ بن معتب سے روایت ہے کہ ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن میں حیس (کھجور اور پنیر کا حلوہ) ڈال کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حسبِ خواہش اسے تناول فرمایا۔ باقی بچا ہوا حلوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھایا اور باہر تشریف لے آئے، پھر لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ خندق والے آج رات کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھائیں۔ سب آئے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے باوجود حلوہ جوں کا توں بچ گیا۔[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی ضیافت

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مبارک بھوک کی شدت سے کمر سے جا لگا تھا۔ میں فوراً اپنی بیوی کے پاس گیا، اس سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) جو تھے اور ہمارے گھر میں پلی ہوئی ایک بکری تھی۔ میں نے اسے ذبح کیا، میری بیوی نے آٹا پیسا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے لگا تو بیوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے مجھے شرمندہ نہ کر دینا۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور چپکے سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنی ایک بکری ذبح کی ہے، میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ اس کے سوا ہمارے پاس کچھ اور نہیں ہے۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلیے اور یہ ضیافت قبول فرمائیے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور ہی سے بلند آہنگی سے پکار لگائی:

«يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُورًا فَحَيَّهَلًا بِكُمْ»

"اے اہل خندق! جابر نے تمھاری دعوت کی ہے، اس لیے تم سب میرے ساتھ چلو۔"

[1] المغازي للواقدي: 406/1.

رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِينَكُمْ حَتَّى أَجِيءَ»

''جب تک میں نہ آجاؤں، تم اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور آٹے کی روٹی مت پکانا۔''

میں واپس آگیا اور رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ جب میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت دیکھ کر مجھے ملامت کرنے لگی۔ میں نے کہا: میں نے تو اُسی طرح عمل کیا تھا جیسا کہ تم نے کہا تھا۔ میری بیوی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک شامل فرمایا اور برکت کی دعا کی، پھر ہنڈیا کے پاس گئے اور اس میں بھی معمولی سا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُدْعُ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِي مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوهَا»

''ایک روٹی پکانے والی کو بلالو تا کہ وہ تمھارے ساتھ روٹیاں پکائے اور اپنی ہانڈی سے پیالے میں سالن نکالتی رہو اور اسے چولہے سے نہ اتارنا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب حضرات نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور گوشت اور روٹی کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جس حالت میں انھوں نے کھانا شروع کیا تھا۔ ہماری ہنڈیا بدستور لبالب بھری ہوئی تھی اور ابال کھا رہی تھی اور ہمارا آٹا بھی حسب سابق ویسے کا ویسا ہی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلِي هٰذَا وَأَهْدِي، فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمْ مَجَاعَةٌ»

''خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو تحفہ بھی بھیجو کیونکہ لوگ بھوکے ہیں۔''[1]

اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزے کا ذکر ہے۔ اس واقعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مسلمان عورت دیگر مسلمانوں کے ساتھ مقدور بھر جہاد میں حصہ لے سکتی ہے۔ مسلمان اپنے ذاتی کام کاج چھوڑ کر خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ روٹی کمانے کی فرصت ہی نہیں تھی۔ لوگوں کو فاقہ کشی کا سامنا تھا۔ بھوک کی شدت سے رسول اللہ ﷺ اور اکثر مسلمانوں نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ ایسے حالات میں ایک خاتون اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اُنھیں کھانا کھلا کر جہاد میں شرکت کر رہی تھی۔[2]

[1] صحيح البخاري: 4102,4101، صحيح مسلم: 2039. [2] المرأة في عهد النبوي للدكتور عصمة الدين، ص: 175، السيرة النبوية للصلابي: 284,283/2.

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی

خندق کی کھدائی کے دوران صداقتِ نبوت کا اظہار و اعلان اس طرح بھی ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیش گوئی کی۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس ہستی نے خبر دی جو مجھ سے بہتر ہے۔ جب عمار رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کو جھاڑتے ہوئے فرمایا:

«بُؤْسَ ابْنِ سُمَيَّةَ، تَقْتُلُكَ فِئَةٌ بَاغِيَةٌ»

''ابن سمیہ کو کتنی بڑی مصیبت لاحق ہوگی۔ (اے عمار!) تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' [1]

یاد رہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید کر دیے گئے تھے۔ [2]

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں ابوالغادیہ المزنی نے قتل کیا تھا۔ یہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا نام مسلم یا یسار تھا۔ انھوں نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شدید زخمی کر دیا۔ جب وہ زمین پر گرے تو ایک اور شخص نے ان کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر دونوں جھگڑنے لگے۔ دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس نے سیدنا عمار کو قتل کیا ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

وَاللّٰهِ! إِنْ يَّخْتَصِمَانِ إِلَّا فِي النَّارِ.

''اللہ کی قسم! یہ دونوں جہنم کی آگ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔''

اللہ کی قسم! میری تمنا یہ ہے کہ میں آج سے بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا (اور یہ دلسوز منظر نہ دیکھتا)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ربیع الاول یا ربیع الثانی 37ھ میں شہید ہوئے جبکہ آپ کی عمر 93 یا 94 سال تھی۔ [3]

ناقابلِ شکست سنگلاخ چٹان پر ضربِ نبوی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھود رہے تھے کہ اس دوران میں ایک بہت سخت چٹان سامنے آگئی جس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی تو صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض کی: (اے اللہ کے رسول!) ایک سخت چٹان خندق کی کھدائی میں حائل ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا نَازِلٌ» ''میں خود اترتا ہوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم اطہر پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن سے ہم نے کوئی چیز نہیں

[1] صحيح مسلم: 2915. [2] أسد الغابة: 344/1. [3] أسد الغابة: 312/3.

چکھی تھی۔ آپ ﷺ نے کدال پکڑی اور اس سخت چٹان پر ماری تو وہ ریت کے بھربھرے ٹیلے کی طرح ریزہ ریزہ ہوگئی۔[1]

قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں فتح ہونے کی بشارت

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق میں ایک جگہ سخت چٹان حائل ہوگئی، اس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی۔ ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، چٹان کی طرف اترے، کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

”اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔“

پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو دوسرا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَأُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

”اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن دیکھ رہا ہوں اور اپنی موجودہ جگہ سے اس کا سفید محل (کاخِ سپید) دیکھ رہا ہوں۔“

[1] صحیح البخاري :4101، السیرۃ لابن ھشام :228/3.

افامیہ (شام) کے یونانی کھنڈر

پھر رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری چوٹ لگائی تو بقیہ پتھر بھی چکنا چور ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔''[1]

امام نسائی ؒ اس واقعے کو نبی کریم ﷺ کے ایک پیارے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک ایسی چٹان سامنے آگئی جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے، کدال پکڑی اور اپنی چادر مبارک خندق کے کنارے رکھ دی۔ پھر یہ آیت پڑھ کر ضرب لگائی:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الأنعام 6:115)

''اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے لحاظ سے پوری ہوئی، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

اس ضرب سے پتھر کا تیسرا حصہ اُڑ گیا۔ سیدنا سلمان فارسی ؓ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوئی، پھر آپ نے دوبارہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾

اِس ضرب سے مزید ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، پھر ایک چمک پیدا ہوئی جسے حضرت سلمان فارسی ؓ نے دیکھا۔

[1] مسند أحمد :303/4، دلائل النبوة للبيهقي :421/3، فتح الباري :496/7. یہ روایت **ضعیف** ہے۔(الموسوعة الحديثية: 626/30)

پھر آپ ﷺ نے تیسری دفعہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○﴾

اب باقی پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ خندق سے نکلے، اپنی چادر مبارک اٹھائی اور بیٹھ گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب آپ ضربیں لگا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا سَلْمَانُ! رَأَيْتَ ذٰلِكَ؟»

''سلمان! کیا تم نے وہ چمک دیکھی تھی؟''

انھوں نے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبیِ برحق بنایا! آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي حِينَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْأُولٰى رُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ كِسْرٰى وَمَا حَوْلَهَا وَمَدَائِنُ كَثِيرَةٌ حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»

''میں نے جب پہلی ضرب لگائی تھی تو مجھے مدائنِ کسریٰ اور اس کے اردگرد کے علاوہ بھی بہت سے شہر دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ یہ شہر ہمارے ہاتھوں پر فتح کرائے، ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عنایت فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج فرمائے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا کر دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّانِيَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ قَيْصَرَ وَمَا حَوْلَهَا حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»

''پھر جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر کے شہر اور اس کے اردگرد کے علاقے دکھائے گئے یہاں تک کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وہ علاقے ہمارے ہاتھوں فتح کرائے۔ ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عطا فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی کر دی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

«ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّالِثَةَ فَرُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ الْحَبَشَةِ وَمَا حَوْلَهَا مِنَ الْقُرٰى حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ»

''پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ کے شہر اور اردگرد کے بہت سے علاقے دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوكُمْ»

''حبشیوں کو انھی کے حال پر رہنے دو جب تک وہ تمھیں تمھارے حال پر رہنے دیں اور ترکوں کو بھی کچھ نہ کہو جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔''[1]

[1] [حسن] سنن النسائي : 3178، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص : 412,411.

غزوۂ خندق میں نبی ﷺ کی پیشگوئیاں
فتوحات: فارس، مدائن، یمن، شام، مدائن قیصر (الروم)
جن مقامات کی نبی ﷺ نے فتح کی خبر دی
مسلمانوں کی مزید فتوحات
قسطنطنیہ
یونان
بحیرۂ اسود
روس
ترکی
مدائن قیصر (الروم)
بازنطینی رومی سلطنت
کوہ قاف
آرمینیا
ارض روم
بحیرۂ کیسپین
آذربائیجان
جرجان
خراسان
رے
ساسانی سلطنت
ترک (ترکستان)
بلخ
کابل
ہرات
کشمیر
افغانستان
سیستان
ملتان
پاکستان
ہندوستان
سندھ
دیبل
مکران
حلب
انطاکیہ
حران
الجزیرہ
شام
دمشق
بحیرۂ روم
بیت المقدس
اسکندریہ
لیبیا
بازنطینی رومی سلطنت
مصر
صحرائے شام
مدائن
عراق
ابلہ
اصفہان
فارس (ایران)
اصطخر
بحرین
خلیج فارس
خلیج عمان
صحار
عمان
مدینہ منورہ
نجد
یمامہ
حجاز
مکہ مکرمہ
جزیرہ نمائے عرب
الربع الخالی
بحیرۂ عرب
بحر ہند
حضرموت
یمن
صنعاء
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
صحرائے اعظم
دریائے نیل
خرطوم
سوڈان
براعظم افریقہ
اکسوم
حبشہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ شہر سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں فتح ہونے لگے تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تمھارے سامنے جو علاقہ بھی آئے، اسے فتح کرلو۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے! تم قیامت تک جس شہر کو بھی فتح کرو گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اس کی کنجیاں (فتح کی بشارت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔[1]

سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بہت مضبوط آدمی تھے۔ خندق کی کھدائی میں انصار اور مہاجرین نے ان کے بارے میں باہم اختلاف کیا۔ انصار نے کہا: سلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ مہاجرین بولے: سلمان ہم میں سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: مہاجرین نے کہا: سلمان! آپ ہمارے ساتھ مل کر خندق کھودیں۔ انصار میں سے ایک آدمی نے

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منسوب کھجوروں کا باغ

کہا: ہم سے بڑھ کر سلمان کا کوئی حقدار نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ»

''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔''[2]

سلمان رضی اللہ عنہ کو نظر لگ گئی

مروان بن سعید بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن مسلمان پوری دلجمعی سے کام کر رہے تھے۔ جب وہ کسی ساتھی

[1] السيرة لابن هشام: 230/3، دلائل النبوة للبيهقي: 418/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 400/3 و 418، المستدرك للحاكم: 598/3. یہ روایت ضعیف ہے۔

میں سستی اور تکان کے آثار دیکھتے تو اس کے ساتھ مزاح کرتے تا کہ سستی دور ہو اور اس کی طبیعت بشاش ہو جائے۔
تمام لوگ اس دن سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رشک کر رہے تھے۔ مہاجرین نے کہا: سلمان ہم میں سے ہیں۔ وہ بہت مضبوط آدمی تھے اور خندق کی کھدائی میں ماہر تھے۔ انصار نے کہا: وہ ہم میں سے ہیں، ہم ہی ان کے زیادہ حقدار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔''
خندق کے روز سلمان تنِ تنہا دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے تھے حتی کہ اس دن انھیں قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کی نظر لگ گئی، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مُرُوهُ فَلْيَتَوَضَّأْ لَهُ وَلْيَغْتَسِلْ بِهِ وَيُكْفِئُ الْإِنَاءَ خَلْفَهُ»

''اسے (قیس بن ابی صعصعہ کو) حکم دو کہ وہ وضو کرے اور وہ (سلمان) اس پانی سے غسل کریں اور پانی کو اپنے پیچھے کی طرف بہائیں۔''
انھوں نے ایسے ہی کیا تو وہ بالکل تندرست ہو گئے۔[1]

ایک صحابی کے لیے اہلِ خندق کا رجزیہ کلام

خندق کی کھدائی کرنے والوں میں ایک صحابی جُعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہر چند یہ خوبصورت نہیں تھے لیکن بے حد نیک انسان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔ ان کا پہلا نام جُعیل کالعدم کر دیا اور نیا نام عمرو رکھ دیا، چنانچہ خندق کھودنے والے خوشی خوشی یہ سیدھا سادہ شعر پڑھنے لگے:

سَمَّاهُ مِنْ بَعْدِ جُعَيْلٍ عَمْرًا وَكَانَ لِلْبَائِسِ يَوْمًا ظَهْرًا

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعیل کا نام بدل کر اس کا نیا نام عمرو رکھ دیا اور آپ اس دن تنگ دست کے لیے مددگار تھے۔''
جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شعر پڑھتے ہوئے لفظ عَمْرًا پر پہنچتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عَمْرًا کہتے تھے اور جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم لفظ ظَهْرًا پر پہنچتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظَهْرًا کہتے تھے۔[2]

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مزاح

یہاں یہ غور کرنا ضروری ہے کہ آخر وہ کون سی طاقت تھی جو اس فضا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحوں کو توانائی عطا

[1] المغازي للواقدي :1/383. [2] السيرة لابن هشام :3/228، المغازي للواقدي :1/384,383.

کر رہی تھی اور وہ کون سا سرچشمہ تھا جو ان کے وجود میں رضا مندی، بہادری، اعتماد اور استقامت کی بجلیاں پیدا کر رہا تھا۔ یہ فضا سنجیدہ تھی مگر خوش طبعی اور مزاح سے خالی نہ تھی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پندرہ سال کے نوعمر لڑکے تھے، وہ بھی خندق میں مٹی اٹھانے والوں میں شامل تھے۔ یہ ان کی پہلی مرتبہ کسی غزوے میں باقاعدہ طور پر شرکت تھی۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں کم سنی کے باوجود مٹی اٹھاتے دیکھا تو فرمایا: «أَمَا إِنَّهُ نِعْمَ الْغُلَامُ» ''ارے یہ تو بہت اچھا بچہ ہے!''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو نیند آ گئی، وہ گرمی محسوس کرنے کے بعد خندق ہی میں سو گئے۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ نے مزاح کرتے ہوئے ان کے ہتھیار اٹھا لیے مگر انھیں پتہ ہی نہ چلا۔ جب زید رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو اپنا اسلحہ گم پایا۔ وہ گھبرا گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا رُقَادٍ! نِمْتَ حَتّٰى ذَهَبَ سِلَاحُكَ»

''اے نیند والے! تو (اتنی گہری نیند) سو گیا حتی کہ تیرے ہتھیار چرا لیے گئے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَهُ عِلْمٌ بِسِلَاحِ هٰذَا الْغُلَامِ؟»

''اس بچے کے ہتھیار کا کس کو علم ہے؟''

عمارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے واپس کر دو۔ پھر آپ ﷺ نے کسی مومن کو خوفزدہ کرنے یا گھبراہٹ میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہنسی مذاق سے یا سنجیدگی سے بھی کوئی شخص کسی مومن کا سامان بلا اجازت نہ اٹھائے۔

خوش طبعی اور لطف و محبت کی یہ کیسی شاندار مثال ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ کام کرتے کرتے اچانک سو گیا اور اس کا

ہتھیار لے لیا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے مزاحاً کتنے پیار بھرے انداز میں فرمایا: ''ارے اے نیند کے متوالے! تم ایسے سوئے کہ تمھارا اسلحہ ہی جاتا رہا۔'' اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کس قدر خوش طبع مشفق، حلیم اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ اسی لیے تو قرآن کریم نے گواہی دی ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم 4:68)

''اور بلاشبہ آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں۔''[1]

خندق کی کھدائی کی تکمیل

خندق کی کھدائی کتنے دنوں میں مکمل ہوئی؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مسلمان خندق کے کام سے چھ دن میں فارغ ہوئے۔

علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک خندق کی مکمل کھدائی میں تقریباً بیس دن لگے۔

واقدی کے نزدیک چوبیس دن میں خندق کی کھدائی مکمل ہوئی۔

امام نووی نے یہ مدت پندرہ روز بتائی ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ کام ایک مہینے میں مکمل ہوا۔

علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ صحابہ خندق کے کام سے چھ دن میں فراغت پا گئے اور یہی بات معروف ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے ابن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ خندق کی مدت عمل تقریباً بیس دن تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جو ایک مہینے کا تذکرہ کیا ہے، وہ دراصل محاصرے کی مدت ہے۔[2]

خندق کی وسعت

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین خندق کھودنے کی حد تقسیم کر دی تھی۔ مطلوب یہ تھا کہ خندق کا کام جلد از جلد مکمل کر لیا جائے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چالیس ہاتھ زمین کھودنے کا کام بانٹ دیا تھا۔

خندق مشرق میں أجم الشيخين سے لے کر مغرب میں مذاد تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی تقریباً 4 کلومیٹر، چوڑائی تقریباً 7 میٹر اور گہرائی 5 سے 8 میٹر تھی۔[3]

---

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/459,458، المستدرك للحاكم : 421/3. [2] مرويات غزوة الخندق، ص :201,200، فتح الباري :492/7، المواهب اللدنية :452,451/1. [3] السيرة النبوية للمهدي :550/1.

مدینہ کے دفاع کے لیے خندق کی اہمیت

خندق کی کھدائی کے بعد مدینہ ایسے محفوظ قلعے کی شکل اختیار کر گیا جس تک کوئی مائی کا لال انتہائی زبردست صعوبت جھیلنے کے بعد ہی پہنچ سکتا تھا۔ خندق مدینے کے لیے بڑی دفاعی لائن تھی۔ اس کے علاوہ دوسری طرف مدینہ ایک دوسرے سے پیوست مکانوں، کھجور کے گھنے درختوں اور دوسری فصلوں سے گھرا ہوا تھا، مزید یہ کہ اس میں نہایت دشوار گزار طبعی رکاوٹیں بھی تھیں جیسا کہ حرۂ واقم اور حرۂ وبرہ جو جلی کٹی سنگلاخ چٹانوں سے پُر ہیں۔ یہ تیز دھار آلے کی طرح کاٹ دینے والے ایسے پتھر ہیں جن پر چلنا ناممکن ہے۔

یوں خندق کفار اور مسلمانوں کے لشکروں کے درمیان حائل ہوگئی۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا مقصد تھا۔ مسلمان اس وسیع و عمیق خندق کے پیچھے قلعہ بند ہوگئے۔ علاوہ ازیں اسلامی لشکر نے جبل سلع کی مضبوط آڑ سے فائدہ اٹھایا جو ان کے عقب میں تھا۔

اب جس شخص کو بھی خندق کی شمالی جانب سے اس کے قریب آنے کی سوجھتی، اس کا انجام موت تھا، چنانچہ احزاب نے جب اپنے سامنے خندق دیکھی تو ان کی امنگوں پر اوس پڑ گئی اور ان کے وہ سارے منصوبے ملیامیٹ ہوگئے جو انھوں نے مدینہ میں داخل ہونے کے لیے بنائے تھے۔*

اسلامی لشکر کی جانچ پڑتال

رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے لشکر کا جائزہ لیا اور اسے منظم کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے لشکر کو دو گروہوں، مہاجرین اور انصار میں تقسیم کر دیا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کا جھنڈا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو تھمایا اور انصار کا علمبردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

فوج کی اکثریت انصار پر مشتمل تھی۔ فوج کا جائزہ لیتے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں ان نوجوانوں کو پیش کیا گیا جو مدینہ کے دفاعی معرکہ میں شامل ہونے کے آرزومند تھے۔ ان کا جائزہ لینے کے بعد

* موسوعة الغزوات الكبرىٰ :462,461/1.

آپ ﷺ نے صرف ان نوجوانوں کو لشکر میں شمولیت کی اجازت دی جن کی عمر پندرہ سال تھی۔ ان میں عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، براء بن عازب اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم شامل تھے۔[1]

اسلامی لشکر کی تعداد

امام ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب میں تین ہزار (3000) مسلمانوں کا لشکر لے کر نکلے۔ آپ ﷺ نے جبل سلع کو لشکر کے عقب میں رکھا۔ اس قول میں ابن سعد، طبری، بیہقی، ابن عبدالبر، ابن اثیر، ابن سیدالناس اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے ابن اسحاق کی موافقت کی ہے۔ لیکن امام ابن حزم نے زور دے کر کہا ہے کہ مجاہدین کی تعداد نو سو (900) تھی۔[2]

علامہ باشمیل لکھتے ہیں: ابن حزم نے اپنی کتاب جوامع السیرہ میں بیان کیا ہے کہ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی تعداد نو سو سے زائد نہ تھی اور انھوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ اقرب الی الصواب ہے، خصوصاً اس لیے کہ منافقین جو فوج کا بڑا حصہ تھے اور مسلمانوں کی مصیبت کے شدید تر ہو جانے پر واپس چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد یہی صحیح تعداد بنتی ہے۔ ہمارا ابن حزم کی رائے کو صحیح قرار دینا مندرجہ ذیل منطقی امور پر موقوف ہے:

ا وہ فوج جو معرکہ احد میں شامل ہوئی۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کے پاس ساری فوج وہی تھی۔ وہ سات سو جانبازوں پر مشتمل تھی۔ جو شخص بھی ہتھیار اٹھا سکتا تھا، وہ معرکہ احد سے پیچھے نہیں رہا تھا۔

ب معرکۂ احد اور معرکۂ احزاب کی درمیانی مدت زیادہ نہیں۔ ایک قول کے مطابق ایک سال اور دوسرے قول کے مطابق دو سال کی درمیانی مدت ہے۔ اس دورانیے میں مسلمانوں اور بت پرستوں کے مابین شدید تناؤ اور جزیرہ نمائے عرب میں سخت جنگی حالات تھے، خصوصاً مدینہ کے گرد و نواح کے حالات بہت نازک تھے۔

ج مذکورہ امر کی بنا پر یہ بات یقینی ہے کہ اس مدت میں اسلام میں داخل ہونے والے لوگ بہت قلیل ہوں گے۔ اس لیے یہ بات دور از کار معلوم ہوتی ہے کہ اس مختصر سی مدت اور سخت جنگی حالات میں اسلامی لشکر کی تعداد سات سو جانبازوں سے بڑھ کر تین ہزار تک پہنچ گئی ہو۔

د امام ابن حزم کی رائے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تاریخی مصادر، مثلاً: البدایہ والنہایہ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ خندق کی آخری فیصلہ کن راتوں میں احزاب کے

[1] موسوعة الغزوات الكبرى :463/1، المغازي للواقدي :388/1. [2] مرويات غزوة الخندق، ص :224.

مقابلے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تین سو جانبازوں کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

- اگر اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار ہوتی تو مسلمان اس شدید خوف سے دوچار نہ ہوتے جو بھونچال کی حد تک پہنچ گیا تھا اور دل حلق تک آ پہنچے تھے جیسا کہ قرآن مجید نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَرُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ○﴾

''اور جب نگاہیں پھر گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ مومن آزمائے گئے اور انھیں خوب جھنجوڑا گیا۔''[1]

اگر غزوۂ احزاب میں اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار جانبازوں پر مشتمل تھی تو ان کی نسبت تقریباً تین کے مقابلے میں ایک بنتی ہے۔ معرکۂ احد میں اس سے بھی تھوڑی تعداد تھی، وہاں چار مشرکوں کے مقابلے میں ایک مسلمان تھا۔ وہ کھلے میدان میں نکلے جہاں بچاؤ کے لیے خندق تھی نہ مکان تھے اور نہ حربے تھے۔ وہ سات سو جانباز تین ہزار نفر کے مسلح لشکر سے ٹکرا گئے اور پہلے حملے میں انھیں بری طرح شکست سے دوچار کیا۔ اگر تیر انداز غلطی نہ کرتے تو وہ کفار کی تقریباً تباہ کن شکست تھی۔ اب مدینہ کے اندر محفوظ قلعے کی شکل میں رہ کر ان کا خوف اس حد تک کیسے پہنچ سکتا ہے جبکہ احزاب کے مقابلے میں نسبت صرف ایک اور تین کی ہو۔ ان کی یہ نسبت معرکہ احد کی نسبت سے بڑی ہے جس میں انھوں نے بے خوف وخطر دشمن کا مقابلہ کیا۔ کیا معرکہ احد کے بعد مسلمانوں کی شجاعت و بسالت اور ثابت قدمی اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ معرکہ احزاب میں خوف اور گھبراہٹ سے ان کے دل حلق تک پہنچ گئے۔ اس کا جواب قطعاً نفی میں ہے۔ معرکہ احد کے بعد مسلمان شجاعت و بسالت، ثبات اور اقدام وقربانی میں اور آگے بڑھ گئے تھے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ معرکہ احزاب میں مسلمانوں کا خوف اور گھبراہٹ اس حد کو پہنچ گیا کہ بھونچال کی صورت پیدا ہوگئی اور دل حلق تک پہنچ گئے تو یہ بات ضروری ہے یا کم از کم اسے ترجیح حاصل ہے کہ اس خوف اور گھبراہٹ کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مسلمان اپنی شجاعت کے باوجود اس چھوٹے سے جزیرے کی مانند تھے جسے پُر جوش سمندر گھیرے ہوئے ہو اور ہر لحظہ اسے نگلنے کی دھمکیاں دے رہا ہو۔

بلاشبہ دشمن کی خوفناک کثرت جس میں ایک مسلمان کے مقابلے میں دس مشرک ہوں، اس کے ساتھ یہود کا بدعہدی کے لیے موقع کا منتظر رہنا، مسلمانوں کو ان کی طرف سے نقض عہد کا خوف اور پیچھے سے ضرب کاری کا اندیشہ ہونا اور اس کے ساتھ ساتھ لشکر میں منافقین کا سنسنی خیز افواہیں اڑانا ہی اس خوف اور گھبراہٹ کا سب سے

[1] الأحزاب 33:10، 11.

بڑا سبب ہے جو مسلمانوں کو ایسی صورت میں لاحق ہوا جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہیں، اس لیے امام ابن حزم کا قول معلوم ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں نے خندق کے پیچھے پڑاؤ کیا اور احزاب کی دس ہزار فوج کے سامنے ڈٹ گئے، وہ نو سو جانبازوں سے زیادہ نہ تھے۔

یہ بات بھی بعید نہیں کہ شروع شروع میں جب منافقین بھی اس فوج میں شامل تھے تو اسلامی لشکر کی تعداد دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو جب احزاب نے مدینہ کا گھیراؤ کیا اور منافقین کھسکنے لگے تو پیچھے خالص مسلمان رہ گئے ہوں جن کی تعداد نو سو رہ گئی ہو۔ یہ بات صحیح ہے کہ جس فوج نے احزاب کا مقابلہ کیا، وہ نو سو جانبازوں سے زیادہ نہ تھی جیسا کہ ابن حزم نے یہ بات قطعیت سے بیان کی ہے۔ لہٰذا اس شدید خوف جس کی وجہ سے دل حلق تک پہنچ گئے تھے، کی تسلی بخش تفسیر صرف یہی ہوسکتی ہے کہ مٹھی بھر جانبازوں کا مقابلہ دس گنا بڑے مسلح لشکر جرار سے تھا۔[1]

حسین بن محمد بن حسن دیار بکری (م:966ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

ڈاکٹر ابراہیم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہزار کے قائلین کی دلیل جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہو، جب انھوں نے اہل خندق کی دعوت کی تھی تو وہ کہتے ہیں: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔'' لیکن اس دلیل کی روشنی میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار متعین کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے مراد تو وہ تعداد ہے جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر موجود تھی۔ ممکن ہے کہ اکثر لوگ اجازت لے کر گھروں کو گئے ہوں، اس لیے کہ وہ باری باری کام کرتے تھے۔ ابن قیم نے بھی کہا ہے کہ وہ تین ہزار تھے، پھر تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن اسحاق نے ایک قول کے مطابق سات سو کی تعداد بتائی ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ تعداد تو معرکۂ احد میں تھی۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ احزاب کے روز اسلامی لشکر کی تعداد تین ہزار تھی، انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس نے یہ کہا کہ مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی، اسے وہم ہوا ہے۔

یہ رائے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی یا نو سو، اس کی طرف ابن حزم کے علاوہ کسی نے اشارہ نہیں کیا۔ ممکن ہے پہلی رائے ٹھیک ہو کہ ان کی تعداد تین ہزار تھی کیونکہ اس کے قائلین زیادہ ہیں۔ واللہ اعلم۔[2]

مدینہ میں نائب امیر کا تقرر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی مہم کے لیے نکلتے تو مدینہ منورہ میں کسی خوش بخت کو اپنا

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/465-467. [2] مرويات غزوة الخندق، ص :225,226.

نائب مقرر کر جاتے تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔[1]

مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت کا انتظام

رسول اللہ ﷺ کو جب کفار کے لشکروں کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے خندق کی طرف پیش قدمی کا ارادہ فرمایا اور اس سے پہلے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعے میں محفوظ کیا تاکہ وہ دشمن کے ممکنہ حملے سے محفوظ رہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ بچوں اور عورتوں کا محفوظ ہونا مثبت نفسیاتی اثر ڈالتا ہے۔ سپاہی اپنے بیوی بچوں کے متعلق مطمئن ہو تو اس کے اعصاب پرسکون رہتے ہیں۔ اور معمولاتِ زندگی کا کوئی معاملہ اس کی سوچ کو منتشر نہیں کرسکتا۔ ایسی محفوظ حالت میں وہ جنگ میں نئی سے نئی تدابیر اختیار کرنے کے سلسلے میں اپنی تمام ذہنی توانائیاں صرف کردے گا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو سپاہی کا ذہن منتشر ہوگا اور اس پر پریشانی سوار رہے گی۔ نتیجے کے طور پر وہ جنگ سے گریزاں ہوگا اور اس کی وجہ سے تمام اہلِ لشکر کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔[2]

مدینہ کے باہر احزاب کا پڑاؤ

جب رسول اللہ ﷺ اپنی تیاریاں مکمل کر چکے تو عرب کے اسلام دشمن لشکر بھی مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوگئے۔ یہ لشکر دو اہم حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک فریق قریش اور ان کے حلیف تھے جن میں کنانہ، اہلِ تہامہ اور احابیش شریک تھے۔ ان کی کل تعداد چار ہزار (4000) تھی۔ یہ جُرف اور زغابہ (الغابہ) کے درمیان مجمع الاسیال (آبی گزرگاہوں کے سنگم) میں فروکش ہوئے۔ دوسرا فریق ان قبائل پر مشتمل تھا جو نجد کی طرف سے آئے تھے۔ ان میں بنو غطفان اور ان کے نجدی ساتھی تھے۔ یہ گروہ جبل احد کے ایک جانب ذنب نقمی میں خیمہ زن ہوئے۔ بنو اسد بھی ان کے ساتھ تھے۔[3] قرآن مجید نے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾

”اور جب اہل ایمان نے ان گروہوں کو دیکھا تو کہا: یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا۔ اور اس حالت نے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت

---

1 السيرة لابن هشام: 231/3، البداية والنهاية: 104/4. 2 السيرة النبوية للصلابي: 260,259/2، السيرة لابن هشام: 231/3. 3 السيرة لابن هشام: 231,230/3، مرويات غزوة الخندق، ص: 211,210، دلائل النبوة للبيهقي: 429,428/3.

غزوۂ خندق (احزاب)
(شوال/ذی قعد 5ھ)
غطفان اور دیگر قبائل کی آمد
جبل ثور
جبل احد
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
غطفان
خندق
قریش
وادی قناۃ
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل ذباب
مدینہ منورہ
اسلامی قیادت
مسجد نبوی
جبل بنی عبید
جبل سلع
بنوحارث بن خزرج اصغر
بنونجار
البقیع
السنح
بنوواقف
بنوزریق
وادی بطحان
وادی مہزور
بنوبیاضہ
بنوحبلی
قواقلہ
بنوقریظہ
وادی مذینب
عالیہ
بنوعوف بن خزرج
چشمہ ازرق
اطم الضحیان
بنوعوف بن مالک
مسجد قبا
قبا
بنوانیف
جبل عیر
ذوالحلیفہ
وادی عقیق
قریش کی آمد

کو اور بڑھا دیا۔‘‘ [1]

خندق دیکھ کر احزاب کی سراسیمگی

مشرکین کا خیال تو یہ تھا کہ وہ اُمڈتے ہوئے سیلاب کے مانند مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھ دوڑیں گے اور ان کا ایک ہی ریلا مسلمانوں اور ان کے دفاعی منصوبوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو اپنے سامنے گہری اور لمبی چوڑی خندق دیکھی جسے نہ وہ خود عبور کر سکتے تھے، نہ ان کے گھوڑے زقند لگا کر پار کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی فتح کے جو ہوائی قلعے تعمیر کیے تھے، وہ دھڑام سے گر گئے۔ مسلمانوں کی اس جنگی تدبیر نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ اس قسم کی ناقابلِ عبور رکاوٹ تو ان کے سان گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب کفار نے خندق کو دیکھا تو کہنے لگے:

وَاللّٰهِ! إِنَّ هٰذِهِ لَمَكِيدَةٌ مَّا كَانَتِ الْعَرَبُ تَكِيدُهَا.

’’اللہ کی قسم! یہ ایسی چال ہے کہ عرب والوں نے ایسی تدبیر کبھی اختیار نہیں کی۔‘‘ [2]

خندق کی منصوبہ بندی ایک نیا اقدام تھا۔ یہ ایسی جنگی تدبیر تھی جو عربوں کے ہاں یکسر غیر معروف تھی۔ گویا عرب اور اسلام کی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار خندق کا ہتھیار استعمال کیا۔ خندق کا معاملہ دشمنانِ اسلام کے لیے بڑا پریشان کن تھا۔ اس نے ان کے طے شدہ پروگرام کو خاک میں ملا دیا۔ اس انوکھی تدبیر کی کامیابی میں مسلمانوں کی غیر معمولی چستی اور رازداری نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ احزاب کو نفسیاتی طور پر ناکارہ کرنے اور ان کی قوت کو منتشر کرنے میں اس نئی پیش بندی اور جدید اسلوبِ جنگ کا بڑا ہاتھ تھا۔ [3]

معرکۂ احزاب کے پہلے دو شہید

احزاب کے مدینہ پہنچنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلیط اور سیدنا سفیان بن عوف اسلمی رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ دشمن کی حرکات و سکنات اور دیگر معلومات اسلامی لشکر کو فراہم کریں۔ یہ دونوں جاں نثار صحابی اپنے مشن پر روانہ ہوئے۔ جب یہ مقامِ البیداء پر پہنچے تو ابوسفیان کے گھڑ سوار دستے سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔ دونوں صحابیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ [4]

---

[1] الأحزاب 22:33. [2] السيرة لابن هشام: 235/3، البداية والنهاية: 107/4. [3] السيرة النبوية للصلابي: 259/2.
[4] مجمع الزوائد: 195/6، حديث: 10148، مرويات غزوة الخندق، ص: 317.

احزاب کے شہسوار خندق کے گرد

جب کفار کا لشکر خندق کے مقام پر پہنچا تو انھیں محاصرہ کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا، چنانچہ انھوں نے محاصرہ کرلیا۔ جب یہ لوگ خندق کے قریب آگئے تو اسلام کے سپاہیوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس طرح کئی دن تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی رہیں اور معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ دشمن کے دستے دن رات خندق کے آس پاس گھومتے رہے کہ شاید انھیں کہیں سے ایسا کوئی راستہ مل جائے جس کے ذریعے وہ خندق پار کرسکیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر ان پر حملہ کردیں جیسا کہ خالد بن ولید نے جنگِ احد میں کیا تھا۔[1]

خیمۂ نبوی پر کڑا پہرہ

کامیاب جنگی اسکیم (خندق کی کھدائی) کے بعد نبیِ کریم ﷺ نے اسلامی لشکر کو منظم کیا۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کو تقسیم کیا، بعض صحابہ کو خندق کی نگرانی پر، بعض کو مدینہ کے اندر چکر لگانے اور بعض کو اسلامی لشکر کی قیادت گاہ، یعنی نبیِ کریم ﷺ کے خیمے کی حفاظت پر مامور کیا کیونکہ احزاب کا پہلا ہدف آپ ﷺ ہی کا خیمہ تھا جیسا کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ خالد بن ولید خندق کی رات سو شہسواروں سمیت وادی عقیق سے آیا اور نبیِ کریم ﷺ کے خیمے کے بالکل سامنے مذاد آکر ٹھہرا۔ میں نے لوگوں کو چوکنا کیا اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھی خبردار کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کے خیمے پر پہرہ دے رہے تھے اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔

وادی عقیق کا ایک خوبصورت منظر

خالد بن ولید اپنے تین جنگجوؤں کے ساتھ آگے بڑھا اور انھیں بتانے لگا کہ یہ محمد (ﷺ) کا خیمہ ہے، اس پر تیروں کی بوچھاڑ کردو، چنانچہ انھوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ ہم نے ان کا مقابلہ کیا۔ ہم خندق کے کنارے کھڑے ہوگئے۔ وہ بھی خندق کے دوسرے کنارے کھڑے تیر اندازی کر رہے تھے۔ ہمارے ساتھی ہمارے پاس اور ان کے ساتھی ان کے پاس آگئے۔ باہم مقابلہ ہوتا رہا حتی کہ ہمارے اور ان کے بہت سے لوگ زخمی ہوگئے، پھر وہ خندق کے کناروں کی طرف پھیل گئے۔ ہم نے ان کا پیچھا کیا۔ مسلمان پہرہ دے رہے تھے۔ ہم جب کسی حفاظتی دستے کے پاس سے گزرتے تو ایک گروہ ہمارے ساتھ مل جاتا حتی کہ ہم قلعہ راتج تک پہنچ گئے۔ وہاں جا کر دشمن کا گروہ خاصی دیر تک ٹھہرا رہا۔ وہ

[1] مرویات غزوۃ الخندق، ص :323.

بنوقریظہ کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں۔ اسی اثنا میں سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کا گشتی دستہ قلعہ راتج کے پیچھے سے نمودار ہوا، انھوں نے خالد بن ولید کے دستے سے لڑائی کی۔ چند ہی لمحوں بعد کیا دیکھتے ہیں کہ خالد بن ولید کا لشکر منہ پھیر کر بھاگ نکلا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا حتی کہ انھیں وہاں پہنچا کر دم لیا جہاں سے وہ آئے تھے۔

قریش اور غطفان کے لوگ خالد پر چڑھ دوڑے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا خاک کارنامہ انجام دیا ہے؟ خالد نے انھیں جواب دیا: آج رات میں آرام کروں گا۔ تم دوسرے لشکر کو بھیجنا، پھر میں دیکھوں گا وہ کون سا کارنامہ انجام دیتا ہے۔[1]

غزوہ احزاب میں خالد بن ولید کے دستے کو بھگانے والے سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کا شجرہ

نوح علیہ السلام
سام
عدنان
کنانہ
فہر (قریش)
یقظہ
مخزوم
عمر
عبداللہ
مغیرہ
ولید
قحطان
اوس
خزرج اصغر
حارث
حارثہ
مجدعہ
عدی
حریش
اسلم
سلمہ رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ میں پہرے کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کمان میں تین سو افراد پر مشتمل دستے مدینہ کی حفاظت پر مامور فرمائے۔ وہ مدینہ منورہ میں پہرہ دیتے اور نہایت بلند آواز سے تکبیر کہتے رہے، اس لیے کہ انھیں عورتوں اور بچوں کے حوالے سے بنوقریظہ کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔[2]

خیبر کا شیطان بنوقریظہ کے دیار میں

جب احزاب نے اپنے بنائے ہوئے منصوبے کے سامنے خندق کو حائل دیکھا تو سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر بنوقریظہ ان کا ساتھ دیں تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ اندر سے ہلہ بول دیں اور ہم باہر سے تیر اندازی اور سنگ باری کریں، تب مسلمانوں کو شکست دی جا سکتی ہے۔ ابوسفیان نے حیی بن اخطب کو بلا بھیجا جس نے چلتے وقت قریش کو یقین دہانی کرائی تھی کہ بلاشبہ بنوقریظہ تمھارے ساتھ ہیں۔ ان کا حلقہ احباب وسیع ہے۔ ان کے پاس سات سو پچاس جنگجو ہیں۔ اب ابوسفیان نے حیی بن اخطب سے کہا: جاؤ اپنی قوم سے کہو کہ جو عہد ان کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ہے، اسے توڑ دو۔ حیی بن اخطب بنوقریظہ کے پاس گیا۔ اس نے بنوقریظہ کو جیوشِ احزاب کی موجودگی کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے سنہرے خواب دکھا کر مسلمانوں سے خیانت کرنے کی ترغیب دی۔ یہ

[1] المغازي للواقدي :1/398,397. [2] الطبقات لابن سعد :2/67، عيون الأثر، ص :270.

ایسی چال تھی جس کی کامیابی میں خیبر کے کینہ پرور یہودی کو ذرا بھی شک نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بنوقریظہ اور بنونضیر سے اس بات پر صلح کا معاہدہ کیا تھا کہ نہ وہ آپ ﷺ کی مخالفت کریں گے نہ حمایت کریں گے، نیز یہ کہ اگر کوئی بیرونی حملہ آور مدینہ پر حملہ کرے گا تو وہ اس کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کریں گے اور دیت کا جو نظام پہلے سے ان کے اور اوس و خزرج کے درمیان چل رہا ہے، وہ اس پر قائم رہیں گے۔[1]

حُیی کی غزال بن سموأل سے ملاقات

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ حیی بن اخطب بڑا منحوس آدمی تھا۔ اس نے اپنی قوم بنونضیر کو بھی بدبختی میں ڈالا اور بنوقریظہ کی تباہی کا سبب بھی بنا حتی کہ وہ قتل کر دیے گئے۔ وہ ان میں شرف و بزرگی اور سرداری حاصل کرنے کا متمنی تھا جیسا کہ قریش میں اسی جیسا ایک آدمی ابوجہل بن ہشام تھا۔

جب حیی بنوقریظہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کا اپنے علاقے میں داخل ہونا اچھا نہیں سمجھا۔ وہاں سب سے پہلے اس کی ملاقات غزال بن سموأل سے ہوئی۔ حیی نے اس سے کہا: میں تمھارے پاس وہ چیز لایا ہوں جس کے ذریعے سے تم محمد (ﷺ) سے نجات پا جاؤ گے۔ اِدھر یہ قریش ہیں جو وادی عقیق میں خیمہ زن ہیں اور اُدھر بنوغطفان ہیں جو زغابہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ غزال نے اسے جواباً کہا: اللہ کی قسم! تو ہمارے پاس زمانے بھر کی ذلت سمیٹ لایا ہے۔ حیی تلملا اٹھا اور کہنے لگا: ایسا نہ کہو۔[2]

حیی بن اخطب کعب کے دروازے پر

احزاب کا اکٹھا ہو کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے چلے آنا فی الحقیقت یہودی قبیلے بنونضیر ہی کا کیا دھرا تھا۔ اس مہلک منصوبے میں دوسرا یہودی قبیلہ بنوقریظہ بالکل شریک نہیں تھا۔ یہ لوگ بہرحال مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کی پابندی کر رہے تھے۔ غزال سے مایوس ہو کر حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد سے ملنے جا پہنچا تا کہ اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ملی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تاڑ گیا کہ یہ بدبخت ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس نے اپنے قلعے کا دروازہ بند کیا، اس سے ملنے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کے علاقے سے نکل جائے اور جہاں سے آیا ہے، وہیں واپس چلا جائے۔

لیکن شریر یہودی حیی بن اخطب وہیں ڈٹا رہا۔ اس کے سامنے دروازہ بھی بند کر دیا گیا، اسے بنی قریظہ کے علاقے

---

[1] المغازي للواقدي :389/1، موسوعة الغزوات الكبرى :472,471/1. [2] المغازي للواقدي :389/1.

سے چلے جانے کا حکم بھی دے دیا گیا لیکن یہ مفسد کعب بن اسد کے قلعے سے چمٹ گیا اور اصرار کرتا رہا کہ قلعے کا دروازہ کھولا جائے تاکہ وہ کعب سے گفتگو کرے۔

حیی کا اصرار اور کعب کا انکار

بنوقریظہ کے سردار اور بنونضیر کے سردار میں بڑی تکرار ہوئی۔ حیی نے کعب سے کہا:

وَيْحَكَ يَاكَعْبُ! اِفْتَحْ لِي.

''کعب! تو ہلاک ہو جائے۔ میرے لیے دروازہ کھول۔''

کعب نے اسے جواب دیا:

وَيْحَكَ يَا حُيَيٌّ! إِنَّكَ امْرُؤٌ مَّشْؤُومٌ، وَإِنِّي قَدْ عَاهَدْتُّ مُحَمَّدًا فَلَسْتُ بِنَاقِضٍ مَّا بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَلَمْ أَرَ مِنْهُ إِلَّا وَفَاءً وَّصِدْقًا.

''اے حیی! تو ہلاک ہو جائے، تو بدبخت آدمی ہے۔ میں نے محمد (ﷺ) سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ میرے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، میں اسے نہیں توڑ سکتا۔ میں نے محمد (ﷺ) میں صرف سچائی اور وفا ہی دیکھی ہے۔''

حیی نے کہا: تو ہلاک ہو جائے۔ فوراً دروازہ کھول، میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کعب نے کہا: میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔

دروازہ کھل گیا

کعب کے مسلسل انکار سے حیی طیش میں آ گیا۔ اس نے کہا:

وَاللّٰهِ! إِنْ أَغْلَقْتَ دُونِي إِلَّا عَنْ جَشِيشَتِكَ أَنْ آكُلَ مَعَكَ مِنْهَا.

''اللہ کی قسم! (تو بخیل آدمی ہے) تو نے اپنا دلیا بچانے کے لیے دروازہ بند کر دیا ہے کہ کہیں میں تیرے ساتھ اس میں سے کچھ کھا نہ لوں۔''

کعب نے بخل کے اس الزام سے زچ ہو کر دروازہ کھول دیا۔

دونوں یہودی سرداروں کے مذاکرات

جب وہ دونوں مل بیٹھے تو حیی نے کہا:

وَيْحكَ يَا كَعْبُ! جِئْتُكَ بِعِزِّ الدَّهْرِ وَبِبَحْرٍ طَامٍ جِئْتُكَ بِقُرَيْشٍ عَلٰى قَادَتِهَا وَسَادَتِهَا، حَتّٰى أَنْزَلْتُهُمْ بِمُجْتَمَعِ الْأَسْيَالِ مِنْ رُّومَةَ، وَبِغَطْفَانَ عَلٰى قَادَتِهَا وَسَادَتِهَا حَتّٰى أَنْزَلْتُهُمْ بِذَنَبِ نَقْمٰى إِلٰى جَانِبِ أُحُدٍ، قَدْ عَاهَدُونِي وَعَاقَدُونِي عَلٰى أَنْ لَّا يَبْرَحُوا حَتّٰى نَسْتَأْصِلَ مُحَمَّدًا وَّمَنْ مَّعَهُ.

''اے کعب! تیرا ستیاناس ہو، میں تیرے پاس زمانے بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تیرے پاس قریش کے جنگجو، ان کے سرداروں سمیت لے آیا ہوں۔ میں نے انھیں رومہ کے مجمع الاسیال (آبی گزرگاہوں کے سنگم) میں اتار دیا ہے۔ میں غطفان کے جنگجو بھی ان کے سرداروں سمیت لے آیا ہوں۔ وہ احد کے (غربی) جانب ذنب نقمٰی میں فروکش ہیں۔ انھوں نے میرے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی بیخ کنی کیے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔''

کعب نے اسے جواب دیا:

جِئْتَنِي وَاللّٰهِ! بِذُلِّ الدَّهْرِ وَبِجَهَامٍ قَدْ هَرَاقَ مَاءُهُ، فَهُوَ يَرْعَدُ وَيَبْرُقُ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، وَيْحَكَ يَا حُيَيُّ! فَدَعْنِي وَمَا أَنَا عَلَيْهِ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ مِنْ مُّحَمَّدٍ إِلَّا صِدْقًا وَّ وَفَاءً.

''اللہ کی قسم! تو میرے پاس زمانے بھر کی ذلت و رسوائی سمیٹ لایا ہے تو ایسا بادل کھینچ لایا ہے جس کا پانی برس چکا، یہ گرجتا چمکتا ہے لیکن یہ خالی ہے۔ اس میں برسنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ حیی! تیرے لیے ہلاکت ہو! مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ بلاشبہ میں نے محمد (ﷺ) میں ہمیشہ سچائی اور وفاداری ہی دیکھی ہے۔''

حیی کعب کو مسلسل پھسلاتا رہا اور اپنے پُر فریب طریقوں سے اس پر اثر انداز ہونے لگا۔ کعب نے کہا: حیی! میرا دل تو نہیں چاہتا، پھر بھی تیری بات مان لیتا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے مبادا قریش اپنے مقصد میں ناکام ہو جائیں، محمد (ﷺ) کو قتل کیے بغیر لوٹ جائیں، اور تُو اپنے گھر چلتا بنے۔ اس طرح تم لوگ ہمیں ہمارے گھروں میں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے، پھر ہمارا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حیی اور کعب کا باہمی معاہدہ

جب کعب نے حیی کے سامنے اپنے تحفظات پیش کیے تو اس نے کہا: میں تمھیں اُس تورات کی قسم کھا کر یقین

دلاتا ہوں جو موسیٰ علیہ السلام پر کوہ طور پر اتاری گئی۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حملے میں قتل نہ کیے گئے اور قریش اور غطفان اپنے مقصد میں ناکام ہو کر چلے گئے تو میں تمھارے ساتھ تمھارے ہی قلعے میں چلا آؤں گا، پھر جو انجام تمھارا ہوگا، وہی میرا ہوگا۔

اسلامی عہد نامہ چاک کر دیا گیا

جب کعب کو حیی نے مکمل یقین دلا دیا تو اس نے اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہونے والا معاہدہ توڑ دیا۔ حیی نے عہد نامہ منگوایا اور اسے چاک کر ڈالا۔ جونہی اس نے یہ حرکت کی، اسے محسوس ہوا کہ معاملہ بگڑ گیا ہے۔ وہ بنو قریظہ کے پاس گیا۔ وہ کعب کے محل کے ارد گرد کھڑے تھے۔ اس نے انھیں ساری بات کہہ سنائی۔

کعب بن اسد کی ندامت

جب یہود بنو قریظہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو زبیر بن باطا نے کہا: ہائے یہود کی ہلاکت! قریش اور غطفان اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ہمیں، ہمارے اموال اور ہمارے بچوں کو یہاں چھوڑ جائیں گے۔ ہم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ یہود کو کبھی عقل نہیں آئی۔ اب یثرب میں یہودیت کبھی نہیں رہ سکے گی۔ پھر کعب نے یہود کے پانچ افراد کو بلا بھیجا۔ ان پانچ افراد کے نام یہ ہیں: زبیر بن باطا، نباش بن قیس، غزال بن سموأل، عقبہ بن زید اور کعب بن زید۔ کعب بن اسد نے ان افراد کو حیی سے ہونے والی ساری بات بتائی۔ حیی نے جو کعب کو عہد و پیمان دیا تھا، اس سے بھی آگاہ کیا۔ زبیر بن باطا کہنے لگا: تمھیں کیا ضرورت ہے کہ تم بیٹھے بٹھائے قتل کر دیے جاؤ اور تمھارے ساتھ حیی بھی قتل کر دیا جائے۔ کعب لاجواب ہو گیا۔ باقی لوگوں نے بھی یہی کہا: ہمیں

تمھاری رائے سے اتفاق نہیں۔تم حیی کی نحوست و بدبختی کو خوب جانتے ہو۔کعب اپنی شوریٰ کی باتیں سُن کر اور ان کا ردعمل دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا اور اپنی عہد شکنی پر اسے خفت محسوس ہونے لگی۔

عمرو بن سعدیٰ کی تنبیہ

بنوقریظہ کے ایک عقل مند آدمی عمرو بن سعدیٰ نے بنوقریظہ کو بھلائی کی نصیحت کی، عہد شکنی کے انجام سے ڈرایا اور انھیں یاد دلایا کہ محمد (ﷺ) نے ان کے معاملے میں ہمیشہ سچائی اور وفا کی راہ اختیار فرمائی ہے۔عمرو بن سعدی نے مزید کہا کہ معاہدے کی رُو سے ہم لوگ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند ہیں تو اب عہد کی پابندی کرنے کے بجائے محمد (ﷺ) کے مقابلے میں ہتھیار سونتنا اور آپ کے خلاف دشمن کی مدد کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اس نے انھیں عہد پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور کہا کہ حیی کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ اس نے بنوقریظہ سے درخواست کی کہ اگر وہ مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کم از کم غیر جانبدار ہی رہیں۔ اس نے کہا: اگر تم محمد (ﷺ) کی مدد نہیں کرتے تو انھیں اور اُن کے دشمنوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

چار یہودیوں کا ایفائے عہد

کعب بن اسد پر اس کا اوچھا پن غالب آ گیا۔ اس کی مت ماری گئی۔ وہ زعمائے قریظہ کو مجبور کرنے لگا کہ مسلمانوں کے خلاف عہد شکنی کی جائے۔عمرو بن سعدیٰ نے اس جرم میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا۔ وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور اس کے اس وفادارانہ موقف میں تین یہودیوں نے بھی اس سے موافقت کی۔ ان تینوں یہودیوں کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید، اسید اور اسد بن عبید۔

نبی کریم ﷺ کو بنوقریظہ کی عہد شکنی کی اطلاع

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خندق کے کام میں مصروف تھے۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے خیمے میں تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر ؓ تھے۔ شہسوار خندق کے گرد چکر کاٹ رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ سبھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں مشغول تھے۔ اسی دوران میں سیدنا عمر بن خطاب ؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے پتا چلا ہے کہ بنوقریظہ نے عہد شکنی کر دی ہے اور وہ جنگ کے لیے تیار ہیں۔

عہد شکنی کے بارے میں تحقیقات

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجیے۔ زبیر رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

«اِذْهَبْ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ»

''بنوقریظہ کی طرف جاؤ۔''

زبیر رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے، بنوقریظہ کی سرگرمیاں دیکھ کر واپس آئے اور خبر دی: اے اللہ کے رسول! وہ اپنے قلعوں اور راستوں کی مرمت کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے مویشی بھی ایک جگہ جمع کر لیے ہیں۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ وَابْنُ عَمَّتِي»

''بے شک ہر نبی کا حواری (خصوصی مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری میری پھوپھی کا بیٹا زبیر ہے۔''[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگِ احزاب کے دن بنوقریظہ کی غداری کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''ان لوگوں (بنوقریظہ) کے بارے میں ہمارے پاس کون معلومات لے کر آئے گا؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں جاؤں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''ہمارے پاس ان لوگوں کی خبر کون لائے گا؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا کہ میں جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان کیا:

«مَنْ يَّأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟»

''کون ہے جو ہمارے پاس ان لوگوں کے بارے میں معلومات لائے؟''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر لبیک کہا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1 المغازي للواقدي: 391/1، إمتاع الأسماع: 231/1، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 471/1-474.

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ إِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ»

''بلاشبہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور بلاشبہ میرا حواری زبیر ہے۔''[1]

خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی کامیابی

سیدنا خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور حکم دیا:

«اِنْطَلِقْ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ فَانْظُرْ هَلْ تَرٰى لَهُمْ غِرَّةً أَوْ خَلَلًا مِّنْ مَّوْضِعٍ فَتُخْبِرَنِي»

''بنوقریظہ کی طرف جاؤ اور جائزہ لو کہ کیا ان لوگوں کی طرف سے کوئی دھوکہ یا کسی قسم کا کوئی بگاڑ نظر آتا ہے؟ (اگر ایسی صورت حال ہو تو) مجھے فوراً اطلاع دو۔''

سیدنا خوات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: غروب آفتاب کا وقت تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھا اور چل پڑا۔ جبل سلع سے اترا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر قلعہ راتج پہنچا، وہاں سے بنوعبدالاشہل کے مکانوں کو چھوڑتا ہوا بنوزہرہ کے علاقے سے گزرا، پھر بُعاث کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بنوقریظہ کے قریب جا پہنچا۔ یہاں میں چھپ گیا۔ چند لمحوں تک چپ چاپ ان کے قلعوں کی طرف دیکھتا رہا، اسی دوران میں اچانک مجھے نیند آگئی۔ میری آنکھ اس وقت کھلی جب ایک آدمی نے مجھے اٹھایا، اپنے کندھوں پر رکھا اور چل پڑا۔ میں گھبرا گیا۔ وہ شخص مسلسل بھاگے جا رہا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ بنوقریظہ کا جاسوس ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آیا۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی کیونکہ جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، میں نے وہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ پھر مجھے یاد آیا کہ مجھ پر نیند نے غلبہ پالیا تھا۔

سیدنا خوات رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ جاسوس مجھے اُٹھائے بڑی تیزی سے اپنے قلعوں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے یہودی زبان میں ایک بات کہی۔ وہ میری سمجھ میں آگئی اس نے کہا تھا: موٹی اونٹنی کے ساتھ خوش ہو جاؤ۔ میں نے اسے ان کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ یاد دلایا اور کہا: ہم سے کوئی بھی اس معاہدے کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس نے میری کوئی نہ سنی۔ میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ خیال آیا کہ میں اس کدال ہی کے ذریعے بچ سکتا ہوں جو اس کے پاس ہے۔ میں نے کدال پر ہاتھ دھرا اور اسے نکالنے لگا۔ اتنے میں قلعے کے اوپر سے کسی آدمی نے اسے آواز دی۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے فوراً کدال نکال لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ

[1] صحيح البخاري: 4113.

دی۔ یوں اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ درندے کی طرح چلانے لگا۔ یہود نے اپنی گڑھیوں پر آگ کے شعلے بھڑکا دیے۔ اسی دوران میں وہ جاسوس مرگیا۔ مجھے راستے کا علم نہ تھا، تاہم جس راستے سے وہ مجھے لایا تھا، میں اسی راستے پر واپس بھاگ نکلا۔

جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اس معاملے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ظَفِرْتَ يَا خَوَّاتُ!»

"اے خوات! تم کامیاب ہوگئے۔"

پھر آپ ﷺ خیمے سے نکلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ مِنْ أَمْرِ خَوَّاتٍ كَذَا وَ كَذَا»

"خوات کے ساتھ اِس طرح کا معاملہ ہوا ہے۔"

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ سے باتیں کر رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو معاً فرمایا:

«أَفْلَحَ وَجْهُكَ»

"تمھارا چہرہ کامیاب ہو۔"

میں نے بھی کہا: اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْبِرْنِي خَبَرَكَ»

"مجھے آپ بیتی سناؤ۔"

میں نے آپ ﷺ کو سارا ماجرا سُنا دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«هٰكَذَا أَخْبَرَنِي جِبْرِيلُ»

"مجھے جبریل نے اسی طرح بتایا تھا۔" [1]

بنوقریظہ کے پاس جانے والا وفد

بنوقریظہ کی غداری اور خیانت کی خبر کی تحقیق کے لیے رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ، قبیلہ

[1] المغازي للواقدي :394/1.

خزرج کے سردار سعد بن عبادہ، بنو حارث بن خزرج سے عبداللہ بن رواحہ اور بنو عمرو بن عوف سے خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ اسید بن حضیر کو بھی ساتھ روانہ کیا اور ان سے فرمایا:

«اِنْطَلِقُوا حَتّٰى تَنْظُرُوا، أَحَقٌّ مَّا بَلَغَنَا عَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ أَمْ لَا؟ فَإِنْ كَانَ حَقًّا فَالْحِنُوا لِي لَحْنًا أَعْرِفُهُ، وَلَا تَفُتُّوا فِي أَعْضَادِ النَّاسِ، وَإِنْ كَانُوا عَلَى الْوَفَاءِ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاجْهَرُوا بِهِ لِلنَّاسِ»

”تم لوگ بنوقریظہ کے پاس جاؤ۔ ان کے احوال معلوم کرو۔ اگر ان کی خیانت و بدعہدی کی بات صحیح ہے تو واپس آ کے مجھے اشارے ہی اشارے میں بتا دینا۔ لوگوں کی ہمتیں پست نہ کرنا۔ اگر وہ اس معاہدے پر جو ہمارے اور ان کے درمیان طے پایا ہے، قائم ہوں اور وفاداری برتیں تو لوگوں میں بانگ دہل اعلان کر دینا۔“

وہ چاروں ساتھی بنوقریظہ کے پاس پہنچے تو انھیں اس سے کہیں زیادہ خباثت اور شرانگیزی میں مصروف پایا جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تھی۔ بنوقریظہ نے ان حضرات سے کہا: اب کیا باقی رہ گیا ہے؟ ہمارے پَر توڑ دیے گئے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنونضیر کو یہاں سے نکال دیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا: جاؤ، چلے جاؤ ہمارے اور ان کے مابین کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

بنوقریظہ کی بدزبانی اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی نصیحت

نبوی وفد نے بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کو بہت سمجھایا کہ وہ حیی بن اخطب جیسے مفسد آدمی کی باتوں میں نہ آئے لیکن کعب نہ مانا۔ کہنے لگا: یہ کبھی نہ ہوگا۔ کعب بن اسد اپنی فطری خباثت پر اتر آیا۔ اس نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
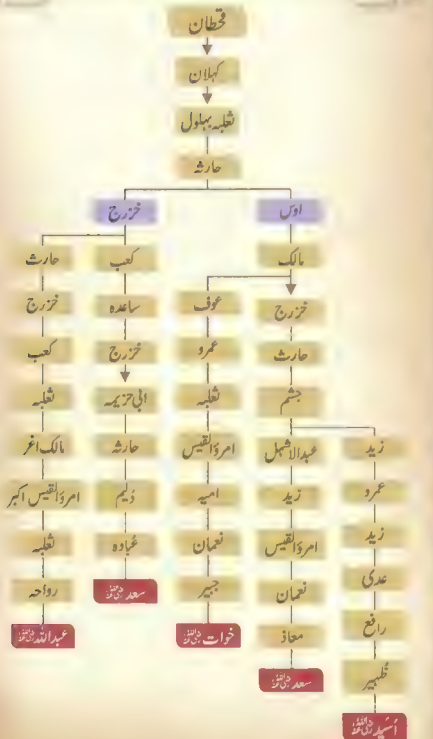
کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: او اللہ کے دشمن! تو سردار کو گالیاں بکتا ہے؟ حالانکہ تُو ان کے پاسنگ بھی نہیں۔ ارے یہودی کے بچے! اللہ کی قسم! ان شاء اللہ قریش یقیناً شکست کھا کر اپنے گھروں کو بھاگ جائیں گے اور تمھیں یہیں چھوڑ جائیں گے، تب ہم تم پر لشکر کشی کریں گے اور تم ہمارے حکم کے مطابق اپنے اس بل سے دُم دبا کر نکلو گے۔ تم بنونضیر کو خوب جانتے ہو۔ وہ تم سے زیادہ معزز تھے اور اس علاقے میں تمھاری نسبت زیادہ طاقتور تھے۔ کیا تمھاری دیت ان کے مقابلے میں نصف نہ تھی؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام کیا کیا؟ اس سے پہلے بنوقینقاع بھی ہمارے ہی حکم پر سرنگوں ہوئے تھے۔

کعب نے اکڑ کر جواب دیا: اے حضیر کے بیٹے! تم مجھے لشکر کشی سے ڈرا رہے ہو؟ تورات کی قسم! تمھارے باپ نے مجھے جنگ بعاث میں دیکھا تھا۔ اگر اس وقت ہم نہ ہوتے تو خزرج اسے وہاں سے جلاوطن کر دیتے۔ اللہ کی قسم! تمھارا کسی جنگجو سے مقابلہ ہی نہیں ہوا۔ جب ہم سے پالا پڑے گا تو تمھیں پتا چل جائے گا۔ اللہ کی قسم! ہم تم سے ڈٹ کر لڑیں گے۔ پھر بنوقریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں بدزبانی کرنے لگے۔ انھوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بہت بری گالیاں دیں یہاں تک کہ وہ شدید غصے میں آ گئے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک طرف بنوقریظہ کو نصیحت کی اور دوسری طرف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، ہم ان سے جھگڑنے نہیں آئے۔ آپ اپنے اعصاب پر قابو رکھیے۔ ان کی گالیوں کا جواب نہ دیجیے۔ ہمارے اور ان کے مابین جو معاملہ ہے، وہ گالی گلوچ سے ماورا ہے۔

پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنوقریظہ کو ان کی گمراہی سے باز آنے کی نصیحت کی اور ان خوفناک نتائج سے خبردار کیا جو عہد شکنی کے نتیجے میں عنقریب مرتب ہوں گے۔ انھوں نے مزید کہا: اے بنوقریظہ! جو عہد ہمارے اور تمھارے مابین ہے، اس کا تمھیں علم ہی ہے، میں تمھارے بارے میں بنونضیر کے انجام بلکہ اس سے بھی بدتر انجام سے ڈرتا ہوں۔

ان یہودیوں نے اپنے جلیل القدر خیرخواہ حلیف کو جو جواب دیا، وہ ان کی طبعی کمینگی، دیوانگی اور خوفناک پستی کے مطابق تھا۔ ان میں سے ایک بدبخت غزال بن سموال نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بہت بری گالی دی۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بنوقریظہ! تمھیں اس سے بھی بڑھ کر کوئی بات اچھی لگے تو کہہ لو۔ نباش بن قیس یہودی نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو غلیظ گالی دی جس سے وہ غصے کے مارے لال پیلے ہو گئے، لیکن سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دخل اندازی سے معاملہ یہیں ٹھپ گیا۔

نبوی وفد کی رپورٹ

بنوقریظہ اپنی گمراہی اور شرمناک بدزبانی میں بڑھتے ہی گئے۔ وہ نبی کریم ﷺ کو برا بھلا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلسل گالیاں دیتے رہے، یہاں تک کہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے حلیفوں کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو گئے اور اسلامی وفد بنوقریظہ کی عہد شکنی کا یقین کر کے واپس آ گیا۔ جب یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے آ کر کہا: عَضَلٌ وَّ الْقَارَةُ، یعنی جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع، سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ غداری اور خیانت کی تھی، اسی طرح بنوقریظہ نے بھی غداری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور فرمایا:

رجیع کا چشمہ

«أَبْشِرُوا يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! بِنَصْرِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ»

''اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ کی نصرت اور اس کی مدد سے خوش ہو جاؤ۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ مبارک ڈھانپ لیا اور دیر تک لیٹے رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ وہ سمجھ گئے کہ بنوقریظہ کے حوالے سے آپ کو کوئی اچھی خبر نہیں ملی، پھر آپ ﷺ اٹھے اور فرمایا:

«أَبْشِرُوا يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! بِنَصْرِ اللّٰهِ وَعَوْنِهِ»

''اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ کی نصرت اور اس کی مدد سے خوش ہو جاؤ۔''[1]

مسلمان طوفانوں کی زد میں

اسلامی وفد نے تو بھرپور کوشش کی تھی کہ صورتِ حال مخفی رہے لیکن لوگوں کو سارے معاملے کی آناً فاناً خبر ہو گئی۔

[1] المغازي للواقدي: 392/1، السيرة لابن هشام: 233,232/3، الحياة العسكرية، ص: 168-170، البداية والنهاية: 105,104/4.

مشرکینِ مکہ بالائی علاقے کی طرف سے چڑھ آئے تھے، اہل نجد نچلے علاقے کی طرف سے دھمکے تھے اور مدینہ کے اندر رہنے والے یہود و منافقین نے آپس میں گٹھ جوڑ کرلیا تھا اور مسلمانوں کی صفوں میں خوف اور دہشت پھیلانے لگے تھے۔ حالات بے حد سنگین ہوگئے تھے۔ پیچھے بنوقریظہ تھے۔ ان کا حملہ روکنے کے لیے ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی نہ تھا۔ آگے مشرکین کا بھاری لشکر تھا۔ اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹنا ممکن نہیں تھا۔ ادھر مسلمان عورتیں اور بچے تھے جو کسی خاص حفاظتی انتظام کے بغیر ہی بدعہد یہودیوں کے قریب تھے۔ ان اسباب کی بنا پر لوگوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوگیا۔ اس حالت کا نقشہ اس آیت مقدسہ میں کھینچ دیا گیا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○﴾ (الاحزاب 33:10، 11)

”(اے مومنو!) جب وہ تم پر تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے آگئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر بیٹھے۔ اس وقت مومنوں کی آزمائش کی گئی اور انھیں شدت سے جھنجوڑ دیا گیا۔“[1]

منافقین کی کارستانیاں

یہ صورت حال دیکھ کر منافقین مسلمانوں کی عسکری قوت کے متعلق بے سروپا باتیں پھیلانے لگے۔ اوس بن قیظی گویا ہوا: اے اللہ کے رسول! ہمارے گھر مدینہ سے باہر کی جانب ہیں۔ یہ دشمنوں کے لیے بالکل کھلے ہوئے ہیں۔ آپ ہمیں ہمارے گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دیجیے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بنوسلمہ کے قدم بھی اکھڑنے

[1] البداية والنهاية :104/4، فتح الباري :500/7.

لگے اور وہ پسپائی اختیار کرنے کے لیے سوچنے لگے تھے۔[1] ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ○ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ○ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ○ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ○ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ○ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ○ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ○ لِّيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○﴾

''اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہلِ یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) ٹھہرنے کا موقع نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی (ﷺ) سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے۔ وہ تو صرف جنگ سے بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر چڑھائے جاتے، پھر انھیں فتنے (خانہ جنگی) کی دعوت دی جاتی تو وہ فوراً اس میں کود پڑتے اور اس میں بس تھوڑا ہی

[1] السيرة لابن هشام: 233/3.

توقف کرتے۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہی ہے۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو گے تو تمھارا بھاگنا تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا اور تب تم بہت تھوڑا فائدہ اٹھاؤ گے۔ کہہ دیجیے: کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمھیں نقصان (پہنچانے) کا ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ کرے؟ اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی پائیں گے نہ کوئی مددگار۔ بے شک اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے جہاد میں رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ اور وہ جنگ میں کم ہی شریک ہوتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں، چنانچہ جب خوف (کا وقت) آئے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ یوں آنکھیں گھما گھما کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص جس پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہو جائے تو مال (غنیمت) کے انتہائی حریص بن کر تمھارے سامنے تیز تیز زبانیں چلانے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرانشین دیہاتیوں کے ساتھ جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری خبریں دریافت کرتے اور اگر وہ تم میں موجود ہوں تو وہ (دشمن سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے ہیں۔ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس چیز نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور اضافہ کر دیا۔ مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ اس لیے کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، یقیناً اللہ بہت زیادہ بخشنے والا، بہت زیادہ مہربان ہے۔''[1]

مسلمانوں کے خلاف تیسری قوت

منافقین احزاب اور یہود بنوقریظہ کے ساتھ مل کر اسلامی لشکر کے خلاف تیسری قوت کی شکل اختیار کر گئے۔ یہ

[1] الأحزاب 33:12-24.

لوگ بنوقریظہ کی عہد شکنی کے بعد بالخصوص، مسلمانوں کی صفوں میں افواہیں پھیلاتے اور تخریب کاری کرتے رہے۔ انھوں نے سرِعام رسول اللہ ﷺ سے حیلے بہانے کرکے اپنے گھروں کو واپس جانا شروع کر دیا۔ راہِ جہاد سے فرار اختیار کرکے ان کا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا تھا۔ منافقین کے اس اقدام سے ایک طرف ان کے چہرے سے اسلام کا نقاب اتر گیا اور صاف معلوم ہوگیا کہ یہ شریر لوگ مسلمان نہیں ہیں دوسری طرف ان لوگوں کے چلے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت اور زیادہ نازک ہوگئی۔[1]

بنوغطفان سے صلح کی کوشش

اس انتہائی نازک صورتحال میں رب ذوالجلال کا کرم اور رسالت مآب ﷺ کا حُسنِ تدبر کام آیا۔ آپ ﷺ نے درپیش حالات کا تجزیہ کرکے قبیلۂ غطفان سے صلح کا ارادہ فرمالیا۔ آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ اس جنگ میں قبیلۂ غطفان کی شرکت سیاسی مقصد کے لیے تھی، نہ کہ مذہبی تعصب کی بنا پر۔ ان کا مقصد محض یہ لالچ تھا کہ اس بہت بڑی جنگ میں شریک ہوکر خوب مال بٹورنے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے متحدہ دشمن میں سے حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع سے مصالحت کی کوئی کوشش کی نہ قریش کے لیڈر ابوسفیان سے صلح کی بات کی۔ ان دونوں گروہوں کا مقصد مال کا حصول نہ تھا۔ یہ لوگ دینِ حنیف کے دشمن تھے اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ اس تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے بنوغطفان کی قیادت سے رابطہ کیا۔

سیدنا سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محاصرے کی حالت میں دس سے زیادہ دن گزر گئے تھے۔ ہر شخص انتہائی کربناک صورت حال سے دوچار تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حضور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ»

”اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! بلاشبہ اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہ کی جائے (مطلب یہ ہے کہ اپنی مدد نازل فرما)۔“[2]

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیل و نہار اسی کشمکش میں گزر رہے تھے۔ حالات کی خوفناک سنگینی کے پیش نظر سالارِ اعلیٰ نبیِ کریم ﷺ کے لیے ضروری ہوگیا کہ آپ ﷺ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے شدید دباؤ کم ہو جائے اور مختصر سی اسلامی فوج کسی قدر اطمینان کا سانس لے سکے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غطفان کے قائدین عیینہ بن حصن فزاری اور

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى: 480,479/1. [2] مسند أبي عوانة: 359/4.

حارث بن عوف مُرّی کو پیغام بھیجا اور ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی۔ دونوں غطفانی سالاروں نے نبیِ کریم ﷺ کی خواہش کا احترام کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے انھیں مدینے کے پھلوں میں سے ایک تہائی کی پیش کش فرمائی۔ انھوں نے نصف پھلوں کا مطالبہ کیا لیکن آپ نے ایک تہائی پر مزید کوئی اضافہ نہیں کیا، چنانچہ ان دونوں نے اسی پیش کش کو غنیمت سمجھا اور اسے خوشی سے قبول کرلیا۔

معاہدۂ صلح اور اس کی شرائط

دونوں غطفانی سردار رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے بعد چلے گئے۔ بعد ازاں اپنے ساتھ اپنی قوم کے دس سرکردہ افراد لے آئے تاکہ معاہدہ طے پا جائے۔ آپ ﷺ بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت خندق سے پرے تشریف لے گئے۔ آپ نے کاغذ قلم منگوایا اور معاہدہ لکھنے کی ذمے داری سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس زرہ پہنے کھڑے رہے۔ فریقین کے مابین بات چیت ہونے کے بعد درج ذیل شرائط پر معاہدہ لکھا گیا:

1. یہ معاہدہ مسلمانوں اور غطفان کے درمیان طے پایا ہے جو اس وقت فریق مخالف کے ساتھ ہیں۔
2. قبیلۂ غطفان مسلمانوں کے ساتھ صلح کرے گا اور کسی جنگ میں ان کے خلاف نہیں لڑے گا، بالخصوص موجودہ صورت حال میں دشمن کا ساتھ نہیں دے گا۔
3. غطفانی مدینہ سے محاصرہ اٹھا کر فی الفور واپس چلے جائیں گے۔
4. اس کے بدلے میں مسلمان مدینہ منورہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ انھیں دیں گے۔
5. یہ معاہدہ ان کے ساتھ ایک سال کے لیے طے پایا ہے۔

اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ بنوغطفان جنگ کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ صرف مال بٹورنے کے لیے آمادۂ جنگ ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور معاہدۂ صلح کر کے ان کو غیر جانبدار بنانے کی مفید کوشش کی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکلات یکبارگی ٹوٹ پڑیں تو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے فکر و تدبر، حوصلے اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشکلات حل کرنے کے لیے آسان ترین راہ اختیار کرنی چاہیے اور دشمن کی قوت کمزور کرنے کے لیے اگر ان سے صلح کا کوئی معاہدہ بھی کرنا پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی ایمانی جرأت

جب صلح کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو اچانک سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھیں صلح کے مذاکرات کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچے تو دیکھا کہ غطفانی سردار عیینہ بن حصن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی ٹانگیں پھیلائے بیٹھا ہے۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ عیینہ کی اس بدتمیزی اور بے ادبی پر طیش میں آگئے۔ انھوں نے غطفانی سردار کو جھڑک کر کہا:

يَا عَيْنَ الْهِجْرِسِ! اِقْبِضْ رِجْلَيْكَ، أَتَمُدُّ رِجْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟

''اے بندر کی آنکھ والے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لے۔ کیا تجھے احساس نہیں کہ تُو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہے؟''

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ انھوں نے کہا: اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس نہ ہوتی تو میں یہ نیزہ تیرے خُصیوں کے آر پار کر دیتا۔ اس وقت تک سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہ لوگ کس مقصد کے لیے آئے ہیں، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر یہ آسمانی حکم ہے تو کر گزریے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہے تو یہ لوگ جب بھی ہم سے اس قسم کی طمع کی بات کریں گے تو ہم انھیں تلوار کی دھار دکھا دیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سعدَین سے مشاورت

قبیلہ غطفان کے قائدین سے بات چیت تو ہوگئی۔ لیکن اب معاملے کو آخری شکل دینے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری زعماء سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا کیونکہ مدینے کے پھل درحقیقت انھی کی ملکیت تھے۔ اگرچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر بڑی خوشی سے راضی ہوجاتے اور ذرہ بھر بھی تامل نہ کرتے لیکن ایک مثالی لیڈر ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لے کر ہی کسی معاملے کو حتمی شکل دیتا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راز داری میں مشورہ کیا تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے تو آپ ایسا کر گزریے اور اگر آپ کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا، محض آپ کی رائے ہے تو آپ کی رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے، تاہم اگر یہ بات آپ بطور مشورہ کر رہے ہیں تو ہمارے پاس ان کے لیے تلوار کے سوا کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلْ شَيْءٌ أَصْنَعُهُ لَكُمْ، وَاللّٰهِ! مَا أَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلَّا لِأَنَّنِي رَأَيْتُ الْعَرَبَ رَمَتْكُمْ عَنْ قَوْسٍ وَاحِدَةٍ كَالَبُوكُمْ - أَيْ: اِنْشَدُّوْا عَلَيْكُمْ - مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَأَرَدْتُ عَنْ أَكْسِرَ عَنْكُمْ مِنْ شَوْكَتِهِمْ إِلٰى أَمْرٍ مَّا»

''ایسا نہیں ہے، بلکہ میں یہ سب کچھ تمھاری خاطر کر رہا ہوں۔ اور ایسا صرف اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب تم پر ایک ہی کمان سے تیروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں اور وہ ہر طرف سے تم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو، ان کی قوت توڑ دوں اور تمھیں اس صورتحال کے نقصانات سے بچالوں۔''

انصار نے صلح مسترد کر دی

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سب بتوں کو پوجتے تھے۔ اللہ کی عبادت کرتے تھے نہ اسے پہچانتے تھے۔ اس وقت بھی یہ لوگ ہم سے بطورِ ضیافت یا خرید کر ہی کھجوریں کھاتے تھے، اس کے علاوہ یہ لوگ مدینہ کی ایک کھجور پر بھی للچائی ہوئی نظر نہیں ڈال سکتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہمیں سیدھے راستے پر چلایا ہے۔ آپ کی اور اسلام کی برکت سے ہمیں اعزاز عطا فرمایا ہے۔ اب کیا ہم انھیں اپنا مال دے دیں؟ اللہ کی قسم! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے انھیں تلوار کے سوا کچھ نہیں ملے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین کوئی فیصلہ کر دے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْتَ وَ ذَاكَ»

''تمھارا یہ مشورہ بہت خوب ہے۔''

اب تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاں نثار ساتھیوں کے روح پرور جواب سے بہت خوشی ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا جذبۂ فدویت دیکھ کر فرمایا:

«شُقَّ الْكِتَابَ»

''صلح نامہ پھاڑ دو۔''

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ انھوں نے معاہدے کی دستاویز پھاڑ ڈالی اور کہا: ہمارے اور تمھارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ عیینہ بن حصن اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! جس چیز (صلح) کو تم نے چھوڑا ہے، وہ تمھارے لیے بہتر تھی بہ نسبت اس منصوبے کے جو تم نے اب بنایا ہے۔ تمھارے پاس اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔

مسجد سعد بن معاذ، الجیریا

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: عیینہ! کیا تم ہمیں تلوار سے ڈراتے ہو؟ عنقریب تمھیں پتا چل جائے گا کہ ہم میں سے زیادہ واویلا کرنے والا کون ہے۔ اللہ کی قسم! تم اور تمھاری قوم قحط کی وجہ سے علہز اور بوسیدہ ہڈیاں کھاتے تھے۔ تم ہمارے پاس آکر ایک دانے کی طمع کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ ہم تمھاری ضیافت کریں یا تم ہم سے خریداری کرو۔ ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دے دی اور محمد ﷺ کے ذریعے قوت بخشی تو اب تم ہم سے سودے بازی کی جسارت کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ کی مجلس نہ ہوتی تو تم اپنی قوم کی طرف صحیح سلامت نہیں جاسکتے تھے۔

نبی ﷺ نے نہایت بلند آہنگی سے فرمایا:

«ارْجِعُوا بَيْنَنَا السَّيْفُ»

''لوٹ جاؤ، اب ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔''

بنوغطفان پر اسلامی قوت عیاں ہوگئی

عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف پلٹ آئے۔ وہ آپس میں کہہ رہے تھے: ہمیں چنداں امید نہیں کہ ہم ان

سے کچھ حاصل کر سکیں۔ اللہ کی قسم! میں تو لوگوں کے مجبور کرنے پر مسلمانوں کے پاس چلا آیا۔ اب ہمارا ادھر ٹھہرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اگر قریش کو پتہ چل گیا کہ ہماری محمد (ﷺ) کے ساتھ کیا بات چیت ہوئی ہے تو انھیں یہ یقین ہو جائے گا کہ ہم نے ان (قریش) کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ انھیں رسوا کیا ہے۔

عیینہ نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً بات اسی طرح ہے۔ حارث نے کہا: ہم محمد (ﷺ) کے خلاف قریش کی مدد کے لیے اپنی جان قربان کر کے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ کی قسم! اگر قریش غالب آ گئے تو سارے عرب کی سیادت ان کو مل جائے گی، مگر نہیں، میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ محمد (ﷺ) کا دین ہی غالب آ جائے گا۔ اللہ کی قسم! یہودِ خیبر کے علماء بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی کتابوں میں یہ لکھا پاتے ہیں کہ حرم سے فلاں فلاں خوبیوں کا مرقع ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور جو خوبیاں وہ بیان کرتے ہیں، وہ محمد ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔

یہود کی مقدس کتاب تورات

عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم قریش کی مدد کے لیے نہیں آئے۔ اگر ہم قریش سے ایسی مدد طلب کرتے تو وہ ہماری مدد کے لیے ہلنا بھی گوارا نہ کرتے بلکہ وہ اپنے حرم ہی سے نہ نکلتے۔ ہمارے نکلنے کا مقصد تو یہ تھا کہ ہم مدینہ کی کھجوریں ہتھیالیں اور ہمیں شہرت بھی مل جائے۔ حارث نے کہا: اللہ کی قسم! اوس و خزرج نے تو صرف تلوار کا فیصلہ سنا دیا ہے جب تک ان کا ایک آدمی بھی باقی ہے، وہ مقابلے سے باز نہیں آئیں گے۔ وہ تو کھجور کی چھڑی سے بھی لڑنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ادھر حالت یہ ہے کہ محاصرے کی طوالت سے ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔

جب وہ دونوں اپنی قوم کے پاس پہنچے تو غطفان کے جنگجو ان سے سوال جواب کرنے لگے، انھوں نے پوچھا: بتاؤ کیا کر کے آئے ہو؟ وہ بولے: معاملہ طے نہیں ہو سکا۔ وہ بڑے جری، دانش مند اور جاں نثار لوگ ہیں اور اپنے ساتھی کے دفاع میں خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار ہیں۔

انصاری سرداروں نے غطفانی سالاروں کو جو دو ٹوک جواب دیا اور جتنی دلیری سے گفتگو کی، وہ باتیں ان کے

کانوں میں برق و رعد کی طرح گونجتی رہیں حتی کہ نجدی قبائل کے سردار اپنے جنگی منصوبے پر رہ رہ کر سوچ بچار کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرکے اپنی جان گنوانا کوئی عقلمندی کی بات نہیں۔ یوں غطفانی سالاروں کے واپس اپنے پڑاؤ میں جانے کے بعد غطفان کا مسلمانوں کے خلاف کوئی قابل ذکر حربی کردار باقی نہ رہا۔ ان کی فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں پڑی رہیں حتی کہ احزاب کے سالار ابوسفیان نے کوچ کا حکم صادر کر دیا۔[1]

امت کے لیے اہم سبق

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ ''تمام عرب تم پر ایک کمان سے تیر برسا رہے ہیں۔'' اس سے آپ ﷺ کا مقصود یہ واضح فرمانا تھا کہ تمام کے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف متحد نہ رہنے پائیں۔ اس سے مسلمانوں کو یہ رہنمائی ملتی ہے:

- مسلمانوں کو چاہیے کہ دشمن کی کمزوریاں ڈھونڈیں۔
- دوران جنگ مسلم قیادت کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ مخالف فریقوں میں سے جس فریق کو غیر جانبداری کی راہ پر ڈال سکے تو ضرور ڈالے۔ رسالت مآب ﷺ کے عمل مبارک سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ مسلم قیادت کو باہم مشورے سے کام لینا چاہیے۔ پیش آمدہ مسائل میں علمائے دین سے رہنمائی لینی چاہیے۔ اور اسلام کے وقتی اور دائمی مفادات کی حفاظت کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مشاورت کی، اس سے آپ ﷺ کے طرزِ قیادت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ حربی و غیر حربی معاملات میں ہمیشہ مشورہ فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو بھی مشورے سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ اگر کسی معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں آتی تھی تو درپیش معاملہ آپس میں مشورے اور خوب غور و فکر کی روشنی میں طے پاتا تھا۔

ترک صلح کے سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے قبول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ کامیاب لیڈر کا ماتحتوں کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماتحت لیڈر کے مرتبہ شناس ہوتے ہیں اور لیڈر ماتحتوں کا قدر دان ہوتا ہے۔ قائد ان کے مشورے کا احترام کرتا ہے اور وہ اس کی رائے کو برتر اور معتبر سمجھتے ہیں۔ قائدینِ غطفان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مصالحت کا عمل شرعی سیاست کا ایک اہم اسلوب ہے جس میں ملّی مفادات کا بھرپور خیال رکھا گیا۔

[1] المغازي للواقدي :409,408/1، السيرة لابن هشام :234/3، البداية والنهاية :107,106/4، جوامع السيرة، ص : 187-189، موسوعة الغزوات الكبرٰى :486-481/1.

اس معاہدۂ صلح کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف تین مفاہیم کا حامل ہے:

- یہ موقف اظہار رائے میں مسلمانوں کی بے باکی اور فصاحت و بلاغت کی شان عیاں کرتا ہے اور یہ کہ حسبِ موقع جماعت کے تمام معاملات و مسائل میں مشورے کی اہمیت و ضرورت مسلّم ہے۔
- یہ معاملہ مسلمانوں کی نفسیات سے پردہ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے ان کے ناقابلِ شکست تعلق کو اُجاگر کرتا ہے۔
- یہ موقف واضح کرتا ہے کہ مسلمان نفسیاتی طور پر کس قدر مضبوط تھے اور انتہائی نازک صبر آزما حالات کا مقابلہ بھی کتنے اونچے حوصلے اور ولولے سے کرتے تھے۔ دشمن چاہے کیسی ہی تیاری کے ساتھ کتنا ہی بڑا ٹڈی دل لشکر لے آیا ہو، وہ اس سے مرعوب ہونا جانتے ہی نہیں تھے۔[1]

حکمتِ نبوی اور حکمتِ ربانی کا فیصلہ

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمتِ عملی کا یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ آپ نے صلح کے لیے غطفانی سرداروں کو اپنے ہاں بُلایا تاکہ غطفانی کفارِ قریش سے الگ ہو جائیں اور مسلمانوں کے خلاف اس جنگ سے الگ تھلگ ہو جائیں۔ غطفانی سرداروں سے صلح کی شرائط طے کرنے اور معاہدہ رقم ہونے کے بعد اوس وخزرج کے دونوں سرداروں کو بلا کر مشاورت کی۔ ان دونوں نے یہ جان کر کہ معاہدہ کسی شرعی حکم کے تحت نہیں بلکہ محض ایک حکمتِ عملی کے طور پر طے پا رہا ہے تو انھوں نے مشورہ دیا کہ غطفانیوں سے ان کی شرائط کے تحت صلح کرنا مناسب نہیں، مسلمان قوی اور ثابت قدم ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا موقف تسلیم کرتے ہوئے معاہدہ چاک کروا دیا کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے اور اس کا باقاعدہ اعلان ہونا باقی تھا۔ اوس وخزرج کا لڑنے کا عزم دیکھ کر غطفانی سردار نامراد لوٹ گئے اور ان پر مسلمانوں کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ اپنے پڑاؤ میں جا کر عملاً جنگ سے الگ ہوگئے۔ یہ سب ایک حکمتِ ربانی کے تحت ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو سربلند رکھنا چاہتا تھا۔ گویا آخری فیصلہ حکمتِ نبوی اور حکمتِ ربانی کے عین مطابق تھا۔

دشمن کی رسد پر قبضہ

بنوقریظہ کی عہد شکنی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو تین سو مجاہدین کی نفری کے ساتھ مدینہ پر پہرا دینے پر مامور کیا اور انھیں حکم دیا کہ بآواز بلند تکبیر کے نعرے

[1] السيرة النبوية للصلابي: 272,271/2.

لگائیں تاکہ بنوقریظہ مرعوب ہوجائیں۔ بنوقریظہ دشمن کا ساتھ دینے کو تیار ہوگئے اور انھیں بیس اونٹ کھجور، جو اور انجیر بطور امداد روانہ کیے۔ لیکن یہ اونٹ سارے ساز و سامان سمیت مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے اور وہ انھیں ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔[1]

نجدان یہودی کا قتل

اسلامی لشکر کے لیے آئے دن نت نئی مشکلات پیدا ہو رہی تھیں لیکن یہ ایک عظیم الشان فتح کی بشارت بن گئی تھیں۔ ان میں ایک واقعہ نجدان یہودی کے قتل کا بھی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے قلعہ بنی حارثہ میں بھیجا تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اگر تم اپنے آس پاس کسی دشمن کی آمد کی بُو سونگھو تو تلوار کی چمک کے ذریعے سے ہماری طرف اشارہ کر دینا، چنانچہ ایک دن بنوثعلبہ کی شاخ بنوجحاش سے تعلق رکھنے والا نجدان نامی شخص عورتوں کے قلعے کے پاس پہنچا اور یہ آواز لگانے لگا: تمھارے لیے اسی میں خیر ہے کہ تم نیچے اتر آؤ اور میرے پاس آجاؤ۔ یہ صدا سن کر مسلمان عورتوں نے اپنی تلواریں لہرائیں جن کی چمک اصحابِ رسول نے دیکھ لی اور کچھ مسلمان فوراً قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں بنوحارثہ کا ایک مجاہد ظہیر بن رافع بھی تھا۔ اس نے کہا: اے نجدان! مقابلے کے لیے سامنے آجا۔ جونہی وہ نکل کر سامنے آیا۔ ظہیر رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑے۔ انھوں نے اس کے گھوڑے پر دھاوا بول دیا اور نجدان کو قتل کر دیا، پھر اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بے مثال بہادری

عہد شکنی کے بعد یہود بنوقریظہ عملاً جنگی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فارع نامی قلعے میں موجود تھیں۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہیں موجود تھے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک یہودی آکر قلعے کا چکر کاٹنے لگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوقریظہ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑ کر آپ ﷺ سے برسر پیکار ہو چکے تھے اور ہمارے اور ان کے مابین کوئی نہ تھا جو ان سے ٹکر لیتا۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں سمیت دشمن کے بالمقابل مصروف تھے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوجاتا تو آپ ﷺ انھیں چھوڑ کر نہیں آسکتے تھے، اس لیے میں نے کہا: اے حسان! یہ یہودی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ قلعے کا چکر لگا رہا ہے، اللہ کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اپنے یہودی ساتھیوں کو

[1] السيرة النبوية للصلابي: 265/2. [2] مجمع الزوائد: 133/6، المعجم الكبير للطبراني: 318/4.

اوس وخزرج کی بستیاں
(5ھ)
اوس کی بستیاں
خزرج کی بستیاں
یہود کی بستیاں
مدینہ
مسجد نبوی
مسجد قباء
قباء
جرف
بنو حارثہ
عرصہ
وادی قناۃ
بنو عبد الاشہل وزعوراء
نبیت
بنو ظفر
السافلہ
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
بنو سلمہ
بنو حرام
راس الثنیہ
بنو حارث بن خزرج اصغر
السُنح
حرّہ واقم
بنو نجار
(مالک، مازن، دینار اور عدی)
البقیع
بنو معاویہ
جبل سلع
وادی بطحان
بنو زُریق
بنو واقف
بنو ساعدہ
بنو حارث بن خزرج اکبر
بنو عبید
بنو بیاضہ
بنو امیہ
بنو سالم بن عوف
حرّہ وبرہ
وادی مہزور
بنو قریظہ
العالیہ
بنو عوف بن خزرج
عصب
بنو عوف بن مالک بن اوس

ہماری کمزوری سے آگاہ کر دے گا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح مصروفِ جنگ ہیں کہ ہماری مدد کو نہیں آسکتے، لہٰذا آپ جائیے اور اسے قتل کر دیجیے۔

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ کی قسم، آپ جانتی ہیں کہ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر میں نے خود ہی کارروائی کے لیے کمر باندھی، خیمے کے ستون کی لکڑی اُٹھائی۔ پھر قلعے سے نیچے اتر کر اس یہودی کے پاس جا پہنچی۔ میں نے اسی لکڑی سے مار مار کر اسے واصل جہنم کر دیا۔ اس کے بعد قلعے میں واپس آگئی۔ میں نے حسان رضی اللہ عنہ سے کہا: جائیے اور اس کے ہتھیار اور اسباب اتار لائیے۔ چونکہ وہ مرد ہے، اس لیے میں نے اس کے ہتھیار نہیں اتارے۔ حسان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: مجھے اس کے ہتھیار اور سامان کی کوئی ضرورت نہیں۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بچوں اور عورتوں کی حفاظت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کے اس دلیرانہ کارنامے کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس کارروائی سے غالبًا یہود نے سمجھا کہ مسلمانوں کے قلعوں اور گڑھیوں میں بھی مسلمانوں کا حفاظتی لشکر موجود ہے، حالانکہ وہاں سرے سے کوئی لشکر ہی نہیں تھا، چنانچہ یہود کو دوبارہ ایسی حرکت کی جرأت نہیں ہوئی، البتہ وہ بت پرست حملہ آوروں کے ساتھ اپنے اتحاد کا عملی ثبوت دینے کے لیے انھیں رسد پہنچاتے رہے۔[2]

کیا حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے؟

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بزدل نہیں تھے۔ مذکورہ بالا روایت میں ان کی بزدلی بیان کی گئی ہے، یہ روایت ضعیف ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جانے والی اس مذموم خصلت کا دفاع کرتے ہوئے علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ اس روایت سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے۔ لیکن اہل علم نے اس بات کا انکار کیا ہے۔ اس کی وجوہ یہ ہیں:

1. یہ روایت سند کے اعتبار سے منقطع ہے، یعنی غیر متصل، ناقابل اعتبار اور غیر صحیح ہے۔
2. اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بزدل تھے تو ان کی ہجو ضرور کی جاتی کیونکہ وہ ضرار اور ابن زبعریٰ جیسے عرب کے بڑے بڑے شعراء کی ہجو کرتے تھے اور وہ لوگ ان کا جواب دیتے تھے لیکن کسی ایک شاعر نے بھی حسان رضی اللہ عنہ کو بزدلی کا طعنہ نہیں دیا، لہٰذا یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ابن اسحاق کی روایت ضعیف ہے۔
3. بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو ممکن ہے حسان رضی اللہ عنہ بیمار ہوں یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے وہ لڑائی

[1] السیرة لابن هشام: 239/3. [2] الرحیق المختوم، ص: 322.

میں شرکت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ یہی سب سے بہترین توجیہ ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''الدرر'' میں اس واقعے کی صحت کا انکار کیا ہے۔[1]

کفار کے شہسوار خندق میں

مشرکین کا ایک شہسوار دستہ خندق کے پاس پہنچ کر غیظ و غضب سے چکر کاٹنے لگا۔ انھیں ایسی کمزور جگہ کی تلاش تھی جہاں سے وہ خندق میں اتر سکیں۔ ادھر مسلمان ان کی کڑی نگرانی کر رہے تھے اور ان پر تیر برساتے رہتے تھے تاکہ انھیں خندق کے قریب آنے کی جرأت نہ ہو، وہ اس میں کود سکیں نہ مٹی ڈال کر عبور کرنے کے لیے راستہ بنا سکیں۔

ادھر قریش کے شہسوار اس بات پر پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ وہ خواہ مخواہ خندق کے محاصرے کے نتائج کے بے سُود انتظار میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی عادت اور ان کی شان کے خلاف بات تھی، چنانچہ ان میں سے عمرو بن عبد ود بن ابی قیس نکلا جو بنو عامر بن لؤی سے تھا۔ بنو مخزوم سے عکرمہ بن ابی جہل اور ہبیرہ بن ابی وہب نکلے۔ بنو محارب بن فہر سے ضرار بن خطاب بن مرداس نکلا۔ یہ ان کا بہت بڑا شاعر تھا۔ یہ لوگ اپنے پڑاؤ سے نکلے اور جب بنو کنانہ کے پڑاؤ کے پاس سے گزرے تو بڑے تکبر سے کہنے لگے: بنو کنانہ! جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج پتا چل جائے گا کہ بہادر کون ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک تنگ جگہ میں گھسے اور خندق میں داخل ہو گئے۔ ان میں پیش پیش عکرمہ بن ابو جہل، عمرو بن عبد ود اور ضرار بن خطاب تھے۔[2]

خندق کی نگرانی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا گشت

خندق کی راتیں بہت خوفناک تھیں۔ صورتحال دن بدن شدت اختیار کر رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر آن، ہر گھڑی خندق کے گرد چکر لگاتے رہتے تھے اور دشمن کی زبردست نگرانی کر رہے تھے۔ خندق پر پہرے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس گشت کرتے تھے اور خندق کی نگرانی فرماتے تھے۔ نبی ﷺ کی اہلیہ محترمہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: اللہ کی قسم! میں رات کے درمیانی حصے میں نبی کریم ﷺ کے خیمے میں تھی۔ آپ ﷺ سو رہے تھے۔ اچانک میں نے ایک دہشت زدہ آواز سنی۔ کہنے والا کہہ رہا تھا: يَا خَيْلَ اللّٰهِ! ''اے اللہ کے لشکر!'' دراصل رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کا شعار (Code Word) يَا خَيْلَ اللّٰهِ مقرر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ یہ آواز سن کر گھبرا گئے اور خیمے سے باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ کی ایک جماعت وہاں پہرہ دے رہی تھی، ان میں عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

1 الروض الأنف: 433,432/3. 2 السيرة لابن هشام: 235,234/3، مرويات غزوة الخندق، ص: 287,286.

«مَا بَالُ النَّاسِ؟»

''لوگوں کو کیا مسئلہ درپیش ہے؟''

عباد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ عمر بن خطاب کی آواز ہے۔ آج رات ان کی باری ہے۔ اُنھی نے یَا خَیْلَ اللّٰہِ! کی صدا لگائی ہے، لوگ ان کے پاس اکٹھے ہو رہے ہیں اور وہ قلعہ ذباب اور مسجد الفتح کے بیچ حُسَیْکہ کی طرف موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اِذْهَبْ فَانْظُرْ، ثُمَّ ارْجِعْ إِلَيَّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَأَخْبِرْنِي»

''جاؤ اور دیکھو (کہ کیا بات ہے) پھر اگر اللہ نے چاہا تو واپس آ کر مجھے اطلاع دو۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں خیمے کے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل وہیں کھڑے رہے حتی کہ عباد رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ انھوں نے بتایا: اے اللہ کے رسول! وہاں عمرو بن عبد ود آ گیا ہے۔ وہ مشرکین کا دستہ لے آیا ہے۔ اس کے ساتھ مسعود بن رُخیلہ اشجعی بھی ہے۔ مسلمان ان پر پتھراؤ کر رہے ہیں اور تیر بھی برسا رہے ہیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً خیمے میں داخل ہوئے، زرہ پہنی، سر پر خود رکھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر نکل پڑے۔ آپ کے ساتھ صحابہ بھی نکلے حتی کہ اس شگاف پر جا پہنچے جہاں سے دشمن کا دستہ گھس آیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو خوشی سے آپ کا چہرہ دمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

«صَرَفَهُمُ اللّٰهُ وَقَدْ كَثُرَتْ فِيهِمُ الْجِرَاحَةُ»

''اللہ تعالیٰ نے انھیں اس حال میں پھیر دیا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے ہیں۔''

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور سو گئے حتی کہ آپ کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ میں نے پھر ایک خوفناک آواز سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور زور سے آواز دی:

«يَا عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ!»

''اے عباد بن بشر!''

انھوں نے فوراً لبیک کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُنْظُرْ مَا هٰذَا»

”دیکھو یہ کیا بات ہے۔“

عباد رضی اللہ عنہ گئے اور واپس آ کر بتایا کہ ضرار بن خطاب غطفانی گھڑ سواروں کے دستے کو لے کر جبل بنی عبید کے پاس آ پہنچا ہے، اس کے ساتھ عیینہ بن حصن بھی ہے۔ مسلمان ان پر تیر اور پتھر برسا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً زرہ پہنی، گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدان کی طرف چل پڑے۔ آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی اس تنگنائے پر پہنچے جہاں دشمن کے حملے کا خدشہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک وہیں رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے تو فرما رہے تھے:

«رَجَعُوا مَفْلُولِينَ قَدْ كَثُرَتْ فِيهِمُ الْجِرَاحَةُ»

”وہ شکست کھا کر لوٹے ہیں۔ ان کے بہت سے سپاہی زخمی ہو گئے ہیں۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔[1]

عمرو بن عبد ود کی مبارزت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اذن طلبی

عمرو بن عبد وُدّ قریش کا مشہور شہسوار تھا۔ وہ جنگ بدر میں شدید زخمی ہوا تھا۔ اسی وجہ سے جنگِ احد میں شرکت نہ کر سکا۔ اب یہ اپنی اس غیر حاضری کے ازالے کے لیے اس جنگ میں پیش پیش تھا تا کہ لوگوں پر اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ سکے۔ اس شخص نے خندق کی تنگنائے سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی لشکر کے سامنے جا نکلا۔ اس کے شہسوار ساتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر مسلمانوں کو خطرے کا شدت سے احساس ہوا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تیزی سے لپکے۔ اُنھوں نے چند جانبازوں کو ساتھ لے کر خندق کی اُس تنگ جگہ کو بند کرنا چاہا۔ اچانک گھڑ سوار کافر مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آ گئے۔ عمرو بن عبد وُدّ کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ تنہا ایک ہزار آدمیوں کے مقابلے میں کافی ہے۔ یہ شخص دندناتا کر آگے بڑھا اور للکار کر بولا: کون میرا مقابلہ کرے گا؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کے رسول! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عمرو بن عبد وُدّ ہے، بیٹھ جاؤ۔ عمرو نے دوبارہ پکار لگائی: کیا تم میں کوئی ہے میرا مقابلہ کرنے والا؟ کہاں ہے تمھاری وہ جنت جس کے بارے میں تمھارا گمان ہے کہ تم میں سے جو شخص قتل کیا جائے گا، وہ سیدھا اس میں داخل ہو جائے گا؟ کیا تم لوگ کسی آدمی کو بھی میرے مقابلے کے لیے نہیں بھیجو گے؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] المغازي للواقدي :399/1، إمتاع الأسماع :235/1.

انھیں دوبارہ بٹھا دیا۔ عمرو نے تیسری مرتبہ للکارا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

وَلَقَدْ بَحَحتُّ مِنَ النِّدَاءِ لِجَمْعِهِمْ هَلْ مِنْ مُّبَارِزِ

وَوَقَفْتُ إِذْ جَبُنَ الْمُشَجَّعُ مَوْقِفَ الْقِرْنِ الْمُنَاجِز

وَلِذَاكَ إِنّي لَمْ أَزَلْ مُتَسَرِّعًا قَبْلَ الْهَزَاهِزِ

إِنَّ الشُّجَاعَةَ فِي الْفَتٰى وَالْجُودَ مِنْ خَيْرِ الْغَرَائِزِ

''میں نے تو ان کے جتھے کی طرف بڑھتے ہوئے للکارا ہے: ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟''

''اور میں اس جگہ آن کھڑا ہوا ہوں جہاں بزدل اپنے ہم پلہ مد مقابل سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔''

''اسی لیے میں جنگ شروع ہونے سے پہلے برابر جلدی میں رہا۔''

''بلاشبہ کسی نوجوان میں بہادری اور سخاوت کا جوہر ہونا بہترین خوبی ہے۔''

علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبدود رُوبرو

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سن کر پھر کھڑے ہو گئے اور کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اس کا مقابلہ کرنے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عمرو بن عبدود ہے!'' علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہر چند یہ عمرو بن عبدود ہی ہے (لیکن میں اس کا مقابلہ کروں گا)۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے قریب پہنچ کر کہنے لگے:

میقات ذوالحلیفہ میں مسجد علی کا ایک منظر

لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ أَتَاكَ

مُجِيبُ صَوْتِكَ غَيْرُ عَاجِزِ

فِي نِيَّةٍ وَّبَصِيرَةٍ

وَالصِّدْقُ مَنْجَى كُلِّ فَائِزِ

إنِّي لَأَرْجُو أَنْ أُقِيمَ عَلَيْكَ نَائِحَةَ الْجَنَائِزِ

مِنْ ضَرْبَةٍ نَجْلَاءَ يَبْقٰى ذِكْرُهَا عِنْدَ الْهَزَاهِزِ

''جلدی نہ کر، تیری آواز پر لبیک کہنے والا آ گیا ہے جو بے بس نہیں۔''

''آنے والا پکے ارادے اور دیدۂ بینا کے ساتھ آیا ہے اور قول و عمل کو سچ کر دکھانا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔''

''یقیناً میں امید رکھتا ہوں کہ تجھ پر جنازوں پر نوحہ خوانی کرنے والی عورتیں لا کھڑی کروں گا۔''

''ایسی ضرب سے جس کا گھاؤ واضح ہوگا اور جس کا ذکر جنگوں میں دہرایا جائے گا۔''

عمرو نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں علی ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا تم علی بن عبدمناف ہو؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، میں علی بن ابی طالب ہوں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے عبدِ وُد کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو ان دو میں سے تو ایک چیز ضرور دے گا۔ اس نے بڑے تکبر سے کہا: بے شک، میں نے ایسا ہی عہد کیا ہوا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلٰى رَسُولِهٖ وَإِلَى الْإِسْلَامِ.

''میں تمھیں اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔''

اس نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تو میرے مقابلے میں آجا۔ اس نے کہا: بھتیجے! تمھارے چچوں میں تم سے زیادہ عمر والے بھی ہیں، میں تمھارا خون بہانا اچھا نہیں سمجھتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن اللہ کی قسم! میں تیرا خون بہانا بہت اچھا سمجھتا ہوں۔

مغرور عمرو بن عبد ود کا قتل

اس پر عمرو بھڑک اُٹھا۔ گھوڑے سے اترا اور اس طرح تلوار سونت لی جیسے وہ آگ کا شعلہ ہو، پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف لپکا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال پر اس کا وار روکنے کے لیے تیار ہوگئے۔ عمرو نے ان کی ڈھال پر ایسی ضرب لگائی کہ اسے کاٹ ڈالا اور اس کی تلوار ڈھال ہی میں پیوست ہوکر رہ گئی۔ اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سر بھی زخمی ہوگیا۔ جواباً سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر اور مونڈھے کے درمیان ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ دھڑام سے گر پڑا اور اس کا کام تمام ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کی آواز سنی تو ہمیں پتہ چل گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا ہے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

أَعَلَيَّ تَقْتَحِمُ الْفَوَارِسُ هٰكَذَا عَنِّي وَعَنْهُمْ أَخِّرُوا أَصْحَابِي

اَلْيَوْمَ يَمْنَعُنِي الْفِرَارَ حَفِيظَتِي — وَمُصَمِّمٌ فِي الرَّأْسِ لَيْسَ بِنَابِي

''کیا مجھ پر شہسوار اس طرح چڑھ دوڑے ہیں کہ اب صرف میں ہوں اور یہ لوگ ہیں اور میرے ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں۔''

''آج مجھے میری غیرت اور سر کا بوجھ مجھے بھاگنے نہیں دے گا۔ اور یہ کوئی شر والی بات نہیں ہے۔''

پھر انھوں نے یہ اشعار پڑھے:

عَبَدَ الْحِجَارَةَ مِنْ سَفَاهَةِ رَأْيِهِ — وَعَبَدْتُّ رَبَّ مُحَمَّدٍ بِصَوَابِ

فَصَدَرْتُ حِينَ تَرَكْتُهُ مُتَجَدِّلًا — كَالْجِذْعِ بَيْنَ دَكَادِكٍ وَرَوَابِي

وَعَفَفْتُ عَنْ أَثْوَابِهِ وَلَوْ أَنَّنِي — كُنْتُ الْمُقَطَّرَ بَزَّنِي أَثْوَابِي

لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ نَازِلَ دِينِهِ — وَنَبِيِّهِ يَا مَعْشَرَ الْأَحْزَابِ

''عمرو بن عبد وُدّ نے اپنی حماقت کی وجہ سے پتھروں کی عبادت کی اور میں نے عقل و شعور سے کام لیتے ہوئے محمد (ﷺ) کے پروردگار کی عبادت کی۔''

''میں وہاں سے اس حالت میں نکلا کہ میں نے اسے نرم ریت کے ڈھیر اور ٹیلوں میں درخت کے تنے کی طرح مٹی میں اَٹا ہوا چھوڑا۔''

''میں اس کے بدن کے کپڑے اتارنے سے باز رہا (جب اس نے مجھے اپنی شرمگاہ دکھا کر عار دلائی) اور اگر میں پچھاڑ دیا جاتا تو وہ میرے کپڑے اتار کر مجھے برہنہ کر دیتا۔''

''اے مشرکوں کی جماعتو! اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ اپنے دین اور اپنے نبی کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔''

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے اس کی زرہ کیوں نہیں اتاری؟ پورے عرب میں اس سے بہتر کسی کی زرہ نہیں۔ انھوں نے جواب دیا: میں نے جب اس پر وار کیا تو اس نے اپنی شرمگاہ کے ذریعے اپنا ؤ بچاؤ کیا، پھر مجھے بھی شرم آئی کہ میں اپنے چچازاد کی زرہ اتاروں۔''[1]

[1] البداية والنهاية: 108,107/4، السيرة لابن هشام: 236,235/3، دلائل النبوة للبيهقي: 3/436-439.

شہسوار حملہ آور بھاگ نکلے

عمرو بن عبد ود کے قتل ہونے کے بعد باقی حملہ آور شہسواروں پر ایسی سراسیمگی چھا گئی کہ وہ دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ بعض مجاہدوں نے ان کا تعاقب کیا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ضرار کا پیچھا کیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کے پیچھے لپکے۔ ان کے مشہور شہسواروں میں عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور ضرار اس طرح سرپٹ بھاگ کے بچ نکلے کہ سیدھا ابوسفیان کے پاس جا کر دم لیا۔ ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبل بنی عبید کے پاس پڑاوَ ڈالے بیٹھا تھا۔

نوفل بن عبداللہ کا قتل

نوفل بن عبداللہ کو سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جا لیا۔ وہ اس پر شیر کی طرح جھپٹ پڑے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کا حملہ اس قدر اچانک اور اتنا شدید تھا کہ نوفل کا گھوڑا گھبرا گیا
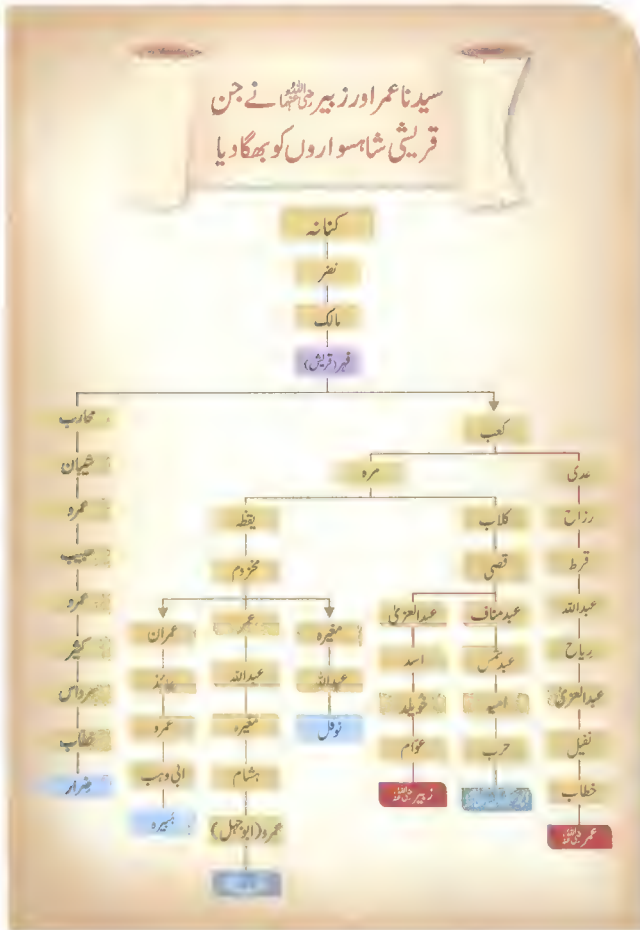
اور نوفل زمین پر گر پڑا مگر وہ پھر اٹھا، سنبھلا اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے تلوار کا ایک ہی وار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ان کی تلوار نوفل کو دو لخت کرتی ہوئی گھوڑے کی زین کاٹ کر اس کے کندھے تک جا پہنچی۔ اس طرح سے ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے۔ اس وقت سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

إِنِّي امْرُؤٌ أَحْمِي وَأَحْتَمِي عَنِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْأُمِّيِّ

''میں وہ مرد ہوں جو اُمی (ان پڑھ) نبیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے بچتا اور بچاتا ہوں۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اے ابوعبداللہ! ہم نے آپ کی تلوار جیسی کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے ہبیرہ بن ابی وہب کا تعاقب بھی کیا، انھوں نے اس کے گھوڑے کے سینے پر تلوار مار کر اسے زخمی کر دیا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ نوفل بن عبداللہ کو قتل کرنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جب نوفل خندق میں پھنس گیا تو لوگ اُس پر پتھر برسانے لگے۔ اس نے التجا کی: اے عربوں کی جماعت! مجھے مہذب طریقے سے قتل کرو، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اسے اپنی تیغِ بے دریغ سے قتل کر دیا۔[1]

لیکن راجح بات یہی ہے کہ نوفل کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا کیونکہ اس کے متعلق واضح آثار منقول ہیں اور اکثریت نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔[2]

عکرمہ کا نیزہ چھوڑ کر فرار ہونا

عکرمہ بن ابی جہل بھی قریش کے مشہور شہسواروں میں سے تھا۔ جب اس نے اپنے سب سے بہادر سُورما کو قتل ہوتے دیکھا تو اس پر ایسی دہشت چھا گئی کہ اس نے اپنا نیزہ پھینک دیا اور جان بچا کر بھاگ گیا۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی ہجو کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

فَرَّ وَ أَلْقَى لَنَا رُمْحَهُ لَعَلَّكَ عِكْرِمُ لَمْ تَفْعَلِ

وَ وَلَّيْتَ تَعْدُو كَعَدْوِ الظَّلِيمِ مَا أَنْ تَجُورَ عَنِ الْمَعْدِلِ

وَلَمْ تَلْوِ ظَهْرَكَ مُسْتَأْنِسًا كَأَنَّ قَفَاكَ قَفَا فُرْعُلِ

[1] المغازي للواقدي: 402/1، البداية والنهاية: 109/4. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 43/2، مرويات غزوة الخندق، ص: 305.

''عکرمہ بھاگ نکلا اور ہمارے لیے اپنا نیزہ چھوڑ گیا۔عکرمہ! شاید تو کچھ کر کے ہی نہیں گیا۔''
''تو پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگا جیسے شتر مرغ بھاگتا ہے جبکہ تو میدان سے پیٹھ دکھا کر بھاگنے والا نہیں تھا۔''
''تو نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ پیچھے کا خیال آتا تو تیری گُدی بجو کے بچوں جیسی نظر آتی جو مُردے گھسیٹ کر سرپٹ بھاگتا ہے۔''[1]

مشرکین کی اپنے مقتول کی لاش کے بدلے بھاری رقم کی پیشکش

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، جنگ احزاب میں مشرکین کا ایک آدمی مارا گیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے مقتول کی لاش واپس کر دیں، ہم آپ کو بارہ ہزار (درہم) ادا کر دیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي جَسَدِهِ وَلَا فِي ثَمَنِهِ»

''اس کی لاش اور اس کی قیمت میں کوئی بھلائی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی چیز قبول نہیں کی اور فرمایا:

«هُوَ لَكُمْ لَا نَأْكُلُ ثَمَنَ الْمَوْتٰى»

''اُس کی لاش تمھاری ہوئی، ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔''

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے دس ہزار درہم کی پیش کش کی جبکہ دوسری روایت میں سو اونٹوں کا تذکرہ ہے۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِدْفَعُوا إِلَيْهِمْ جِيفَتَهُ فَإِنَّهُ خَبِيثُ الْجِيفَةِ خَبِيثُ الدِّيَةِ»

''اس کافر کی لاش انھیں دے دو کیونکہ وہ خبیث لاشہ ہے، اس کی دِیَت گندگی ہے۔''[2]

سردارِ اوس کی والدہ کی ایقان و تاکید

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں بنو حارثہ کے قلعے میں تھی۔ یہ مدینہ کا محفوظ ترین قلعہ تھا۔سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی ہمارے ساتھ تھیں اور یہ پردے کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ایک روز سعد رضی اللہ عنہ قلعے کے باہر سے گزرے۔انھوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ وہ زرہ چھوٹی سی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان کے بازو کُھلے ہوئے اور

[1] البداية والنهاية :107/4، السيرة لابن هشام :236/3. [2] البداية والنهاية :109/4، مرويات غزوة الخندق :400/1.

ننگے ہیں۔ انھوں نے چھوٹا نیزہ تھام رکھا تھا۔ وہ اسے لہراتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يَّشْهَدِ الْهَيْجَا جَمَلْ   لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

''کچھ دیر ٹھہرو، بہادر جنگ میں حاضر ہوگا۔ جب موت کا وقت آچکا تو موت سے کیا ڈرنا۔''

ان کی والدہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا: بیٹا! جلدی کرو، اللہ کی قسم! تم نے بہت دیر کر دی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان سے کہا: اے سعد کی ماں! تم نے سعد کو بہت چھوٹی سی زرہ پہنائی ہے۔ زرہ اتنی کھلی ہونی چاہیے تھی کہ ہاتھوں کو بھی ڈھانپ لے۔ یہ سُن کر اس مومنہ صادقہ نے جواب دیا:

يَقْضِي اللّٰهُ مَا هُوَ قَاضٍ.

''اللہ تعالیٰ کو جو فیصلہ کرنا ہے وہ کر دے گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بازو پر تیر لگا جو ان کی شہادت کا سبب بنا۔[1]

مشرکین کا عہد و پیمان اور مجاہدین کی ثابت قدمی

جب قریشی شہسوار ناکام ہونے کے بعد اپنے سالار ابوسفیان کے پاس آئے تو اس نے کہا: آج ہمیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ تم سب لوگ اپنے اپنے پڑاؤ کی جگہ چلے جاؤ۔ قریشی اپنے پڑاؤ وادی عقیق میں چلے گئے اور غطفانی جنگجو اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ انھوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ کل سب مل کر حملہ آور ہوں گے۔ قریش نے اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور رات بسر کی۔ بنوغطفان نے اپنے جوانوں کو تیار کیا اور رات ڈھلتے ہی طلوعِ آفتاب

1 البداية والنهاية: 110,109/4، السيرة لابن هشام: 238,237/3، المغازي للواقدي: 400/1.

وادی عقیق (مدینہ منورہ)

سے پہلے خندق کے کنارے جا پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو تیار کیا، انھیں جہاد کی ترغیب دی اور نصیحت فرمائی کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو تم پر اللہ کی نصرت اترے گی۔ مشرکین نے ہر طرف سے خندق کا گھیراؤ کر لیا اور مسلمان ایسی پوزیشن میں تھے جیسے کوئی قلعہ ہو اور دشمن نے اسے چاروں طرف سے محاصرے میں لے رکھا ہو۔[1]

دشمن کے شہسواروں کی جارحانہ سرگرمیاں

مشرکین نے آپس میں باریاں مقرر کر لی۔ ایک دن ابوسفیان اپنے دستے کو لے کر حملہ آور ہوتا، پھر خالد بن ولید، پھر عمرو بن عاص، پھر ہبیرہ بن ابی وہب، جو پہلے حملے میں بچ نکلا تھا، اور پھر ضرار بن خطاب حملہ کر دیتا تھا۔ مشرکوں کے سوار دستے اسی طرح خندق کے گرد چکر کاٹتے رہے۔ اصحابِ رسول بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ جونہی وہ خندق کے قریب آتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں تیروں کی بوچھاڑ سے دور بھگا دیتے تھے۔

احزاب کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، وہ ہر بار تازہ دم ہو کر آتے اور حملے کرتے تھے۔ ان کے گھڑسوار بہت بڑی تعداد میں صبح تک پھیرے لگاتے رہتے۔ ایک گروہ جاتا تو اس کی جگہ دوسرا تازہ دم سپاہی دستہ آ جاتا۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح انھوں نے معرکۂ احد میں دھوکہ دے کر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا، اُسی طرح اب بھی حیلہ سازی سے حملہ کر دیں۔ اس غزوے میں خالد بن ولید گھڑسواروں کی کمان کر رہا تھا۔[2]

مدینہ پر قبضہ کرنے کا نیا منصوبہ

احزاب کے جنگجو دستوں کو کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی، پھر بھی انھوں نے فیصلہ کیا کہ مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے آخری فیصلہ کن کارروائی کی کوشش کریں۔ اس نئی منصوبہ بندی میں احزاب کے اُن تمام قائدین نے شرکت کی جو اپنے گھر بار سے دور کھلے آسمان تلے پڑاؤ ڈالے بیکار بیٹھے تھے۔ احزاب کے تمام دستوں کے قائدین اپنے تمام گھڑسواروں کو بدوی لڑاکا نوجوانوں سمیت خندق کے کنارے لے آئے، ان کے پیچھے دور دور تک پیادہ لشکر کے جنگجو تھے۔

فیصلہ کن منصوبے کی تفصیل

مشرکین کے سوار دستوں کے قائدین اپنے طے شدہ منصوبے کے تحت خندق کے گرد چکر لگانے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے سواروں کو خندق کی تنگنائیوں سے گزار کر دوسرے کنارے پہنچایا جائے جہاں اسلامی لشکر ان کے دانت کھٹے

1 المغازي للواقدي: 403/1. 2 مرويات غزوة الخندق، ص: 324,323.

کر رہا تھا۔ احزاب کا خیال تھا کہ اس طرح ہم خندق کے دونوں کناروں پر قابض ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی طرف جانے والا دستہ خندق کو ملبے سے پُر کر دے گا، اس طرح ان کے پیادے بھی مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔

احزاب کے قائدین کو یقین تھا کہ جب ہمہ گیر اور فیصلہ کن معرکہ میں ان کا خوفناک ٹڈی دل لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوگا اور پیچھے سے بنو قریظہ ان پر دھاوا بول دیں گے تو وہ بڑی آسانی سے مدینے پر قبضہ کرلیں گے۔ اس جدید منصوبے کی تنفیذ سے مسلمانوں پر مشرکین کا دباؤ دگنا ہوگیا اور ابوسفیان جو پہلے محض سوار دستے بھیجنے پر اکتفا کرتا تھا، اب اس کارروائی کی خودنگرانی کر رہا تھا۔ احزاب کی اس آخری کوشش کے نتیجے میں مسلمانوں کے خلاف دباؤ نقطۂ عروج تک پہنچ گیا اور گزشتہ اوقات کی نسبت ان کی آزمائش بے حد سخت ہوگئی۔ انھیں شدید خوف و ہراس نے بری طرح جکڑ لیا تھا۔[1]

مسلمان ادائے نماز سے قاصر رہے

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کفار نے اپنے لشکر ہر طرف بکھیر دیے۔ انھوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی۔ دشمن کا ایک مضبوط دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے بالمقابل حملہ آور ہوا، اس کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ انھوں نے رات گئے تک متواتر لڑائی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک لمحے کے لیے بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں نہ پڑھ سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شکایت کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَا أَنَا وَاللّٰهِ! مَا صَلَّيْتُ»

''اللہ کی قسم! میں بھی نماز نہیں پڑھ سکا۔''

مسلمان اس شدت کی جنگ میں انتہائی کربناک صورتحال سے دوچار رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور وہ تتّر بتّر ہو گئے۔[2]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے دن آئے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ قریش کو برا بھلا کہنے لگے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی: اللہ کے رسول! سورج غروب ہوگیا ہے، میں نماز (عصر) نہیں پڑھ سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/498,497. [2] المغازي للواقدي :1/403.

«وَاللّٰہِ! مَا صَلَّیْتُہَا»

’’اللہ کی قسم! میں نے بھی (عصر) کی نماز نہیں پڑھی۔‘‘

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادی بطحان میں اترے، وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز پڑھائی، پھر مغرب کی نماز پڑھائی۔[1]

ایک اذان سے 4 نمازیں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شدت سے اتنی طویل مُدت تک گھیرے رکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازوں کے اوقات بھی دشمن کے مقابلے کی نذر ہو گئے حتی کہ جس قدر اللہ نے چاہا رات کا کچھ حصہ بھی گزر گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی۔[2]

مسجد بلال بن رباح، قسم خلیفہ، قاہرہ (مصر)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: خندق کے دن ہم بیٹھ گئے حتی کہ مغرب کے بعد رات اترنے لگی، پھر اندھیرا چھا گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں سے نجات دی جیسے کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾

’’اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بہت طاقتور اور غالب ہے۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھیں اذان دینے کا حکم دیا، انھوں نے اذان کے بعد ظہر کے لیے اقامت کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حسن و خوبی سے ظہر کی نماز ادا کی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پڑھتے تھے۔ پھر انھوں نے

1 صحيح البخاري: 4112، صحيح مسلم: 631. 2 جامع الترمذي: 179، سنن النسائي: 663.

عصر کی اقامت کہی تو آپ ﷺ نے اسی حسن و خوبی سے نماز پڑھائی جس طرح آپ ﷺ پہلے عصر کی نماز پڑھاتے تھے۔ پھر مغرب کی اقامت کہی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز اسی حسن و خوبی سے ادا کی جس حسن و خوبی کو آپ ﷺ مغرب کے وقت بروئے کار لاتے تھے۔ پھر عشاء کی اقامت کہی اور آپ ﷺ نے اسی حسن و خوبی سے عشاء کی نماز پڑھائی جس حسن و خوبی سے پہلے پڑھاتے تھے۔ یہ نماز خوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔[1]

صحیحین میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق صرف عصر کی نماز فوت ہوئی تھی جبکہ دیگر کتب احادیث میں چار نمازوں کے قضا ہونے کا ذکر ہے۔ یعمری کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے صحیحین کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ابن العربی نے صراحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ جو نماز آپ ﷺ دشمن سے مقابلے کی وجہ سے ادا نہ کر سکے، وہ صرف ایک عصر ہی کی نماز ہے۔ اس بات کی تائید صحیح مسلم میں مروی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ہم صلاۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز کے وقت دشمنوں سے مقابلے میں مصروف تھے۔

بعض اہل علم نے ان دونوں باتوں میں تطبیق دی ہے کہ جنگ خندق کئی دنوں پر محیط تھی، ان ایام کے مختلف اوقات میں یہ دونوں واقعے یکے بعد دیگرے رونما ہوئے۔ یہی راجح اور دل کو بھاتی بات ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی بددعا

خندق کے دن جب رسول اللہ ﷺ کی نماز قضا ہوئی تو آپ ﷺ نے کفار کے خلاف بددعا کی:

مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ

''اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جیسا کہ انھوں نے ہمیں مصروف جنگ رکھ کر صلاۃ وسطیٰ (نماز عصر) سے محروم کر دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔''[3]

اہل علم کی ایک جماعت نے اس روایت سے دلیل لی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے جیسا کہ یہاں نصاً واضح ہے اور اہل علم کی ایک جماعت نے مذکورہ واقعے سے استدلال کیا ہے کہ اگر قتال جیسا عذر مانع ہو تو نماز کا مؤخر کرنا جائز ہے۔ امام مکحول اور اوزاعی کا بھی یہی نظریہ ہے۔[4]

1 المغازي للواقدي :1/403،404. 2 مرويات غزوة الخندق، ص :342، فتح الباري :2/96. 3 صحيح البخاري : 4111، صحيح مسلم :627. 4 الاساس في السنة لسعيد حوى :2/682.

فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کی صورت

ڈاکٹر بوطی کہتے ہیں: انتہائی مصروفیت کی بنا پر نماز عصر رہ گئی جو آپ ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد ادا کی۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر روایات میں ایک سے زیادہ نمازیں رہ جانے کا ذکر ہے جنھیں آپ ﷺ نے وقت نکل جانے کے بعد علی الترتیب ادا کیا (جیسا کہ اوپر مذکور ہے)۔ اس سے فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کی دلیل ملتی ہے اور یہ جو علماء نے کہا ہے کہ اس وقت مصروفیت کی بنا پر نماز مؤخر کرنا صحیح تھا کیونکہ ابھی صلاۃ الخوف شروع نہیں ہوئی تھی، علماء کا یہ نظریہ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے خلاف نہیں کیونکہ بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ نسخ کا ثبوت ملتا ہے تو نسخ کا حکم فوت شدہ نمازوں کی قضا پر مؤثر نہ ہوگا بلکہ صرف مصروفیت کی بنا پر نماز مؤخر نہ کرنے کا نسخ ہوگا اور تاخیر کا نسخ فوت شدہ نمازوں کی قضا کا نسخ ہرگز نہیں۔ فوت شدہ نمازوں کی قضا کا مسئلہ اپنی جگہ بحال ہے۔[1]

خالد بن ولید [illegible]

مشرکین جب اپنے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود ناکام و نامراد ہوئے تو قریش اپنے پڑاؤ میں اور غطفانی اپنے ڈیرے کی طرف چل دیے۔ مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی طرف آگئے۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو گھڑ سواروں کا دستہ لے کر خندق کی نگرانی کر رہے تھے، اچانک مشرکین کا ایک دستہ پلٹ کر آیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان دن بھر کے تھکے ماندے ہیں، اب آرام کر رہے ہوں گے اور ان کی بے خبری کی حالت میں ہم ان پر اچانک ٹوٹ پڑیں گے، اور یوں میدان مار لیں گے، لیکن اللہ کے شیر چوکس ہو کر دشمن کی گھات میں تھے۔

مسجد حمزہ بن عبدالمطلب، بن غازی (لیبیا)

مشرکین کے دستے کا کمانڈر خالد بن ولید تھا اور اسلام کے جانبازوں کی قیادت سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ دونوں لشکروں میں نوک جھونک جاری رہی۔ تیر اندازی کا تبادلہ بھی ہوا۔ مشرکین کے دستے میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بن حرب بھی تھا (جو فتح مکہ کے بعد

1 فقه السيرة للبوطي، ص: 223.

مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ کو تاک کر نیزہ مارا جس سے وہ جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

جنگ خندق میں مسلمانوں کا شعار (Code Word)

جب مشرکین کی آخری کوشش بھی ناکام رہی تو اس کے بعد وہ واپسی تک کوئی قابل ذکر کارروائی نہ کر سکے۔ اس کے بعد وہ صرف رات کی تاریکی میں ایک آدھ دستہ بھیجتے جس کا مقصد چھینا جھپٹی کی کارروائی ہوتا تھا۔ ایک رات اسلامی لشکر کے دو دستے نگرانی کر رہے تھے۔ ان دونوں دستوں کا آپس میں ٹکراؤ ہو گیا۔ رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دونوں میں سے کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ اپنے ہی ساتھی ہیں۔ ان میں سے ہر فریق دوسرے کو دشمن ہی کا دستہ سمجھ رہا تھا۔ دونوں کی مڈبھیڑ کے نتیجے میں کچھ صحابی زخمی ہو گئے اور کچھ شہید ہو گئے۔

یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ سارا واقعہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جراحكم في سبيل الله ومن قتل منكم فهو شهيد"

"تمھارے زخمی اللہ کی راہ میں ہیں اور جو قتل کر دیا گیا، بلاشبہ وہ شہید ہے۔"

اس کے بعد وہ ایک دوسرے کی پہچان کے لیے شعار (Code Word) استعمال کرتے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں گتھم گتھا ہونے کا امکان نہ رہا۔ ان کا شعار حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ تھا۔

بعدازاں جب بھی مسلمان ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے تو اپنے رمزیہ الفاظ (Code Word) بولتے تاکہ باہمی لڑائی کی نوبت نہ آئے۔[2]

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ مہاجرین کا شعار يَا خَيْلَ اللّٰهِ تھا۔[3]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں خندق کے دن لوگوں کے نقوشِ قدم کا پیچھا کرتی ہوئی چل پڑی۔ اچانک میں نے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ محسوس کی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے، ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث بن اوس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ ایک ڈھال اٹھائے ہوئے تھے۔ میں فوراً زمین پر بیٹھ گئی اور سعد رضی اللہ عنہ آگے گزر گئے۔ وہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے

1 الطبقات لابن سعد: 68/2. 2 المغازي للواقدي: 404/1، السيرة لابن هشام 236/3. 3 إمتاع الأسماع: 235/1.

تھے جس سے ان کے جسم کے بعض حصے نظر آ رہے تھے۔ میں سعد کے ان نظر آنے والے اعضاء کے بارے میں ڈرنے لگی۔ سعد ؓ ایک بھاری بھرکم اور لمبے آدمی تھے۔ وہ چلتے چلتے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لَبِّثْ قَلِيلًا يُدْرِكُ الْهَيجَا جَمَلْ مَا أَحْسَنَ الْمَوْتَ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

"کچھ دیر ٹھہرو، جمل (عرب کے بہادر جمل بن سعدانہ سے کنایہ) جنگ کو پالے گا۔ یہ موت کس قدر حسین ہے جب کہ موت کا وقت آ ہی گیا ہے۔"

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: ان کے گزر جانے کے بعد میں کھڑی ہوئی اور ایک باغ میں جا پہنچی۔ وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں عمر بن خطاب ؓ بھی تھے اور ایک آدمی نے خود پہن رکھا تھا۔ عمر ؓ نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگے: "آپ ادھر کیوں تشریف لے آئیں؟ اللہ کی قسم! آپ یقیناً بہت بہادر ہیں۔ لیکن اگر پسپائی اختیار کرنی پڑے یا کوئی آزمائش آن پڑے تو پھر کیا بنے گا؟

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: قریش کے حبان بن قیس بن [illegible] نامی ایک مشرک نے سعد بن معاذ ؓ پر تیر چلایا۔ وہ ان کے بازو میں آ لگا۔ اس سے ان کی [illegible] کٹ گئی۔ اس نے تیر مارتے ہوئے یہ الفاظ کہے: یہ لو میری طرف سے جان لو کہ میں عرقہ کا بیٹا ہوں۔ اس پر سعد ؓ نے کہا:

عَرَّقَ اللّٰهُ وَجْهَكَ فِي النَّارِ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا فَأَبْقِنِي لَهَا، فَإِنَّهُ لَا [illegible]
قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاجْعَلْهُ شَهَادَةً لِي، وَلَا [illegible]
[illegible]

"اللہ تیرے چہرے کو آگ میں پگھلا دے۔ اے اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ حصہ باقی رکھا ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم کے ساتھ جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت دی، انھیں جھٹلایا اور انھیں وطن سے بے وطن کر دیا۔ اے اللہ! اگر ان کے ساتھ جنگ ختم ہوگئی ہے تو اس زخم کو میرے لیے شہادت کا سبب بنا دے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو میری آنکھیں بنوقریظہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آپ کا خون فوراً رک گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ایک زبردست آندھی چلائی، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے میدان کارزار میں کافی ہوا اور اللہ تعالیٰ تو بہرحال

بڑی قوت والا اور بڑی عظمت والا ہے، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی تہامہ جا پہنچے اور عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی نجد جا لگے۔[1]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قاتل کون تھا؟

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ کی شہادت حبان بن قیس بن عرقہ کے تیر سے ہوئی تھی۔ لیکن ابن اسحاق نے عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے روایت کی ہے کہ انھوں نے بتایا: خندق کے روز سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والا شخص بنو مخزوم کا حلیف ابو اسامہ جشمی تھا۔ ابو اسامہ نے اس بارے میں عکرمہ بن ابوجہل کو مخاطب کر کے شعر بھی کہے ہیں:

[illegible]

الست الذی الزمت سعدا مرشة　　　لها اثناء المرافق عاند

فضی نحبه منها سعید فاعولت　　　علیه مع الشمط العذاری النواهد

و انت الذی دافعت عنه وقد دعا　　　عبیدة جمعا منهم اذ یکابد

علی حین ما هم جائر عن طریقه　　　واخر مرعوب عن القصد قاصد

”اے عکرمہ! تو نے مجھے کیوں نہ ملامت کی جب تو مجھ سے کہہ رہا تھا: تجھ پر مدینہ کے ٹیلوں میں خالد قربان ہو۔“

1 مسند احمد 141/6، [illegible] 238/3، [illegible] 108/4

جبل رُمان (نجد)

"کیا وہ میں ہی نہ تھا جس نے سعد کو تاک کر تیر مارا تھا اور اس کی کلائی کی درمیانی رگ اکحل سے خون بہ نکلا تھا۔"

"سعد نے اس سے اپنی مراد پوری کی (اور شہید ہو گئے) پھر اس پر بوڑھی عورتوں کے ساتھ ساتھ کنواری دوشیزائیں بھی اشکبار ہو گئیں۔"

"تو ہی وہ شخص ہے جس کا میں نے دفاع کیا جبکہ اس نے عبیدہ کو ان کے لشکر سے اس وقت بلایا جب وہ مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔"

"اس وقت جب وہ (مسلمان) اپنے نبی کے رستے سے ہٹنے والے نہیں تھے اور دوسرا گروہ اپنے مقصد کے حصول (میں ان) سے مرعوب ہو چکا تھا۔"

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ پر تیر چلانے والا شخص خفاجہ بن عاصم بن حبان تھا۔[1] دکتور ابراہیم کہتے ہیں: اکثریت نے کہا ہے کہ حبان بن عرقہ نے تیر چلایا تھا اور یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، ممکن ہے ابو اسامہ جشمی بھی اس کے ساتھ شریک ہو لیکن یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو صرف ایک ہی تیر رگِ جان میں لگا تھا۔[2] واللہ اعلم بالصواب.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے پہریدار

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفاعی استحکام اور خندق کو پار کرنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مسلمان خندق کی نگرانی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب سالارِ اعلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر بھی مامور تھے۔ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں انصار کی ایک جماعت روزانہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی نگرانی کرتی تھی۔ خندق کے دن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ

مدرسہ عباد بن بشر (مدینہ منورہ)

1 السیرۃ لابن ہشام: 239,238/3، البدایۃ والنہایۃ: 110/4، إمتاع الأسماع: 236,235/1. 2 مرویات غزوۃ الخندق، ص: 358.

نے بھی رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری نبھائی۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ آپ ﷺ پہاڑی کے ایک کھلے شگاف کی نگرانی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اس شگاف سے دشمن کی آمد کا خدشہ تھا۔ جب سردی کی شدت نے آپ ﷺ کو پریشان کیا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لے آئے اور میری گود سے ٹیک لگا کر لیٹ گئے، پھر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ایک مسلح آدمی کی آہٹ محسوس کی تو آپ پہاڑی کی اوٹ میں چھپ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ”کون ہے؟“

یہ سعد رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میرے لیے کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اس شگاف کی نگرانی کرو۔ اس کے بعد آپ ﷺ سکون سے سو گئے حتی کہ میں نے آپ کے خراٹے سنے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں سعد رضی اللہ عنہ کی اس قربانی کو کبھی نہیں بھول سکتی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، فرماتی ہیں: ایک رات رسول اللہ ﷺ بے خوابی کا شکار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليت رجلا صالحا من أصحابي يحرسني الليلة»

”کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی نیک آدمی آج رات میرا پہرہ دے۔“

اسی دوران اچانک ہم نے اسلحے کی آواز سنی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: [illegible] ”کون ہے؟“ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا پہرہ دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ تب نبی ﷺ سو گئے حتی کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔“[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سعد نامی کئی صحابہ تھے، مثلاً: سعد بن معاذ، سعد بن عبادۃ اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم۔ لیکن صحیح بخاری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔[4]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی۔ میں کسی جگہ بھی آپ سے جدا نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ بنفس نفیس پہرہ دے رہے تھے۔ شدید سردی تھی۔ میں آپ ﷺ کو دیکھنے آئی۔ آپ

---

1 عیون الأثر، ص: 270، مرویات غزوة الخندق، ص: 227. 2 مجمع الزوائد: 135/6. 3 صحیح البخاري: 7231.
4 صحیح البخاري: 2885.

اپنے خیمے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جتنا وقت اللہ کو منظور تھا، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر باہر تشریف لائے۔ کچھ دیر دیکھتے رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ خَيْلُ الْمُشْرِكِينَ تُطِيفُ بِالْخَنْدَقِ مَنْ لَّهُمْ؟»

''یہ مشرکین کا گھڑ سوار دستہ ہے۔ خندق کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ ان کی خبر کون لے گا؟''

پھر آپ ﷺ نے آواز دی: «يَا عَبَّادَ بْنَ بِشْرٍ!» ''اے عباد بن بشر!''

انھوں نے آپ ﷺ کی آواز پر فوراً لبیک کہا۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

[illegible]

''کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟''

انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوں اور ہم آپ کے خیمے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَانْطَلِقْ فِي أَصْحَابِكَ فَأَطِفْ بِالْخَنْدَقِ فَهٰذِهِ خَيْلٌ مِّنْ خَيْلِهِمْ تُطِيفُ بِكُمْ يَطْمَعُونَ أَنْ يُّصِيبُوا مِنْكُمْ غِرَّةً، اَللّٰهُمَّ! ادْفَعْ عَنَّا شَرَّهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ، وَاغْلِبْهُمْ لَا يَغْلِبُهُمْ غَيْرُكَ»

''اپنے ساتھیوں کو لے جاؤ اور خندق کے گرد چکر لگاؤ۔ ان (مشرکین) کا ایک دستہ تمھارے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمھیں غفلت میں پا کر تم پر حملہ کر دیں۔ اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے۔ ان کے خلاف ہماری مدد فرما اور انھیں مغلوب کر دے۔ تیرے سوا انھیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔''

عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلے تو اس وقت ابوسفیان دستے کی قیادت کرتے ہوئے خندق کی تنگنائے تلاش کر رہا تھا۔ مسلمان چوکنے ہوگئے اور انھوں نے پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔ ہم ان کے سامنے ڈٹ گئے اور تیر مار مار کر انھیں بے حال کر دیا، بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر اپنے پڑاؤ کی طرف واپس بھاگ گئے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اطلاع پہنچائی۔ اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سکون سے سو گئے حتی کہ ہم نے آپ ﷺ کو خراٹے لیتے سنا۔ صبح ہوگئی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان کہی۔ آپ ﷺ خیمے سے تشریف لائے اور مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں:

بنو مصطلق کا علاقہ (وادی قدید) جہاں غزوۂ مریسیع پیش آیا

"اللہ تعالیٰ عباد بن بشر پر رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے خیمے کے پاس رہتے اور ہر آن پہرہ دیتے تھے۔"[1]

خندق کی خوفناک راتیں

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں تمام جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہی جن میں دشمن سے جھڑپ بھی ہوئی اور خطرات بھی پیش آئے جیسا کہ مریسیع، خیبر اور حدیبیہ کے واقعات ہیں۔ اسی طرح فتح مکہ اور حنین کا غزوہ بھی ہوا لیکن خندق سے بڑھ کر ہولناک اور تھکا دینے والا معرکہ کوئی نہیں تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمان ہر طرف سے گھیرے گئے تھے، ان کے نکلنے کے لیے کوئی راہ نہیں تھی۔ ایک طرف دشمن کا بہت بڑا لشکر، دوسری طرف عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا مسئلہ اور بنوقریظہ کی طرف سے ہر وقت حملے کا خطرہ۔ ان حالات میں مدینہ منورہ کا رات بھر پہرہ دیا جاتا تھا۔ ساری رات پہرے داروں کی تکبیریں گونجتی رہتی تھیں۔ یہ بیداری خوف کے عالم میں ساری

حدیبیہ میں قدیم مسجد کے آثار

مقام غزوۂ حنین کے قریب چٹانوں پر قرآنی آیات کندہ ہیں

1 المغازي للواقدي :397,396/1، إمتاع الأسماع للمقريزي :234/1.

رات بسر کر دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا۔ دشمن کے دانت کھٹے کر دیے اور اللہ تعالیٰ اس لڑائی میں مومنوں کے لیے کافی ہو گیا۔[1]

اسلامی لشکر کی بے چینی

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اللہ کے رسول! کرب و بے چینی کا یہ عالم ہے کہ دل حلق تک پہنچ گئے ہیں۔ کیا کوئی وظیفہ ہے جو ہم پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، اَللّٰهُمَّ! اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ آمِنْ رَّوْعَاتِنَا»

''ہاں، (تم یہ کہو:) اے اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔''[2]

محاصرے کی شدت اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

جب محاصرہ شدت اختیار کر گیا۔ ہر طرف سے مصائب کی گھٹائیں چھا گئیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کربناک صورت حال کی وجہ سے بے قرار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحت بھی کی۔ عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ»

''اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ جب تمھاری دشمن سے مڈبھیر ہو جائے تو صبر و استقلال سے کام لو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ! وَمُجْرِيَ السَّحَابِ! وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ! اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے! بادلوں کو چلانے والے! گروہوں کو شکست دینے والے! انھیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔''[3]

---

[1] المغازي للواقدي :399/1، إمتاع الأسماع :235/1. [2] مسند أحمد : 373، اس کی سند ضعیف ہے۔ دیکھیے: الجامع الصغير :8548، فتح الباري :502/7. [3] صحيح البخاري :2966، صحيح مسلم :(20)-1742.

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ! اِهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ! اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ»

''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان کے پاؤں لڑکھڑا دے۔''[1]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

''اکیلے اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ اس نے اپنے لشکر کو فتح نصیب فرمائی۔ اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تنِ تنہا ہی لشکروں کو مغلوب کردیا، چنانچہ اس کے مقابلے میں کسی چیز کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے خندق کے روز یہ دعا بھی کی:

«يَا صَرِيخَ الْمَكْرُوبِينَ! يَا مُجِيبَ الْمُضْطَرِّينَ! اِكْشِفْ هَمِّي وَ غَمِّي وَكَرْبِي فَإِنَّكَ تَرٰى مَا نَزَلَ بِي وَ بِأَصْحَابِي»

''اے مصیبت زدوں کے فریاد رس! اے مجبوروں کی سننے والے! میرا غم، پریشانی اور بے چینی دور فرما، بلاشبہ تو اس مصیبت کو دیکھ رہا ہے جو مجھ پر اور میرے صحابہ پر اتر آئی ہے۔''[3]

غطفانی نوجوان پرچم اسلام کی چھاؤں میں

حالات دن بہ دن بگڑ رہے تھے۔ احزاب کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان حالات میں نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا کہ دشمن کے ایک انتہائی زیرک نوجوان سیدنا نُعَیم بن مسعود کے دل میں اسلام کی روشنی ڈال دی جس سے ان کا سینہ منور ہوگیا۔ ان کا نسب یہ ہے: نُعَیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ بن قُنفذ بن ہلال بن خلاوہ بن اشجع بن ریث بن غطفان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوغطفان کی شاخ بنو اشجع کے فردِ فرید تھے۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ اپنی سرگزشت خود سناتے ہیں، فرماتے ہیں: بنوقریظہ بڑے جاہ و جلال والے تھے۔ بہت مالدار تھے۔ ہم غریب دیہی لوگ تھے۔ ہمارے پاس کھجوروں کے باغات تھے نہ انگوروں کے۔ ہم لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ پال کر گزر بسر کرتے تھے۔ بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد میرا دوست تھا۔ میں اس کے پاس آتا جاتا تھا۔ کئی کئی دن اس

[1] صحيح البخاري: 4115، صحيح مسلم: (21)-1742. [2] صحيح البخاري: 4114، صحيح مسلم: 2724. [3] السيرة الحلبية: 648/2، المواهب اللدنية: 457/1.

کے ہاں قیام کرتا تھا۔ اس کے پاس رہ کر خوب گل چھرے اڑاتا تھا۔ مجھے طرح طرح کے مشروبات اور کھانے پیش کیے جاتے۔ جب میں واپس آنے لگتا تو وہ مجھے بہت سی کھجوریں بھی دے دیتا تھا جنھیں میں اپنے گھر لے آتا۔ دن گزرتے گئے حتی کہ ایک دن یہ موقع آیا کہ احزاب کی جتھہ بندی ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے نکلے، میں بھی اپنی قوم کے ساتھ نکل پڑا۔ اس وقت میں اپنے بت پرستی کے دین ہی پر قائم تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھے جانتے تھے۔ احزاب کی افواج نے اتنا طویل محاصرہ کیے رکھا کہ اونٹ اور گھوڑے مرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ اب میں مسلمان ہو چکا تھا۔ میں نے اپنی قوم کے کسی فرد پر اپنے اسلام کا اظہار نہ کیا۔ میں اپنے پڑاؤ سے نکلا اور سیدھا آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ مناجاتِ ربانی میں مصروف تھے۔ جونہی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ يَا نُعَيْمُ؟»

''نُعیم! تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی تصدیق کردوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں، وہ برحق ہے۔ اب مجھے حکم دیجیے، اللہ کی قسم! آپ مجھے جو ذمہ داری سونپیں گے، میں اس کا حق ادا کروں گا۔ میرے اسلام قبول کرنے کا میری قوم کو علم ہے نہ کسی دوسرے شخص کو۔ نبیِ کریم ﷺ نے انھیں یہودِ بنوقریظہ اور مشرکین مکہ وغطفان کے درمیان اختلاف ڈالنے کی ذمے داری سونپی اور فرمایا:

«أَنْتَ فِينَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، فَخَذِّلْ عَنَّا إِنِ اسْتَطَعْتَ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ»

''ہمارے مابین تم وہ واحد آدمی ہو (جو ترکیب لڑا سکتے ہو)۔ اگر تم کر سکو تو حسن تدبیر سے کام لے کر ہماری طرف سے دشمن کا رُخ پھیر دو (ان میں تفرقہ ڈال دو) کیونکہ جنگ چالبازی کا نام ہے۔''

اس وقت فضا ایسی تھی کہ مشرکینِ احزاب مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے پر تُلے بیٹھے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نعیم رضی اللہ عنہ کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ جب میدان جنگ میں ایک دوسرے کی حریف فوجیں اترتی ہیں تو ان کا مقصد ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے دشمن کو شکست دینے کی ہر تدبیر جائز ہوتی ہے، لہٰذا دشمن کی تنظیم توڑنا اور ان کی صفوں میں انتشار پھیلا دینا پھوٹ ڈالنے کی ترغیب نہیں تھی بلکہ دفع شر اور فتح یابی کی ایک مؤثر تدبیر تھی۔

نُعیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں یہ کام ضرور کروں گا لیکن مجھے اپنی مرضی کے مطابق گفتگو کرنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُلْ مَا بَدَا لَكَ فَأَنْتَ فِي حِلٍّ»

''جو تمھارے جی میں آئے کہہ دینا، تمھارے لیے جائز ہے۔''

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ دیارِ قریظہ میں

سیدنا نُعَیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے معروف و محبوب لوگوں میں سے ایک تھے۔ دورِ جاہلیت میں ان کے بہت گہرے دوست و یار تھے۔ وہ بنو قریظہ کے پاس جا پہنچے۔ نعیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں وہاں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی انھوں نے خوش آمدید کہا۔ میری خوب آؤ بھگت کی۔ عمدہ اور لذیذ کھانا اور مشروب پیش کیا۔ میں نے کہا: میں ایسے کسی مقصد کے لیے نہیں آیا، میں ایک اہم معاملے کی غرض سے تمھارے پاس آیا ہوں۔ مجھے تمھارے سر پر خطرات منڈلاتے نظر آرہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھاری خیر خواہی کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کروں۔ تم لوگ میری محبت سے بے خبر نہیں۔ میرے اور تمھارے درمیان جو خوشگوار تعلقات ہیں، تم انھیں خوب جانتے ہو۔ انھوں نے کہا: بلاشبہ ہم یہ بات جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ ہمیشہ خیر خواہی اور بھلائی کی ہے۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میری بات دھیان سے سنو۔ اسے راز میں رکھنا، کسی پر یہ بھید نہ کھولنا۔ انھوں نے یقین دلایا کہ ہم ایسا ہی کریں گے، پھر نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آدمی کا معاملہ تو ہمارے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس نے بنوقینقاع اور بنونضیر سے جو سلوک کیا، وہ تم خوب جانتے ہو۔ اس نے ان کے اموال و جائیداد قبضے میں کرکے انھیں جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد ابوالحقیق کا بیٹا ہمارے پاس آیا اور ہم سب نے مل کر تمھاری مدد کرنے پر اتفاق کیا اور ہم یہاں چلے آئے۔ اب تم دیکھ رہے ہو، معاملہ بہت طول پکڑ گیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اور قریش اور غطفان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ایک جیسے نہیں۔ یہ شہر تمھارا شہر ہے۔ یہاں تمھارے اموال ہیں۔ یہاں تمھارے بیوی بچے رہتے ہیں۔ تم یہاں سے کسی اور جگہ نہیں جاسکتے۔

قریش اور غطفان کے لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ قریش اور غطفان کے شہر، ان کے اموال اور ان کی عورتیں اور بچے یہاں نہیں ہیں، اس لیے ان کے حالات تم سے بالکل مختلف اور تمھاری نسبت بہت بہتر ہیں۔ اگر انھیں کوئی فائدہ نظر آیا تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے لیکن جونہی انھیں کسی نقصان کا اندیشہ ہوگا، وہ اپنے اپنے شہر اور بستیوں

کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے اور تم لوگوں کو تنہا اس آدمی کا مقابلہ کرنے کے لیے چھوڑ جائیں گے۔ تم لوگ تنہا محمد (ﷺ) سے نمٹنے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے تم ان لوگوں سے مل کر اس وقت تک مسلمانوں سے نہ لڑو جب تک کہ تم ان کے چند سرداروں کو بطور رہن اپنے پاس نہ رکھ لو تاکہ تمھیں یہ ضمانت مل جائے کہ وہ لوگ تمھارے ساتھ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کریں گے اور تم لوگ ایک نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ انھوں نے کہا: تم نے بڑی عمدہ تجویز دی ہے اور ہمارے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بنو قریظہ نے سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی بلائیں لیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: ہم ٹھیک اسی طرح کریں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھیک ہے لیکن یہ راز ہرگز فاش نہ ہونے پائے۔ انھوں نے کہا: آپ بالکل پریشان نہ ہوں، اس راز کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔

اشجعی نو مسلم قریشی سردار کے روبرو

بنو قریظہ کی ذہن سازی کر کے سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے پاس جا پہنچے۔ ابوسفیان قریش کی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ اس کے پاس جا بیٹھے اور کہا: تم لوگوں سے میری محبت، دوستی اور خیر خواہی کا تمھیں خوب علم ہے۔ قریش نے کہا: جی ہاں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پھر سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان! غور سے سنو، میں تمھارے پاس تمھاری ہی خیر خواہی کرتے ہوئے ایک زبردست خبر لایا ہوں، اسے صیغۂ راز میں رکھنا۔ اس نے یقین دہانی کرائی کہ بالکل ایسے ہی ہوگا۔ یہ راز کبھی فاش نہیں ہوگا۔ نعیم نے بتایا کہ بنو قریظہ عہد شکنی پر بہت نادم ہیں، چنانچہ وہ اب نئے سرے سے اپنے اور محمد (ﷺ) کے مابین پرانے معاہدے کی اصلاح و تجدید کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے محمد (ﷺ) کو اپنی ندامت کی اطلاع بھیج دی ہے۔ میں اس وقت انھی کے پاس بیٹھا تھا جب انھوں نے محمد ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم قریش اور غطفان کے ستر سرکردہ افراد پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں گے تاکہ آپ انھیں قتل کر دیں اور آپ ہمارے بازوؤں، یعنی بنو نضیر کو ان کے وطن میں دوبارہ رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ ہم قریش کے خلاف آپ کے ساتھ متحد ہیں حتی کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں، اس لیے اگر وہ تم سے گروی مانگیں تو انھیں ہرگز ایک آدمی بھی نہ دینا۔ اپنے سرداروں کے بارے میں تم ان سے بہت محتاط رہو۔ لیکن یاد رکھنا، میری اس گفتگو کا ایک حرف بھی کسی پر عیاں نہ ہو۔ انھوں نے نعیم کو یقین دلایا: ہم اس معاملے کا کسی سے ذکر نہیں کریں گے۔

غطفانی نوجوان اپنی قوم کے پاس

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنو قریظہ اور قریش کے دلوں میں شک کا بیج بونے کے بعد اپنی قوم بنو غطفان کے پاس

آ گئے اور انھوں نے کہا: اے بنوغطفان! تم میری اصل اور میرا قبیلہ ہو۔ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اور میں تمھیں اپنے آپ پر کبھی کوئی تہمت لگاتے بھی نہیں دیکھتا۔ انھوں نے کہا: تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ تم ہمارے ہاں متہم نہیں ہو۔

نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ میرے پاس ایک اہم خبر ہے، یہ تم لوگوں کی سلامتی سے متعلق ہے۔ لیکن یاد رکھنا کہ میری یہ بات پوشیدہ رہے۔ انھوں نے کہا: ہم اسے پوشیدہ رکھیں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ بنوقریظہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان مراسلت ہوئی ہے اور وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہیں، پھر انھوں نے بنوغطفان سے بھی وہی بات کہی جو قریش سے کی تھی کہ یہود ان سے یرغمالیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ پھر انھیں خبردار کیا کہ تم اپنا ایک آدمی بھی انھیں مت دینا۔ چونکہ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ انھی میں سے تھے، لہٰذا انھوں نے ان کی بات مان لی۔

قُرظی پیغام رساں قریش کے پڑاؤ میں

یہود بنی قریظہ نے غزال بن سموأل کو اپنا پیغام رساں بنا کر ابوسفیان اور دوسرے سردارانِ قریش کے پاس بھیجا۔ اس نے بنوقریظہ کا پیغام پہنچایا کہ تمھارا پڑاؤ خاصا طول پکڑ گیا ہے، تم نے ابھی تک کوئی کارنامہ بھی انجام نہیں دیا۔ لگتا ہے کہ تم کسی منصوبہ بندی سے کچھ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ ایک دن مقرر کرو۔ اس دن ہم سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ کریں۔ ایک طرف سے تم حملہ کرو، دوسری طرف سے غطفان دھاوا بول دیں اور تیسرا محاذ ہم سنبھال لیں گے اور کوئی حتمی فیصلہ ہونے سے پہلے ہم میں سے کوئی بھی واپس نہیں آئے گا۔ لیکن ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ نہیں نکلیں گے جب تک تم اپنے معززین کو ہمارے ہاں بطور یرغمال نہ بھیجو، وہ ہمارے پاس رہیں گے کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ اگر تمھیں کسی قسم کا نقصان پہنچا یا تمھیں خلافِ توقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو تم لوگ بھاگ جاؤ گے اور ہمیں ہمارے گھروں میں تنہا چھوڑ جاؤ گے جبکہ ہم نے دشمنی کرتے ہوئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عہد شکنی کر دی ہے۔

قاصد کیا خبر لایا؟

بنوقریظہ کے قاصد نے جب احزابِ کفّار کی کمان کو یہود کا پیغام دیا تو انھوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا بلکہ ان کے دل میں نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے جو شک پیدا ہو گیا تھا، وہ مزید پختہ ہو گیا، چنانچہ بنوقریظہ کا قاصد اپنے مقصد میں ناکام لوٹا۔ اس کے جانے کے بعد سپہ سالار ابوسفیان نے کہا: دیکھا! نعیم نے جو کہا تھا، ٹھیک وہی بات نکلی۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی بنوقریظہ میں ایک اور چال

جب بنوقریظہ کا قاصد احزاب کی طرف سے ناکام لوٹا تو سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کو ایک اور موقع مل گیا۔ وہ فوراً بنوقریظہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: اے بنوقریظہ کی جماعت! میں ابوسفیان کے پاس بیٹھا تھا کہ تمھارا قاصد آیا۔ اس نے یرغمالیوں کا مطالبہ کیا تو اس نے قاصد کو کوئی جواب نہیں دیا۔ جب تمھارا قاصد ناکام واپس آ گیا تو ابوسفیان نے اپنی قوم سے کہا: اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ بھی مانگیں گے تو میں بچہ بھی نہیں دوں گا۔ بھلا میں اپنے چیدہ چیدہ ساتھیوں کو ان کے حوالے کردوں تاکہ وہ انھیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سپرد کردیں اور وہ انھیں قتل کر دے؟

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں مزید تاکید کرتے ہوئے کہا: تم خوب غور وفکر کرلو۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ تم جنگ میں اس وقت تک شرکت نہ کرنا جب تک وہ تمھیں یرغمالی نہ دے دیں۔ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی نہ کرو اور ابوسفیان اپنی افواج واپس لے جائے تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنے پہلے معاہدے ہی پر رہو گے۔ تمھارا کچھ نہ بگڑے گا۔ انھوں نے کہا: نعیم! کیا تمھیں اس بات کی امید ہے؟ انھوں نے جواباً کہا: ہاں ہاں، کیوں نہیں؟ بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد کہنے لگا: ہم اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ نہیں کریں گے۔ اللہ کی قسم! میں تو پہلے ہی ایسی بات ناپسند کرتا تھا لیکن یہ بدبخت منحوس آدمی حیی میرے پیچھے پڑ گیا اور مسلسل جنگجوئی کے لیے اُکساتا رہا۔

زبیر بن باطا کے خدشات

بنوقریظہ میں سے ایک سرکردہ یہودی زبیر بن باطا نے کہا: اگر قریش اور غطفان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرنے سے باز آ گئے اور واپس چلے گئے تو ہمارے بارے میں تلوار (قتل) ہی کا فیصلہ ہوگا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: ابوعبدالرحمٰن! اس بات کا ہرگز خوف نہ کھاؤ۔ زبیر بن باطا نے کہا: کیوں نہیں؟ تورات کی قسم! اگر یہود اپنی رائے کی اصلاح کرلیں تو قریش سے یرغمالی طلب کیے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل پڑیں کیونکہ وہ لوگ ہمیں ہرگز کوئی یرغمالی نہیں دیں گے۔ وہ یرغمالی دیں گے بھی کیوں؟ ان کی تعداد ہماری نسبت کہیں زیادہ ہے۔ ان کے پاس گھوڑے اور جنگی ہتھیار ہیں جبکہ ہمارے پاس ایسی کوئی تیاری نہیں۔ وہ بھاگ سکتے ہیں، ہم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ ادھر بنوغطفان نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مدینہ کی کھجوروں کا مطالبہ کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے کہا: ''تمھارے اور ہمارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔'' چنانچہ وہ کچھ بھی حاصل کیے بغیر خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔

قریش کے پاؤں اکھڑ گئے

ذوالقعدہ 5 ھ ہفتے کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راستے ہموار کرنے شروع کر دیے۔ ابوسفیان

نے اپنے لشکر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: اونٹ اور گھوڑے مر رہے ہیں۔ قحط اپنے پنجے مضبوط کر رہا ہے۔ یہود نے جھوٹ بولا ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ اب ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں، لہٰذا تم اپنے وطن لوٹ چلو۔ قریش نے کہا: پہلے یہود سے تحقیق تو کرلو اور ان کے بارے میں یقینی بات معلوم کرو۔

یہودیوں سے معاملے کی تحقیق

احزاب نے اپنے لشکر کی ترجمانی اور معاملے کی تحقیق کے واسطے عکرمہ بن ابوجہل کو بھیجا۔ وہ بنوقریظہ کے قلعوں میں آیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہفتے کی شام تھی۔ دھیرے دھیرے اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اس نے بنوقریظہ کے سرکردہ افراد کو مخاطب کر کے کہا: اے یہود کی جماعت! محاصرہ طوالت اختیار کر گیا ہے۔ اونٹ، گھوڑے، اور دیگر مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اور ہمارے ڈیرے محفوظ نہیں، لہٰذا تم اپنے گھروں سے نکلو اور اس آدمی پر حملہ کرنے میں ہمارا ساتھ دو۔ انھوں نے کہا: کل تو ہفتہ ہے۔ ہم ہفتے کے دن کسی سے نہیں لڑتے نہ کوئی اور کام کرتے ہیں، تاہم ہفتے کا دن گزر جانے کے بعد بھی ہم اس وقت تک تمھارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطورِ یرغمال ہمارے پاس نہ رکھواؤ۔ یرغمالی ہمارے ساتھ رہیں تاکہ ہمیں یقین رہے کہ تم پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگو گے کیونکہ ہمیں تمھاری طرف سے خدشہ ہے کہ اگر تمھیں جنگ میں نقصان پہنچا تو تم اپنے علاقے کی طرف بھاگ کھڑے ہو گے اور ہمیں تنہا چھوڑ جاؤ گے، جبکہ ہم تنہا اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے ساتھ ہمارے بیوی بچے بھی ہیں اور اموال بھی ہیں۔ عکرمہ بنوقریظہ کی بات سن کر واپس چلا آیا۔ لوگوں نے فوراً سوال کرنے شروع کر دیے۔ بتاؤ، کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نعیم نے جو بتایا تھا، وہ بالکل سچ ہے۔ ان اللہ کے دشمنوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ بنوغطفان نے بھی مسعود بن رُخیلہ کی قیادت میں ایک وفد بنوقریظہ کے پاس بھیجا۔ اس نے بھی ان سے وہی کچھ کہا جو قریشی قاصد کہہ گیا تھا لیکن بنوقریظہ نے ان سے بھی یرغمالیوں کی حوالگی کا وہی مطالبہ کیا جو قریش سے کیا تھا۔

ابوسفیان اور حیی بن اخطب میں تکرار

جب قریشی قاصد عکرمہ بن ابوجہل بنوقریظہ کا جواب لے کر واپس آیا تو ابوسفیان نے حیی سے کہا: کہاں گیا تیرا وعدہ کہ تیری قوم مدد کرے گی؟ انھوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور وہ ہم سے غداری کرنا چاہتے ہیں۔ حیی نے کہا: نہیں، تورات کی قسم! انھوں نے تمھیں چھوڑا نہیں بلکہ اتفاقاً ہفتے کا دن آ گیا ہے اور ہم ہفتے کی حرمت کو پامال نہیں

کرتے۔ اگر ہم نے ہفتے کے دن کی حرمت کا لحاظ نہ کیا تو محمد (ﷺ) کے خلاف ہماری طرف سے کس طرح مدد کی جاسکتی ہے؟ جب اتوار کا دن ہوگا تو سب مل کر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیں گے۔

خیبر کا شیطان بنوقریظہ کے پاس

ابوسفیان سے تکرار کے بعد حیی بن اخطب احزاب کے پڑاؤ سے نکلا اور سیدھا دیارِ بنی قریظہ میں جا پہنچا اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کہنے لگا: تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! بلاشبہ قریش نے تم پر دھوکہ دہی کی تہمت لگا کر تمھیں داغدار کر دیا ہے اور تمھارے ساتھ ساتھ انھوں نے مجھے بھی متہم ٹھہرایا ہے۔ اس وقت تم جس مشکل میں مبتلا ہو، اس صورتِ حال میں اگر تم ہفتے کی حرمت توڑ بھی دو گے تو کیا حرج ہے؟ اس کی یہ بات سن کر بنوقریظہ کا سردار کعب بن اسد غضب ناک ہوگیا اور اس نے کہا: اگر محمد (ﷺ) ہمیں قتل کر دیں اور ہمارا ایک آدمی بھی سلامت نہ بچے، تب بھی ہم ہفتے کی بے حرمتی نہیں کریں گے۔

ابوسفیان اور حیی کی تلخ کلامی

جب حیی بن اخطب کو بنوقریظہ کی طرف سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا تو وہ دوبارہ ابوسفیان کے پاس آیا۔ وہاں ان میں کچھ تلخ کلامی ہوئی:

ابوسفیان: او یہودی! میں نے تجھے کہا نہیں تھا کہ تیری قوم دھوکہ دینا چاہتی ہے؟

حیی: نہیں، اللہ کی قسم! وہ دھوکہ نہیں دینا چاہتے بلکہ ان کا ارادہ ہے کہ ہفتے کا دن گزار کر اتوار کو لڑائی کے لیے نکلیں۔

ابوسفیان: کیوں، ہفتے کو کیا ہے؟

حیی: یہ یہود کا مذہبی دن ہے۔ وہ اس دن لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ یہود کی ایک جماعت نے ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑ لی تھیں (جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے مسخ کر کے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

ابوسفیان: میں نہیں سمجھتا کہ بندروں اور خنزیروں کے بھائیوں سے ہمیں کوئی مدد ملے گی۔ میں نے عکرمہ کی قیادت میں ایک وفد ان کی طرف بھیجا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم اس وقت تک لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم اپنے معززین میں سے چند افراد ہمارے ہاں گروی نہ بھیج دو۔ اس سے پہلے غزال بن سموأل ان کا یہ پیغام لایا تھا۔ لیکن میں لات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ محض تمھارا دھوکا ہے اور میرا خیال ہے کہ

حیی! تم بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔

حیی: تورات کی قسم جو موسیٰ علیہ السلام پر طورِ سینا کے دن نازل کی گئی! میں نے غداری نہیں کی بلکہ میں ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہوں جو سب سے بڑھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمن ہیں اور اس کے ساتھ لڑائی پر سب سے زیادہ جری ہیں، آپ ایک دن انتظار کر لیں۔ ایک دن اور ٹھہرنے میں کیا حرج ہے؟ اگلے دن وہ بھی لڑائی کے لیے نکل پڑیں گے۔

ابوسفیان: نہیں، اللہ کی قسم! میں لوگوں کو تمھارے دھوکے کا انتظار کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں ٹھہراؤں گا۔

حیی بن اخطب کا فرار

جب حیی بن اخطب نے احزاب کے سالار ابوسفیان کے تیور بدلتے دیکھے تو اسے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ وہ ڈر گیا کہ ابوسفیان اسے جان سے مار ڈالے گا۔ وہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ نکلا حتی کہ الروحاء کے علاقے میں پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ چونکہ اس نے کعب بن اسد سے عہد کیا تھا کہ وہ ہر صورت میں واپس آئے گا، چنانچہ وہ بنوقریظہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں قلعہ بند ہو گیا۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی دانشمندی کام کر گئی

جب قریشی اور غطفانی قاصد ناکام لوٹے تو قریش اور غطفان کہنے لگے: نعیم نے جو خبر دی تھی، یقیناً وہ سچ نکلی۔ ادھر بنوقریظہ کو جب احزاب نے یرغمالی دینے سے انکار کیا۔ یہود نے بھی کہا: اللہ کی قسم! نعیم جو خبر لایا تھا، وہ بالکل صحیح تھی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ اب قریشی ٹھہریں گے نہیں۔ دونوں فریق (احزاب اور یہود بنوقریظہ) ایک دوسرے کی مدد سے مایوس ہو گئے تو ان میں اختلاف کا زہر پھیل گیا۔ یوں ان کی قوت دم توڑ گئی۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: میں نے احزاب میں ایسا تفرقہ ڈالا تھا کہ وہ ہر طرف بکھر گئے اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا امین ہوں۔ اس کے بعد وہ بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔[1]

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی کامیابی کا راز

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ منصوبہ بہت کامیاب رہا۔ قائدین احزاب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے

[1] السيرة لابن هشام: 3/240-242، البداية والنهاية: 4/113-115، المغازي للواقدي: 1/409-415، فتح الباري: 7/502، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 190,191، عيون الأثر، ص: 274,275.

شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔ نتیجہ ان کی قوت کے ٹوٹنے اور عزم کے متزلزل ہونے کی صورت میں نکلا۔ سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی کوشش یوں کامیاب ہوئی:

ا انھوں نے ہر شخص سے اپنا اسلام مخفی رکھا۔ یوں انھوں نے جس گروہ کو بھی بظاہر خیر خواہانہ مشورہ دیا، اس نے قبول کرلیا۔

ب انھوں نے بنوقریظہ کو بنوقینقاع اور بنونضیر (یہودی قبائل) کا انجام یاد دلایا اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ جاری رکھنے کی صورت میں مستقبل کے بھیانک انجام سے ڈرایا۔ ان کی یہ کوشش یہود کی سوچ بدلنے اور دشمن کی تدبیریں الٹنے کا سبب بنی۔

ج وہ یوں بھی کامیاب رہے کہ ہر گروہ نے ان کے مشورے کو دوسرے سے مخفی رکھا کیونکہ اسے پوشیدہ رکھنے ہی میں ان کی کامیابی تھی۔ فریقین میں سے کسی بھی گروہ پر ان کا معاملہ کھل جاتا تو ساری کوشش رائیگاں جاتی۔ اس لحاظ سے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ احزاب کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔[1]

اللہ کی مدد آگئی

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حالتِ جنگ میں بڑی کثرت سے دعا کرتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ شدید محاصرے کی حالت میں کرب و بے چینی کا یہ عالم تھا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ مصائب کے بادل چھٹ جانے کی خوشخبریاں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت سے دشمن کا رُخ پھیر دیا۔ ان کی جماعتیں تتر بتر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے سخت ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کر دی، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اپنی بارگاہِ عالی سے خاص لشکر نازل فرمائے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے احزاب ہی میں سے ایک نوجوان کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے اپنا اسلام مخفی رکھ کر کفار کی صفوں میں اختلاف کا زہر پھیلا دیا۔ اس طرح دشمن اپنی آگ میں خود ہی بھسم ہوگئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی زبردست طوفانی آندھی چلائی کہ سرد اور تاریک رات میں اس کے تھپیڑوں سے مشرکین کی دیگیں الٹ گئیں۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی اور ان کے خیمے مٹی تلے دب گئے۔ مشرکین اس طویل جنگ سے پہلے ہی بد دل ہو چکے تھے، ادھر آندھی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا، اس نے

[1] السیرۃ النبویۃ للصلابی: 273,272/2.

کوچ کا اعلان کر دیا۔ گویا یہ آندھی اللہ تعالیٰ کا ایک لشکر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف بھیجا تھا۔ اس آندھی کی وجہ سے انھیں شدید نقصانات اُٹھانے پڑے۔ ان میں شدید مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔

فرشتوں کے ان دیکھے لشکر کا نزول

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ساتھ ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت بھی اہلِ اسلام کی مدد کو بھیج دی جس نے کفار کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور ان کے دلوں میں خوف و رعب ڈال دیا۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ جب خندق کا دن تھا، جبریل علیہ السلام تشریف لائے، ان کے ساتھ ہوا بھی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا مسلط کر دی ہے جس سے ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں، ہنڈیاں الٹ گئیں اور ان کے کجاوے زمین بوس ہو گئے ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:

مدرسہ سعید بن جبیر، دمام (سعودی عرب)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝﴾ (الأحزاب 33:9)

”اے ایمان والو! تم اپنے آپ پر اللہ کا احسان یاد کرو جب تمھارے خلاف لشکر اُمڈ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمھارے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے۔“[1]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ أُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ»

[1] السيرة لابن هشام: 242/3، الطبقات لابن سعد: 71/2، مرويات غزوة الخندق، ص: 407-411.

ظفار (عُمان) میں قوم عاد سے منسوب محلات جو احقاف (ریتلے ٹیلوں) کے نیچے سے برآمد ہوئے

"میری مدد بادِ مشرق کے ذریعے سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور (مغرب سے چلنے والی ہوا) کے ساتھ ہلاک کیا گیا تھا۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صبا (بادِ نسیم) نے مغرب سے چلنے والی ہوا (دبور) سے کہا: آؤ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں تو اس نے کہا: آزاد ہوائیں رات کو نہیں چلتیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے اس جواب پر بہت غصہ آیا تو اسے بانجھ، یعنی خیر و برکت سے خالی کر دیا۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تند و تیز ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان اس ہوا کے قریب تھے۔ ہوا اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق تھی۔ اس کے باوجود مسلمان ہوا کی زد میں نہیں آئے اور انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف فرشتے نازل فرمائے جنھوں نے خیموں کے کھونٹے اکھاڑ دیے اور رسیاں توڑ دیں، آگ بجھا دی، ہانڈیاں اوندھی کر دیں اور گھوڑے باہم گتھم گتھا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا۔ لشکر کے اردگرد فرشتوں نے بکثرت تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ہر خیمے کا سردار اپنے افراد کو چلا چلا کر آوازیں دینے لگا: اے بنو فلاں! ادھر آؤ۔ وہ اکٹھے ہو جاتے تو کہتا: اپنا بچاؤ کرو۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان پر زبردست رعب طاری کر دیا تھا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو باور کرا دیا کہ دس ہزار سے زائد کے لشکر نے مسلمانوں کے عسکری جذبے سے شکست نہیں کھائی بلکہ دشمنانِ اسلام کو صرف اللہ تعالیٰ نے شکست دی ہے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

"اکیلے اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ اُسی نے اپنے لشکر کو عزت دی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور

[1] صحيح البخاري: 4105، صحيح مسلم: 900. [2] فتح الباري: 502/7. [3] تفسير القرطبي، الأحزاب 9:33.

وہی ہے جو تنِ تنہا لشکرِ احزاب پر غالب آ گیا۔ اس جیسی کسی کی ہستی نہیں۔''[1]

دعا اور تدبیر دونوں لازم ہیں

رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، اُسی کی ذاتِ اقدس پر اعتماد کرنا اور اُسی سے مدد کی التجا کرنا فتح مندی کا سب سے بڑا سر چشمہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان صرف دُعا مانگ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ یہ سبق رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے عمل مبارک سے دیا ہے کہ اللہ کی ذات عالی پر بھروسہ کر کے انسان خود بھی فکر و تدبر کرے اور باطل کو شکست دینے کے لیے اپنے تمام وسائل پوری طرح بروئے کار لائے۔ آپ ﷺ نے باطل کے خلاف ہر جنگ میں اسباب اختیار کر کے امت کو عملی تربیت دی۔ اس غزوۂ احزاب میں آپ ﷺ نے لشکروں کو جدا جدا کرنے اور دشمن کا محاصرہ توڑنے کے لیے تمام ممکنہ تدابیر اختیار فرمائیں اور حرب و ضرب کے تمام مروجہ طریقوں سے پوری طرح کام لیا۔[2]

مدینے کا محاصرہ ٹوٹ گیا

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ کفار کا سامانِ رسد ختم ہوتا جا رہا تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست ہو گئے تھے۔ احزاب کے جنگجوؤں کو زندگی میں پہلی مرتبہ اس قدر لمبا محاصرہ کرنا پڑا تھا۔ سخت آندھی کے ریلوں نے ان کا بُرا حال کر دیا تھا۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہ زبردست آندھی انھیں تباہ کر دے گی۔ ابوسفیان کہنے لگا: یارو! میں تو جا رہا ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے جھکڑ کیا آفت ڈھا رہے ہیں۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے سالار ہی کو بزدلی کا مظاہرہ کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینے کا محاصرہ توڑ دیا۔

محاصرے کی مدت

احزاب نے مسلمانوں کا محاصرہ کتنی مدت تک کیا؟ اس بارے میں سیرت نگاروں اور مؤرخین میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن الاثیر اور ابن سید الناس رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے محاصرے کے دوران بیس سے زیادہ راتیں میدانِ کارزار میں بسر فرمائیں۔ آپ ﷺ قریب قریب ایک مہینے تک پڑاؤ کیے رہے۔[3]

ابن سعد نے سعید بن مسیّب کی روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چوبیس دن محاصرے میں رہے۔

---

[1] صحيح البخاري: 4114، صحيح مسلم: 2724. [2] السيرة النبوية للصلابي: 275/2. [3] السيرة لابن هشام: 233/3، تاريخ الطبري: 238/2، الكامل لابن الأثير: 171/2، عيون الأثر، ص: 271.

لیکن ابن سعد نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ دس دن سے زیادہ دیر تک کیا گیا۔[1]
ابن سعد نے جو چوبیس دنوں والی روایت نقل کی ہے، وہ قریب قریب انھی سیرت نگاروں کا قول ہے جنھوں نے کہا ہے کہ محاصرے کی مدت ایک ماہ تھی۔[2]
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کا قول نقل کیا ہے کہ محاصرے کی مدت بیس دن تھی۔[3] ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ ایک ماہ تک رہا۔ اس دوران دونوں جماعتوں میں کھلّم کھلا لڑائی نہ ہوسکی کیونکہ کافروں اور مسلمانوں کے درمیان خندق حائل تھی۔[4] قسطلانی نے کہا ہے کہ امام نووی کی ''الروضہ'' میں پندرہ دن کا قول بیان ہوا ہے اور یہ ابن سعد کے اس قول کی تائید کرتا ہے جس میں انھوں نے محاصرے کی مدت دس دن سے کچھ زائد بتائی ہے۔[5]
لیکن صحیح اور راجح بات وہی ہے جو ابن قیم نے یقین کے ساتھ آثار کی روشنی میں کہی ہے کہ محاصرے کی مدت ایک ماہ تھی۔ عرب کے اشعار میں بھی ایک مہینے ہی کا ذکر ملتا ہے۔ غزوۂ احزاب میں مشرکین کا مشہور شہسوار ضرار بن خطاب بن مرداس جو شاعر بھی تھا، اس نے خندق کے دن یہ شعر کہا:

فَأَحْجَرْنَاهُمْ شَهْرًا كَرِيتًا وَكُنَّا فَوْقَهُم كَالْقَاهِرِينَا

''ہم نے پورا ایک مہینہ ان کا محاصرہ کیا اور ہم ان پر مسلط ہونے والوں کی طرح تھے۔''[6]

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خفیہ رپورٹ

جب رسول اللہ ﷺ کو احزاب کی باہمی ٹوٹ پھوٹ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ شدید سردی پڑ رہی تھی۔ یہ ولولہ انگیز واقعہ خود سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی سنیے۔ اُن سے اہل کوفہ میں سے ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا

مسجد حذیفہ بن الیمان، ابوالکوم، جازان (سعودی عرب)

1 الطبقات لابن سعد: 73/2. 2 مرويات غزوة الخندق، ص: 288. 3 فتح الباري: 491/7. 4 زادالمعاد: 272/3. 5 المواهب اللدنية: 452,451/1. 6 مرويات غزوة الخندق، ص: 289-291.

اور ان کی صحبت اختیار فرمائی؟ انھوں نے کہا: ہاں، میرے بھتیجے۔ اس نے پوچھا: آپ کا رسول ﷺ سے برتاؤ کیسا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہم خوب تگ و دو کے ساتھ آپ کی آؤ بھگت کرتے تھے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم آپ ﷺ کو پالیتے تو آپ ﷺ کے پاؤں زمین پر نہ لگنے دیتے بلکہ آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرتے، پھر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! ہم نے خندق کی رات رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ رات کی تاریکی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ معمول مبارک یہ تھا کہ آپ فرداً فرداً ہر شخص کے پاس جاتے تھے، اس کی خیر و عافیت معلوم کرتے تھے حتی کہ آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میرے پاس دشمن سے بچاؤ کے لیے کوئی ڈھال نہیں تھی، نہ سردی سے بچاؤ کا کوئی سامان تھا۔ میرے پاس اپنی بیوی کی چادر کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ بھی میرے گھٹنوں سے نیچے نہیں جاتی تھی۔ جب آپ ﷺ میرے پاس آئے، میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: «مَنْ هٰذَا؟» ”یہ کون ہیں؟“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حذیفہ ہوں۔ اب آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

«مَنْ رَّجُلٌ يَّقُومُ فَيَنْظُرُ لَنَا مَا فَعَلَ الْقَوْمُ ثُمَّ يَرْجِعُ ۔ فَشَرَطَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجْعَةَ ۔ أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَّكُونَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

”کون ہے جو جائے اور ہمارے لیے لوگوں کے احوال معلوم کرے اور پھر واپس آئے۔ آپ ﷺ نے واپسی کی شرط التزام سے عائد کی اور فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں گا کہ وہ آدمی جنت میں میرا ساتھی ہو۔“

زبردست خوف و ہراس کی فضا تھی۔ بھوک نے ستا رکھا تھا، بڑے کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ان اسباب کی وجہ سے کوئی آدمی کھڑا نہ ہوا۔ ادھر سب سے زیادہ خوفزدہ میں تھا اور سب سے زیادہ سردی بھی مجھے ٹھٹھرا رہی تھی لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے طلب فرمایا تو میرے پاس تعمیلِ ارشاد کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا حُذَيْفَةُ! اِذْهَبْ فَادْخُلْ فِي الْقَوْمِ فَانْظُرْ مَاذَا يَفْعَلُونَ وَلَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتّٰى تَأْتِيَنَا»

”اے حذیفہ! جاؤ، کافروں کی صفوں میں گھس جاؤ اور یہ دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور جب تک تم ہمارے پاس واپس نہ آجاؤ، از خود کوئی کام نہ کرنا۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا حُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ»

''حذیفہ! اٹھو اور اُن لوگوں کی خبر لے کر آؤ۔ دیکھو، انھیں میرے خلاف بھڑکا نہ دینا، یعنی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جس سے وہ مشتعل ہو جائیں۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اٹھا اور قدم بڑھانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَ مِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ»

''اے اللہ! اس کی حفاظت فرمانا آگے سے، پیچھے سے، اس کے دائیں سے، اس کے بائیں سے، اس کے اوپر اور نیچے سے۔''

اللہ کی قسم! جونہی آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو میرا سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ اب مجھے بالکل سردی نہیں لگ رہی تھی۔ میں گیا اور کافروں کے لشکر میں گھس گیا۔ ہوا کے تھپیڑے اور اللہ کے دوسرے لشکر اپنا کام کر رہے تھے۔ کافر بہت پریشان تھے۔ انھیں کسی طرح قرار حاصل نہ تھا۔ نہ ان کی آگ روشن ہوئی، نہ ان کا کوئی خیمہ اپنی جگہ سلامت رہا۔ ہانڈیاں چولھوں پر ٹکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

ابوسفیان کا اپنے لشکر سے خطاب

اللہ کے لشکروں کی تباہ کاری دیکھ کر ابوسفیان سٹپٹا اٹھا اور اس نے اپنی فوج کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ سب سے پہلے اس نے خطرے کی بُو سونگھتے ہوئے اعلان کیا: اے قریش کی جماعت! ہر آدمی اپنے ساتھ والے آدمی کو اچھی طرح دیکھ لے (اس کا مقصود یہ تھا کہ یہاں کوئی جاسوس نہ آبیٹھا ہو)۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے فوراً اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں معاویہ بن ابی سفیان ہوں۔ پھر میں نے بائیں جانب بیٹھے آدمی سے دریافت کیا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں عمرو بن عاص ہوں۔ اس تدبیر سے میری بلا ٹلی۔ پھر ابوسفیان نے تقریر شروع کی:

اے اہل قریش! تم لوگ اپنے شہر میں نہیں ہو، دور اُفتادہ ہو۔ ہمارے اونٹ، گھوڑے اور دوسرے جانور مر رہے ہیں۔ بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ہمیں ان کے بارے میں بُری خبریں مل رہی ہیں۔ اس آندھی نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے۔ ہماری ہانڈی چولھے پر ٹھہرتی ہے، نہ آگ جلتی ہے، نہ کوئی خیمہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اس لیے تم لوگ جلد از جلد یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں بھی پا بہ رکاب ہوں اور یہاں سے جانے لگا ہوں۔

ابوسفیان کی حواس باختگی

تقریر ختم ہوئی، اب وہ کوچ کرنے کے لیے اپنی سواری کی طرف لپکا۔ اس کے اونٹ کا گھٹنا رسی سے بندھا ہوا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ کر اسے چابک مارنے لگا جس کی وجہ سے اونٹ نے بلبلا کر تین پاؤں پر ہی چھلانگ لگادی۔ ابوسفیان بوکھلا گیا۔ وہ اس قدر حواس باختہ تھا کہ اسے اونٹ کے گھٹنے کی رسی کھولنی بھی یاد نہیں رہی۔ جب اونٹ نے چھلانگ لگائی، تب اس نے کھڑے ہوئے اونٹ کی رسی کھولی۔ اس وقت اس کی کمر ٹھیک میرے نشانے پر تھی۔ میں نے تیر کمان میں رکھا۔ اب میں تیر چلانے ہی والا تھا کہ مجھے معاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا کہ ''میرے پاس آنے تک از خود کوئی کام نہ کرنا۔'' میں فوراً رک گیا اور تیر اپنے ترکش میں رکھ لیا۔

کفار کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی

جب کفار نے اپنے سردار کو واپس بھاگتے دیکھا تو وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بنو عامر کے گروہ کے پاس سے گزرا تو انھیں یہ کہتے سُنا:

يَا آلَ عَامِرٍ! اَلرَّحِيلَ الرَّحِيلَ لَا مُقَامَ لَكُمْ.

''اے آلِ عامر! جلدی سے بھاگ چلو۔ تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔''

شدید سردی اور تند و تیز آندھی کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک بالشت بھی ان کے لشکر سے تجاوز نہیں کر رہی تھی۔ اللہ کی قسم! میں نے پتھروں کی آواز ان کے بستروں اور پالانوں میں سنی۔ بنو غطفان کو جب قریش کی واپسی کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے دیار کو چل دیے۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں کفار کے لشکر سے نکل آیا۔ شدید سردی کے باوجود مجھے یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ جب میں آدھے راستے تک آ پہنچا تو میرا گزر تقریباً بیس گھڑ سواروں کے پاس سے ہوا۔ ان سب نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اپنے ساتھی (نبی ﷺ) کو خبر دے دینا کہ اللہ تعالیٰ انھیں کافی ہو گیا ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ ایک شال لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اللہ کی قسم! جب میں اپنی کارروائی مکمل کر کے واپس پہنچا تو مجھے پھر سے سردی لگنے لگی اور میں تھر تھر کانپنے لگا۔

آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے میرے اوپر اپنی چادر مبارک کا کچھ حصہ ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے آپ ﷺ کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا، پھر میں اسی شال کو اوڑھ کر صبح تک سویا رہا۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا نَوْمَانُ!»

''اٹھو، اے بہت سونے والے!''[1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ماخوذ اسباق

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بے حد ایمان افروز ہے۔ اس سے ہمیں درج ذیل اسباق ملتے ہیں:

1. رجال کار کی پوری صلاحیتوں سے واقف ہونا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کی ذمے داری سونپی کیونکہ وہ نہایت ذہین وفطین اور چھریرے بدن کے انسان تھے۔ پیچیدہ صورتِ حال پر فوراً قابو پا لیتے تھے۔
2. سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اصولِ جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ انھیں قریش کے سپہ سالار کو قتل کرنے کا بھرپور موقع ملا بلکہ انھوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن فوراً ہی ذہن میں آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''انھیں بھڑکانا مت، تمھارا کام صرف ان کی خبر لانا ہے۔'' چنانچہ انھوں نے تیر کمان سے جُدا کر دیا۔[2]
3. سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ جب دشمن کی خبر لانے گئے تو سخت سردی تھی، شدید سردی کے باوجود انھیں سردی کا احساس تک نہ ہوا اور وہ اپنے آپ کو گویا گرم حمام میں چلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ جب تک وہاں رہے، انھیں سردی نہیں لگی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے مومن بندوں پر خصوصی فضل و کرم اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ہی کا مظہر ہے۔[3]
4. واپسی پر رسول اللہ ﷺ کا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے شفقت بھرا سلوک اس صداقت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ جس چادر میں نماز پڑھ رہے تھے، وہی انھیں اوڑھا دی حتی کہ وہ صبح تک محوِ خواب رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اُنھیں بڑے پیار سے بیدار کیا اور فرمایا: ''اے بہت سونے والے! بیدار ہو جا۔'' یہ بڑا محبت بھرا انداز ہے، یہ نرمی و شفقت کا بے مثال نمونہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

---

[1] صحيح مسلم: 1788، البداية والنهاية: 4/115-117، السيرة لابن هشام: 3/242-244. [2] فقه السيرة للغضبان، ص: 505، السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 423. [3] السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 427.

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

(التوبة 128:9)

''یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا۔ اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا بہت گراں گزرتا ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق اور بہت رحم کرنے والا ہے۔''

5 جلیل القدر صحابی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا نہایت تیزی سے پیچیدہ صورتِ حال پر قابو پانا ان کی ہوش مندی اور معاملہ فہمی کی دلیل ہے۔ جب ابوسفیان اپنے لشکر میں تقریر کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے کہا: ہر شخص اپنے پہلو میں بیٹھے شخص کا تعارف حاصل کر لے۔ اُس وقت انھوں نے فوراً دائیں بائیں بیٹھے افراد سے ان کا تعارف پوچھ لیا اور انھیں سوال کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور وہ اس خطرناک صورتِ حال سے صاف بچ نکلے جو بصورتِ دیگر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔[1]

نامراد لشکروں کی واپسی

اس طرح کافروں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مایوسی اور نامرادی کی وبا پھیل گئی اور تیز و تند ہوا کے سبب ان کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہو گئی کہ صحرا کی تاریکی میں جا بجا سر ٹکراتے پھرتے تھے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر مدینہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ○﴾

''اور اللہ نے کافروں کو غیظ و غضب بھرے ان کے دلوں کے ساتھ واپس کر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔''[2]

جب صبح ہوئی اور مسلمانوں نے خندق کی دوسری طرف نظر ڈالی تو چند جلی ہوئی لکڑیوں اور بکھرے خالی خیموں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اپنے گھروں کو کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ کسی غزوے، حج یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے، پھر فرماتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

[1] السيرة النبوية للصلابي: 277,276/2. [2] الأحزاب: 25:33.

غزوۂ خندق

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور ساری تعریف اسی کی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (اے ہمارے رب!) ہم واپس لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کی فوجوں کو اس اکیلے نے شکست دے دی۔''[1]

کعب بن مالک کہتے ہیں: جب نبیِ کریم ﷺ کافروں کی فوج کا پیچھا کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو اپنی زِرہ اتار دی، غسل فرمایا اور خوشبو لگائی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے نام ابوسفیان کا خط

جب احزاب خائب و خاسر ہو کر واپس بھاگنے لگے تو چلتے وقت ابوسفیان نے نبیِ کریم ﷺ کو خط لکھا جس میں اس نے نبیِ کریم ﷺ کو خندق کی پناہ لینے پر ملامت کی اور کہا: خندق کی تدبیر نہ ہوتی تو مسلمانوں کا وجود باقی نہ رہتا۔ اس نے یہ خط ابوسلمہ الخشنی کے ہاتھ بھیجا۔ جب وہ خط آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آپ کے خیمے میں حاضر ہوئے اور آپ کو خط پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ عبارت درج تھی:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! فَإِنِّي أَحْلِفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، لَقَدْ سِرْتُ إِلَيْكَ فِي جَمْعِنَا، وَإِنَّا نُرِيدُ أَلَّا نَعُودَ إِلَيْكَ أَبَدًا حَتّٰى نَسْتَأْصِلَكُم، فَرَأَيْتُكَ قَدْ كَرِهْتَ لِقَاءَنَا، وَجَعَلْتَ مَضَايِقَ وَخَنَادِقَ فَلَيْتَ شِعْرِي مَنْ عَلَّمَكَ هٰذَا؟ فَإِنْ نَّرْجِعْ عَنْكُمْ فَلَكُمْ مِّنَّا يَوْمٌ كَيَوْمِ أُحُدٍ، تُبْقَرُ فِيهِ النِّسَاءُ.

1 صحيح البخاري: 4116. 2 مجمع الزوائد: 140/6.

مدرسہ کعب بن مالک، الخبر (سعودی عرب)

''اللہ کے نام سے، میں لات اور عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنی فوج کے ساتھ آپ کے پاس آیا۔ بے شک ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی طرف دوبارہ نہ آئیں حتی کہ آپ کی بیخ کنی کر ڈالیں۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ نے ہم سے مڈبھیڑ پسند نہیں کی۔ آپ نے تنگنائیں اور خندقیں بنالی ہیں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات کس نے سکھائی ہے؟ اگر ہم اس وقت لوٹ جائیں تو آپ کو ہماری طرف سے احد کے دن کی طرح ایک دن کا سامنا کرنے پڑے گا۔ اُس دن عورتوں کی حرمت پامال کی جائے گی۔''

رسول اللہ ﷺ کا جوابی مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے بھی ابوسفیان کو جوابی خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى أَبِي سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ، أَمَّا بَعْدُ! فَقَدِيمًا غَرَّكَ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ، أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّكَ سِرْتَ إِلَيْنَا فِي جَمْعِكُمْ وَأَنَّكَ لَا تُرِيدُ أَنْ تَعُودَ حَتّٰى تَسْتَأْصِلَنَا، فَذٰلِكَ أَمْرُاللّٰهِ يَحُولُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتّٰى لَا تَذْكُرَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى، وَأَمَّا قَوْلُكَ: مَنْ عَلَّمَكَ الَّذِي صَنَعْنَا مِنَ الْخَنْدَقِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَلْهَمَنِي ذٰلِكَ لِمَا أَرَادَ مِنْ غَيْظِكَ بِهٖ وَغَيْظِ أَصْحَابِكَ، وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ تُدَافِعُنِي بِالرَّاحِ وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ أَكْسِرُ فِيهِ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَإِسَافَ وَنَائِلَةَ وَهُبَلَ حَتّٰى أُذَكِّرَكَ ذٰلِكَ»

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی جانب سے ابوسفیان بن حرب کی طرف۔ اما بعد! شروع ہی سے اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے تجھے دھوکے میں ڈالے رکھا۔ رہی یہ بات جو تو نے لکھی ہے کہ تو اپنے لشکر لے کر ہماری طرف آیا اور یہ کہ تو آئندہ ہماری طرف آنے کا ارادہ نہیں رکھتا حتی کہ تم لوگ ہماری بیخ کنی کر دو، یہ اللہ کا معاملہ ہے جس میں وہ تیرے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے گا اور انجام کار ہمارے ہی لیے ہے حتی کہ لات وعزیٰ تجھے یاد بھی نہیں آئیں گے۔ رہا تیرا یہ کہنا کہ جو ہم نے خندق بنائی ہے، یہ مجھے کس نے سکھائی ہے تو سن لے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یہ مجھے الہام فرمائی ہے، اس لیے کہ اس نے چاہا کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو اس کے ذریعے سے غیظ وغضب میں مبتلا کر دے۔ (یاد رکھ!) وہ دن ضرور آئے گا جب

تو اپنی خوشی سے میرا دفاع کرے گا اور تو وہ دن بھی لازماً دیکھے گا جب میں لات و عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کو ریزہ ریزہ کردوں گا، اس وقت میں تجھے یہ سب کچھ یاد دلاؤں گا۔''[1]

کفارِ قریش کی آخری جنگ

غزوۂ احزاب ایسا فیصلہ کن معرکہ تھا جس نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طاقت کا توازن یکسر بدل ڈالا کیونکہ جتنی بڑی تعداد دشمن نے جمع کر لی تھی، اس سے زیادہ طاقت وہ ہرگز اکٹھی نہیں کر سکتے تھے، اس کے باوجود وہ اپنا مقصد نہ پا سکے۔ کفر و شرک کی طاقت اس معرکے کے بعد زوال پذیر ہوگئی اور اسلام کی طاقت آئے دن ترقی کرتی چلی گئی۔ اس کے بعد کُفارِ قریش ریاستِ مدینہ کے خلاف کوئی یلغار نہ کر سکے۔

سیدنا سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے لشکروں کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

''اب ہم ان پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے، (جنگ کے لیے اب) ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔''[2]

شہدائے غزوۂ خندق کے اسمائے گرامی

سیدنا سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اس جنگ میں بنوعبدالاشہل (اوس) کے تین افراد شہید ہوئے:

1 سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
2 سیدنا انس بن اوس بن عتیک بن عمرو رضی اللہ عنہ
3 سیدنا عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ

بنوجشم بن خزرج سے یہ دو صحابی شہادت سے سرفراز ہوئے:

4 سیدنا طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ
5 ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ

اور بنونجار (خزرج) میں سے ایک صحابی سیدنا کعب بن زید رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔[3]

باشمیل نے برہان الدین حلبی کے حوالے سے دو نام اور بھی لکھے ہیں۔ یہ سیدنا سلیط رضی اللہ عنہ اور سیدنا سفیان بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی حرکات و سکنات معلوم کرنے کے لیے بھیجا لیکن وہ دشمن کے قابو میں آگئے اور شہید کر دیے گئے، ان کا تفصیلی بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

---

1 المغازي للواقدي :420,419/1، إمتاع الأسماع :243,242. 2 صحيح البخاري : 4110. 3 البداية والنهاية : 117/4، إمتاع الأسماع :244/1.

ان دونوں صحابہ کا قبیلہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ دونوں مہاجرین میں سے تھے یا انصار میں سے، لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ دونوں انصار میں سے تھے کیونکہ یہ بات دور از کار ہے کہ نبیِ کریم ﷺ دشمن کی جاسوسی کے لیے اس شخص کو بھیجیں جو اس علاقے کا باشندہ نہیں ہے چونکہ انصار اس علاقے کے نشیب و فراز سے خوب واقف تھے، اس لیے آپ ﷺ نے انھی میں سے ان دونوں آدمیوں کو بھیجا ہوگا۔[1]

کفار کے مقتولین

معرکۂ احزاب میں مشرکین کے تین افراد واصل جہنم ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

1. عمرو بن عبدود عامری
2. نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ بن مخزوم
3. منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق بن عبدالدار۔[2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1/522. [2] البداية والنهاية : 4/118,117، إمتاع الأسماع :1/244.

احزاب کی ناکامی کے اسباب

وہ کون سے اسباب و محرکات تھے جو احزاب کے ٹڈی دل جیسے لشکر کی فتح کی تکمیل میں حائل ہوگئے جبکہ مادی وسائل بھی احزاب کے پاس وافر مقدار میں موجود تھے لیکن پھر بھی وہ نہایت بری شکست سے دوچار ہوئے اور یہ شکست جزیرہ نمائے عرب کی حربی تاریخ میں اسلام کے دشمنوں کی بہت بڑی ناکامی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے اہم اسباب یہ تھے:

خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی جو مدینہ کی پہلی دفاعی لائن تھی، ایک ایسی جنگی تدبیر تھی جس سے احزاب کی کمان سٹپٹا اٹھی۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی خندق کی تکمیل کی وجہ سے ان کا مدینہ کی تباہی کا تیار کردہ منصوبہ ناکام ہوکے رہ گیا۔

احزاب کی کمان اپنے ہدف کی تکمیل کے لیے اس بڑی فوج پر اعتماد کرتی تھی جسے انھوں نے جمع کیا تھا اور ان کے سامنے مسلمانوں کی نسبت ایک اور دس کی تھی۔ اس قدر فائق تعداد کا مقصد اس شجاعت پر غلبہ حاصل کرنا تھا جس سے مسلمان مسلح اور ممتاز تھے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا تھا جب ان سے ہمہ گیر جنگ برپا ہوتی لیکن مسلمان سپاہ نے جلد از جلد خندق کی کھدائی کر کے ان کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور یہ خندق احزاب کے بھاری لاؤلشکر اور مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کے درمیان حائل ہوگئی۔

خندق کے وجود نے لشکرِ احزاب کے ہزاروں جوانوں کی سرگرمیوں کو منجمد اور ان کی حرکتوں کو شل کر دیا اور وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہ پاسکے۔

محاصرے کی طوالت

خندق کے باعث کسی فیصلہ کن معرکہ کی قدرت نہ رکھنے اور محاصرہ طویل ہونے کی وجہ سے احزاب کے جنگجوؤں میں شدید جھلاہٹ اور برافروختگی پیدا ہوگئی۔ خصوصاً بدو لڑاکے بری طرح بوکھلا گئے کیونکہ وہ ایک جگہ محاصرہ کر کے اور لمبا پڑاؤ ڈال کر لڑائی کے طریقے سے بالکل ناآشنا تھے، وہ محض چھینا جھپٹی والی لڑائی کے عادی تھے جس کا دورانیہ

ایک آدھ دن ہوتا۔ لیکن ایک ماہ تک بے کار پڑے رہنے کی وجہ سے وہ بد دل ہو گئے اور واپسی کی سوچنے لگے جس سے ان کی قوت اور ارادے کمزور ہو گئے۔

مشرکین کی متحدہ کمان نہ ہونا

جنگوں کی تاریخ سے واضح ہے کہ کوئی لشکر کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس کی ایک متحدہ کمان نہ ہو۔ لشکرِ اسلام رسول اللہ ﷺ کی کمان میں متحد تھا جبکہ احزاب کسی متحدہ ہائی کمان سے محروم تھے اور اس کی کمزوری نے ان کے تین گنا بڑے لشکر کی کامیابی مشکل بنادی۔ غطفانی قبائل قریش مکہ کے اتحادی تو بن گئے تھے مگر ان میں حربی ہم آہنگی مفقود تھی، چنانچہ جب غطفانی سرداروں کو مسلمانوں کی طرف سے صلح کی پیش کش ہوئی تو وہ سالارِ قریش ابوسفیان کو اعتماد میں لیے بغیر مصالحت کے لیے نبی ﷺ کے پاس چلے آئے اگرچہ سعدینِ انصار کی مشاورت کے باعث صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ پھر نومسلم نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی کے نتیجے میں غطفانی احزاب بد دل ہو کر عملاً جنگ سے الگ ہو رہے۔ اس کے برعکس تمام مجاہدینِ اسلام کی قیادت نبی ﷺ کے ہاتھ میں تھی جس نے مسلمانوں کا مورال بلند کیے رکھا۔

سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ماہرانہ کردار

کسی جنگجو لشکر کی صفوں میں افتراق و انتشار پیدا کر دینا ایک اہم ہتھیار ہے جس کا ثمرہ مخالف فریق کو ملتا ہے۔ افتراق و انتشار دشمن کی مسلح اور جرار فوج میں وہ کام کرتا ہے جو جدید ترین اسلحہ بھی نہیں کرسکتا۔ اسی لیے نبیِ کریم ﷺ نے اپنی عسکری دانشمندی بروئے کار لاتے ہوئے سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ذریعے دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈلوا دی۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ سب سے پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے اور ان کے دل میں احزاب کے بارے میں شک کا بیج بویا، پھر قریش کو بنوقریظہ کے متعلق بھڑکایا، بعد ازاں غطفان کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے بنوقریظہ کی بدعہدی کا جھانسا دیا، نیز یہ خیال رکھا کہ ہر گروہ دوسرے گروہ کے منصوبے اور اصل حقیقت سے بے خبر رہے، اور انتہائی راز داری سے کام لیا۔ اس طرح انھوں نے یہود اور مشرکین کے درمیان شکوک وشبہات کا بیج بودیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر خیانت کا الزام لگانے لگے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور پھر بد دل ہو کر انھوں نے واپسی کی راہ لی۔

عقیدہ اور اللہ کی مدد

یہود و مشرکین کی ناکامی اور مسلمانوں کی کامیابی میں سب سے مؤثر اور بڑا ہتھیار عقیدہ تھا۔ مشرکین کسی پختہ وارفع

عقیدے کے حامل نہ تھے، انھوں نے اپنی قوت پر اعتماد کیا جبکہ مسلمانوں کو ایک اللہ پر اعتماد اور اس کی مدد پر پختہ یقین تھا، چنانچہ اللہ کی نصرت آئی اور کفار کی شکست کا سبب بن گئی۔ تند و تیز آندھی اور فرشتوں نے حملہ آوروں کے قدم اکھاڑ دیے اور وہ بھاگ نکلے۔ یوں نبیِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سُرخرو رہے۔

غزوۂ خندق پر قرآنی تبصرہ

قرآن کریم میں غزوۂ احزاب کے متعلق بھرپور تبصرہ ہے۔ قرآن کریم کا عام اسلوب یہ ہے کہ اس کا تبصرہ پند و موعظت کی زبان اور اشخاص و اقوام کے کردار و واقعات پر محیط ہوتا ہے۔ مسلمان بعد کے ادوار میں بھی مبتلائے جنگ ہو سکتے تھے۔ ان کے علاقوں پر دوبارہ چڑھائی ممکن تھی۔ یہ احتمال بھی باقی تھا کہ دشمن ایک بار پھر مل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ قرآن پاک نے اسی تناظر میں غزوۂ احزاب کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلمانوں کو خاص طور پر ان حالات و حوادث سے سبق حاصل کرنا چاہیے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جنگِ احزاب کے متعلق قرآن کریم کی آیات پر غور و فکر کرنے والا ان میں درج ذیل اسباق پائے گا:

1 اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر اپنے انعامات کا تذکرہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ○﴾

”اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔“[1]

2 احزاب کی طرف سے مدینہ منورہ کے محاصرے پر مسلمانوں کو لاحق اندیشوں کی بے مثال تصویر کشی:

﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ○﴾

”جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے حلق کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔“[2]

3 منافقین کی بری نیت، گھٹیا اخلاق، بزدلانہ رویے، جھوٹے عذر بہانے اور عہد شکنی کی نقاب کشائی کلامِ الٰہی میں

[1] الأحزاب 33:9. [2] الأحزاب 33:10.

اس طرح فرمائی گئی ہے:

﴿وَاِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا۝﴾

''اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے اور فریب ہی کا وعدہ کیا تھا۔''[1]

4 ہر زمان و مکان کے اہل ایمان کو تمام مسائل و معاملات میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لینے کی ترغیب فرمانِ الٰہی میں یوں دی گئی ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیۡرًا۝﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[2]

5 اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اچھے کردار کو سراہا ہے جس کی بدولت وہ لشکروں کا سامنا کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد پر بھی ان کی تعریف کی ہے، فرمایا:

﴿مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوۡا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیۡهِ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِیۡلًا۝﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض (اس کے) منتظر ہیں اور انھوں نے (اپنے) عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[3]

6 اللہ تعالیٰ کی ابدی و ازلی عظمت و قوت اور اس کی طرف سے اپنے مومن بندوں کی نصرت کا ذکر کر کے یہ حقیقت بھی اُجاگر کر دی گئی ہے کہ اچھا انجام مومنوں کا اور شکست ان کے دشمنوں کا مقدر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِغَیۡظِهِمۡ لَمۡ یَنَالُوۡا خَیۡرًا ؕ وَكَفَی اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیۡزًا۝﴾ (الأحزاب 25:33)

''اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پا سکے اور لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔''[4]

---

1 الأحزاب 12:33. 2 الأحزاب 21:33. 3 الأحزاب 23:33. 4 السيرة النبوية للصلابي 2/277-279.

غزوۂ خندق کے نتائج، اثرات اور اسباق

جزیرۂ نمائے عرب کی متعدد اسلام دشمن قوتیں اپنی تمام افرادی قوت اور مادی وسائل جمع کر کے بڑے جوش وخروش سے مرکزِ اسلام پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس حملے کے ساتھ انھوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ لیکن ان کی یہ متحدہ مہم جس مایوس کن ناکامی سے دوچار ہوئی، اس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ درحقیقت غزوۂ احزاب اسلام اور کفر کی آخری اہم ترین جنگ تھی، اس سے مسلمانوں نے بڑے اچھے نتائج حاصل کیے اور اس کے بہت دور رس اثرات مرتب ہوئے، مثلاً:

- مسلمانوں کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔ دشمنوں کی واپسی ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ ذلت و نامرادی سے جھلائے ہوئے تھے۔ اس شکست نے ان کی امیدوں کے قلعے پیوند خاک کر دیے اور اتنی بڑی قوت دوبارہ مجتمع کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا امکان نہ رہا۔
- حالات مسلمانوں کے حق میں خوشگوار ہو گئے۔ اب وہ اپنا دفاع کرتے رہنے کے بجائے حملہ آور قوت بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

''اب ہم ان سے قتال کریں گے، وہ ہم سے لڑنے نہیں آئیں گے، ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔''[1]

- یہود مدینہ منورہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بازاروں اور منڈیوں میں انھیں تجارتی بالادستی حاصل تھی۔ زرعی زمینیں، باغات اور نخلستان ان کی ملکیت میں تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی وجہ سے کوئی بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مسلمانوں کی بدولت اس قدر اطمینان بخش حالات کے باوجود ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کے جذبات جوش مارتے رہے۔ غزوۂ خندق میں یہودِ بنی قریظہ کا معاملہ بھی کھل کر سامنے آ گیا۔ جو کینہ وہ دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے اور مسلمانوں پر جس طرح آفات کے ٹوٹ پڑنے کے آرزومند تھے، وہ سب کچھ واضح ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے

[1] صحیح البخاري: 4110.

عہد و پیمان کوغزوۂ خندق کے بڑے نازک اور خطرناک حالات میں توڑا۔

- ان سنگین حالات میں یہود کی عہد شکنی اور خیانت کے باعث مسلمانوں کے لیے ان آستین کے سانپوں سے نپٹنا آسان ہوگیا۔ نبیِ کریم ﷺ کے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہ رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں غزوۂ بنوقریظہ میں قتل کر دیا گیا۔
- غزوۂ خندق نے مسلمانوں کے ایمان وعزم کی صداقت نمایاں کر دی اور منافقین اور یہود کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی۔
- وہ تمام معجزات جو خندق کی کھدائی کے دوران یا بعد میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعے صادر ہوئے، مثلاً: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت یا مشرکین پر اللہ کا عذاب بن جانے والی طوفانی آندھی، یہ ان کثیر معجزات کی لڑی میں سے چند ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ کریم ﷺ کی تصدیق و تائید فرمائی تاکہ ضدی اور متعصب لوگوں، منافقین ومشرکین اور دیگر دشمنانِ دین کے پاس کوئی حجت اور بہانہ باقی نہ رہے اور ان کے اسلام قبول کرنے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں، وہ سب دور ہو جائیں۔
- مشرکین و کفار اور یہود کے ظاہری اتحاد کا پول کھل گیا۔ ہرچند یہ لشکر بظاہر متحد تھے لیکن کفر وشرک کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے بارے میں شکوک وشبہات کے کانٹے اُگے ہوئے تھے۔ اس سے دنیا پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ان کا اپنے مذہب اور عقائد کے ساتھ کتنا سطحی تعلق ہے۔ ذاتی منفعت کے لالچ میں آکر اجتماعی مفاد کو قربان کر دینا ان کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ عیینہ اور حارث بن عوف کو جب اس شرط پر مدینہ کی کھجوروں کا ایک تہائی حصہ دینے کی پیشکش کی گئی کہ وہ اپنے قبائل کو لے کر واپس چلے جائیں تو انھوں نے فوراً اس پر آمادگی ظاہر کی۔ اس طرح مشرکین کے درمیان بڑی آسانی سے شدید قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔ ان کا اتحاد ﴿تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ ''آپ انھیں اکٹھا گمان کرتے ہیں جبکہ ان کے دل ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔'' کا منظر پیش کر رہا تھا۔
- رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی میں بنفسِ نفیس اپنے ساتھیوں کے شانہ بشانہ کھدائی کر کے اور مٹی ڈھو کر حکمرانوں اور رعایا کے لیے پیروی کا ابدی اور اعلیٰ نمونہ قائم فرما دیا کہ سب برابر ہیں۔ سب کے حقوق بھی برابر ہیں۔ کسی کو کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ عبودیت اور بندگی کی یہی وہ سچی رُوح ہے جو آپ ﷺ کی پیغمبرانہ شخصیت میں جلوہ نما نظر آتی ہے۔

- رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے ساتھ گہری محبت اور شفقت کی مثال قائم کر دی۔ آپ ﷺ جس طرح خندق کی کھدائی میں ان کے ساتھ شریک تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے انھیں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ضیافت میں بھی شریک کیا، حالانکہ کھانا بہت کم تھا۔ یہ نہیں کیا کہ چند ساتھیوں کو لے کر خود ہی کھانا کھا لیتے اور باقی مجاہدین بھوکے رہتے۔ انھی واقعات وحقائق کی روشنی میں اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''بلاشبہ تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا جس پر تمھاری تکلیف و مشقت بہت گراں گزرتی ہے۔ وہ تمھاری بھلائی کا بہت حریص ہے اور مومنوں پر بہت رحم اور شفقت کرنے والا ہے۔''

- جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو بروقت چند نمازیں ادا کرنے سے قاصر کر دیا تو آپ ﷺ نے غروب آفتاب کے بعد وہ نمازیں باجماعت پڑھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا باجماعت دی جا سکتی ہے۔

غزوۂ خندق کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اشعار وافکار

وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو شاعر تھے، اپنے جہادی کردار کو اشعار کے پیرائے میں بیان کرنے لگے۔ انھوں نے غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے دلیرانہ اقدام کا بڑے فصیح و بلیغ اسلوب میں اعلان واظہار کیا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَسَائِلَةٍ تُسَائِلُ مَا لَقِينَا　　وَلَوْ شَهِدَتْ أَرَتْنَا صَابِرِينَا

صَبَرْنَا لَا نَرٰى لِلّٰهِ عِدْلًا　　عَلٰى مَا نَابَنَا مُتَوَكِّلِينَا

وَكَانَ لَنَا النَّبِيُّ وَزِيرَ صِدْقٍ　　بِهٖ نَعْلُو الْبَرِيَّةَ أَجْمَعِينَا

نُقَاتِلُ مَعْشَرًا ظَلَمُوا وَعَقُّوا　　وَكَانُوا بِالْعَدَاوَةِ مُرْصِدِينَا

نُعَاجِلُهُمْ إِذَا نَهَضُوا إِلَيْنَا　　بِضَرْبٍ يُّعْجِلُ الْمُتَسَرِّعِينَا

تَرَانَا فِي فَضَافِضَ سَابِغَاتٍ　　كَغُدْرَانِ الْمَلَا مُتَسَرْبِلِينَا

وَفِي أَيْمَانِنَا بِيضٌ خِفَافٌ　　بِهَا نَشْفِي مِرَاحَ الشَّاغِبِينَا

بِبَابِ الْخَنْدَقَيْنِ كَأَنَّ أُسْدًا　　شَوَابِكُهُنَّ يَحْمِينَ الْعَرِينَا

فَوَارِسُنَا إِذَا بَكَرُوا وَرَاحُوا　　عَلَى الْأَعْدَاءِ شُوسًا مُّعْلِمِينَا

لِنَنْصُرَ أَحْمَدًا وَاللّٰهَ حَتّٰى　　نَكُونَ عِبَادَ صِدْقٍ مُّخْلِصِينَا

وَيَعْلَمَ أَهْلُ مَكَّةَ حِينَ سَارُوا　　وَأَحْزَابٌ أَتَوْا مُتَحَزِّبِينَا

بِأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ شَرِيكٌ　　وَأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَا

فَإِمَّا تَقْتُلُوا سَعْدًا سَفَاهًا　　فَإِنَّ اللّٰهَ خَيْرُ الْقَادِرِينَا

سَيُدْخِلُهٗ جِنَانًا طَيِّبَاتٍ　　تَكُونُ مُقَامَةً لِّلصَّالِحِينَا

كَمَا قَدْ رَدَّكُمْ فَلًّا شَرِيدًا　　بِغَيْظِكُمْ خَزَايَا خَائِبِينَا

خَزَايَا لَمْ تَنَالُوا ثَمَّ خَيْرًا　　وَكِدْتُّمْ أَنْ تَكُونُوا دَامِرِينَا

بِرِيحٍ عَاصِفٍ هَبَّتْ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ تَحْتَهَا مُتَكَمِّهِينَا

''بہت سی پوچھنے والیاں ہم سے پوچھتی ہیں کہ ہم کس صورتحال سے دوچار ہوئے؟ اگر وہ دیکھ لیتیں تو وہ ہمیں اس موقع پر (مقابلے میں) صابر پاتیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنی مصیبت پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ جیسی کوئی ذات نہیں۔

اور نبیِ اکرم ﷺ ہمارے حق و صداقت کے موقف میں ہمارے مددگار تھے۔ ان کی معیت میں ہم ساری مخلوق پر برتری حاصل کر لیں گے۔

ہم ان لوگوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے جو ظالم اور نافرمان ہیں اور جنھوں نے ہم سے محض عداوت کی بنا پر جنگ کی۔

جب وہ ہماری طرف آئیں گے تو ہم ان کا بندوبست ایسی تلواروں سے کریں گے جو جلد بازوں پر نہایت تیزی سے چلیں گی۔

تم ہمیں میدانوں کے تالابوں جیسی کھلی اور کشادہ زرہوں میں ملبوس دیکھ رہے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تیز دھار تلواریں تھیں جن سے ہم ان بھڑکنے والوں کا علاج کر رہے تھے۔

خندقوں کے دروازے پر ہمارے مجاہدین شیر کے مانند تھے جن کی بڑی تعداد کچھاروں کی حفاظت کرتی ہے۔

ہمارے شہسوار صبح یا شام کو دشمن کے مقابلے میں جاتے ہیں تو ایسی جرأت و قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ مڑ کر دیکھنے کے بجائے ترچھی اور تیز نگاہوں سے انھیں گھورتے ہیں۔

ہم جنگ اس لیے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ کی نصرت و حمایت کریں، کیونکہ اسی کے نتیجے میں ہم اللہ کے سچے اور مخلص بندے بن سکیں گے۔

اور اس لیے بھی کہ اہل مکہ اور وہ گروہ جو اکٹھے ہو کر چڑھ دوڑے تھے، بھاگتے وقت جان جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومنوں کا دوست ہے۔

ہر چند تم نے اپنی حماقت سے سعد رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ تو سب پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت جلد سعد رضی اللہ عنہ کو پاکیزہ باغات میں جگہ دے گا، وہ جگہ اللہ کے نیک بندوں کی اقامت گاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں شکست دے کر اُلٹے پاؤں بھگا دیا۔ تم غصے کے مارے ہونٹ چباتے ذلیل و خوار اور نامراد ہو کر واپس گئے۔

تمھارے لیے یہی رسوائی بہت ہے کہ تمھیں یہاں سے کچھ ہاتھ نہ آیا بلکہ قریب تھا کہ تم ایسی طوفانی ہوا کے ذریعے سے نیست و نابود ہو جاتے جو تم پر چلی تھی۔ اس ہوا نے تمھیں اوندھے منہ پچھاڑ کر رکھ دیا تھا۔''[1]

اسی طرح مشرکین کے ایک نامور شاعر عبداللہ بن زِبعریٰ نے اپنے بھاری لشکر کی توصیف و ستائش اور خندق کی مذمت میں اشعار کہے تو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب دیتے ہوئے اپنے طویل قصیدے میں فرمایا:

وَمَوَاعِظٌ مِنْ رَّبِّنَا نُهْدٰى بِهَا　　　بِلِسَانِ أَزْهَرَ طَيِّبِ الْأَثْوَابِ

عُرِضَتْ عَلَيْنَا فَاشْتَهَيْنَا ذِكْرَهَا　　　مِنْ بَعْدِ مَا عُرِضَتْ عَلَى الْأَحْزَابِ

حِكَمًا يَّرَاهَا الْمُجْرِمُونَ بِزَعْمِهِمْ　　　حَرَجًا وَّيَفْهَمُهَا ذَوُو الْأَلْبَابِ

جَاءَتْ سَخِينَةُ كَيْ تُغَالِبَ رَبَّهَا　　　فَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

''اور ہمیں اپنے رب کی جانب سے (رسول اللہ ﷺ کی صورت میں) نہایت پاکیزہ زبان عطا ہوئی جو بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیتی ہے۔

احزاب کو بھی یہ نصیحتیں کی گئی تھیں لیکن انھوں نے عمل نہیں کیا۔ ہمیں نصیحت کی گئی تو ہم نے اسے بڑے شوق سے یاد رکھا۔

ہمیں ایسے احکام ملے جنھیں کم عقل لوگ مشکل اور ناقابلِ عمل سمجھتے تھے لیکن اہلِ دانش انھیں صحیح اور قابل عمل سمجھتے تھے۔

قریش کی غصے میں جھلّائی ہوئی جماعت اس نیت سے آئی تھی کہ اپنے ہی رب پر غالب آئے گی لیکن انھیں اندازہ ہی نہیں کہ سب پر غالب آنے والے کا جو بھی مقابلہ کرتا ہے، وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔''

کعب رضی اللہ عنہ کے لیے ربانی قدردانی

ابن ہشام رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک قابل اعتماد شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالملک بن یحییٰ بن عباد بن عبداللہ نے کہا کہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے جب یہ آخری شعر پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ شَكَرَكَ اللّٰهُ يَا كَعْبُ! عَلٰى قَوْلِكَ هٰذَا»

''اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اس شعر کی بڑی قدردانی فرمائی ہے۔''[2]

[1] السيرة لابن هشام: 268,267/3. [2] السيرة لابن هشام: 273,272/3.

غزوۂ بنو قریظہ

غزوۂ احزاب کے موقع پر بنو قریظہ نے مشرکوں سے سازباز کی اور میثاق مدینہ توڑ دیا تھا، چنانچہ دو ہفتے کے محاصرے کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے کرتوتوں کی عبرتناک سزا پائی۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا

”اور اس (اللہ) نے اہل کتاب کو، جنھوں نے ان (احزاب) کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کرتے تھے۔“ (الأحزاب 26:33)

اس باب میں

اسلام دشمنی، عہد شکنی، جھوٹ، فریب کاری، سود خوری اور پیسے کی ہوس یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ انھی ناپاک خواہشات کی تکمیل کے لیے بنوقریظہ کے یہود نے احزاب کا ساتھ دیا اور بڑی ڈھٹائی سے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کا اعلان کر دیا۔ معرکۂ خندق کے فوری بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ نبیِ کریم ﷺ نے اپنے جانبازوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کرلیا۔ جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو ان کے سردار نے اپنی قوم کو تین تجاویز دیں: ان میں پہلی تجویز یہ تھی کہ اسلام قبول کرلیں۔ لیکن ذلت و رسوائی ان کی تقدیر میں تھی۔ انھوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے غداری کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی غداری کی عبرتناک سزا دی۔ طویل محاصرے کے بعد ان کے جنگجو قتل کر دیے گئے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قیدی بنا لیے گئے۔ اگلے اوراق میں اس غزوے کی تمام تفصیلات جزئیات سمیت سمٹ آئی ہیں۔

بنوقریظہ کا عبرت ناک انجام

بنوقریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا مفصل تذکرہ غزوۂ احزاب میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد کے ذریعے سے احزاب کے منصوبوں کو خاک میں ملادیا۔ تقدیرِ الٰہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات دے دی، قریش وغطفان اپنے جنگجو بہادروں کو لے کر پسپا ہو گئے تو اب بنوقریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چُگ گئیں کھیت'' والا محاورہ ان پر مکمل منطبق ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت اپنے نبی ﷺ کو ان دشمنانِ اسلام پر مسلط کر دیا اور ان کی ساری قوت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

غزوے کا سبب اور تاریخ

حیی بن اخطب کا مسلسل اصرار بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کے انکار پر غالب آ گیا تھا۔ اس نے عہد شکنی کا اعلان کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کی تصدیق کے لیے بھیجا، پھر ان کے بعد بنوقریظہ کے حلیف اور اوس قبیلہ کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا تاکہ وہ اس خبر کی تحقیق کریں اور بنوقریظہ کو نصیحت کریں۔ اس وفد نے بنوقریظہ کی غداری کا یقین کر لیا تو انھیں نصیحت کی، سمجھایا بجھایا لیکن انھوں نے بڑی ڈھٹائی سے غداری کا اعلان کیا اور کہا: کون محمد (ﷺ)؟ ہم نہیں جانتے کسی کو اور نہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ ہے۔ چونکہ یہ غداری اور خیانت انتہائی نازک موقع پر کی گئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو غزوۂ خندق سے واپس آتے ہی بنوقریظہ پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا جبکہ مسلمان ابھی ہتھیار اتار کر آرام کرنے کا سوچ ہی رہے تھے۔ چنانچہ بنوقریظہ کی غداری اور عہد شکنی ہی اس غزوے کا سبب بنی۔

یہ غزوہ ذوالقعدہ کے آخر اور ذوالحجہ 5 ہجری کے شروع میں پیش آیا جیسا کہ واقدی نے لکھا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ 23 ذوالقعدہ کو بدھ کے روز بنوقریظہ کی طرف نکلے اور ان کا پندرہ روز تک محاصرہ کیا، پھر آپ بروز جمعرات 8 ذوالحجہ 5 ہجری کو واپس تشریف لائے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 3/2.

یہودی عورت کا خواب

جب احزاب کے لشکر خائب و خاسر ہو کر واپس چلے گئے تو بنو قریظہ کو شدید خوف نے گھیر لیا اور انھوں نے کہا: اب محمد (ﷺ) ہم پر چڑھائی کر دیں گے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو ابھی ان کے ساتھ لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے گھر پہنچ کر اسلحہ اتارا اور غسل کیا، پھر عود کی دھونی لی اور نمازِ ظہر ادا کی۔ اس اثنا میں جبریل علیہ السلام بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی کا حکم نامہ لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔

بنو قریظہ کے نامی گرامی یہودی نباش بن قیس کی بیوی نے ایک رات خواب دیکھا، اس وقت مسلمان خندق کے محاصرے کی تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ اس یہودی عورت نے اپنا خواب بیان کیا: میں نے خندق کو دیکھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا، پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ہماری طرف رخ کر لیا ہے جبکہ ہم اپنے قلعوں ہی میں ہیں اور ہمیں اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے بھیڑ بکریوں کو ذبح کیا جاتا ہے، پھر میں نیند سے بیدار ہوئی اور اپنے خاوند کو یہ خواب سنایا۔ وہ فوراً زبیر بن باطا کے پاس گیا اور اسے خواب سنایا۔ زبیر نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے، اس کی آنکھ میں نیند نہ آئے۔ تورات کی قسم! (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) قریش پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے اور محمد (ﷺ) ہمارا محاصرہ کر لیں گے اور محاصرے کے بعد ہمیں اس سے بھی سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔[1]

جبریل علیہ السلام کی آمد

مسجد عائشہ، روٹر سٹریٹ، والسال (انگلستان)

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے فارغ ہوئے۔ آپ اسی دن ظہر کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں غسل فرما رہے تھے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس ریشم کا عمامہ لپیٹے ہوئے خچر پر پالان رکھے ہوئے آئے جس پر دیباج کی چادر چڑھی ہوئی تھی اور کہنے لگے:

أَوَقَدْ وَضَعْتَ السِّلَاحَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «نَعَمْ» فَقَالَ جِبْرِيلُ: فَمَا وَضَعَتِ الْمَلَائِكَةُ السِّلَاحَ بَعْدُ، وَمَا رَجَعْتُ الْآنَ إِلَّا مِنْ طَلَبِ الْقَوْمِ. إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَأْمُرُكَ يَا مُحَمَّدُ! بِالْمَسِيرِ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ، فَإِنِّي عَامِدٌ إِلَيْهِمْ فَمُزَلْزِلٌ بِهِمْ.

---

1 المغازي للواقدي :3/2.

''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' جبریل (علیہ السلام) نے کہا: فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے اور میں بھی قریش کا تعاقب کر کے ہی واپس چلا آ رہا ہوں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنوقریظہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں بھی آگے آگے جا رہا ہوں، ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ خندق سے واپس آئے تو آپ ﷺ میرے پاس تھے۔ ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نمودار ہوا، اس نے سلام کیا۔ آپ ﷺ گھبرا کر اٹھے۔ آپ کے پیچھے میں بھی کھڑی ہوگئی۔ دیکھا تو وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ أَمَرَنِي أَنْ أَذْهَبَ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ وَقَالَ : قَدْ وَضَعْتُمُ السِّلَاحَ لٰكِنَّا لَمْ نَضَعْ، طَلَبْنَا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى بَلَغْنَا حَمْرَاءَ الْأَسَدِ»

''یہ جبریل تھے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنوقریظہ کی طرف جاؤں اور یہ بھی کہا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیے ہیں لیکن ہم (فرشتوں) نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ ہم مشرکین کا تعاقب کرتے ہوئے انھیں حمراء الاسد تک چھوڑ آئے ہیں۔''[2]

حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے احزاب کو شکست دی تو بنوقریظہ قلعہ بند ہوگئے۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے جلو میں آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اٹھیں اور بنوقریظہ کا حساب چکائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ فِي أَصْحَابِي جُهْدًا فَلَوْ أَنْظَرْتَهُمْ أَيَّامًا، قَالَ : يَقُولُ جِبْرِيلُ عليه السلام : اِنْهَدْ إِلَيْهِمْ لَأَدْخُلَنَّ

[1] السيرة لابن هشام :244/3. [2] البداية والنهاية :120,119/4.

جبل حمراء الأسد کا ایک منظر

فَرَسِي هٰذَا عَلَيْهِمْ فِي حُصُونِهِمْ ثُمَّ لَأُضَعْضِعَنَّهَا، قَالَ : فَأَدْبَرَ جِبْرِيلُ عليه السلام وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ حَتّٰى سَطَعَ الْغُبَارُ فِي زِقَاقِ بَنِي غَنْمٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ»

''بلاشبہ میرے صحابہ خاصے تھکن کا شکار ہیں، آپ کچھ دن مہلت دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہنے لگے: آپ ان کی طرف جائیے، میں اپنا گھوڑا ان کے قلعوں میں داخل کردوں گا، پھر میں انھیں توڑ کر رکھ دوں گا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام اپنے ہمراہ فرشتوں کو لے کر چلے گئے یہاں تک کہ انصار کے قبیلہ بنوغنم کی گلیوں میں غبار اڑنے لگا۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں لشکر کشی کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے منادی کو بلایا، اس نے لوگوں میں اعلان کردیا:

مَنْ كَانَ سَامِعًا مُّطِيعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ إِلَّا بِبَنِي قُرَيْظَةَ.

''جو کوئی سننے والا اور فرمانبردار ہے، وہ عصر کی نماز بنوقریظہ میں جا کر پڑھے۔''[2]

مسجد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کرمانشاہ

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جس روز رسول اللہ ﷺ احزاب سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ہمارے اندر یہ اعلان فرمایا:

«أَنْ لَّا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»

''ہر شخص ظہر کی نماز بنوقریظہ میں پڑھے۔''

لوگوں نے جب نماز کا وقت نکل جانے کا خدشہ محسوس کیا تو کچھ لوگوں نے بنوقریظہ میں پہنچنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لی اور ایک گروہ نے کہا: ہم وہیں جا کر نماز پڑھیں گے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اگرچہ نماز کا وقت نکل ہی کیوں نہ جائے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی کو سرزنش نہ کی۔[3]

---

1 الطبقات لابن سعد : 77/2، فتح الباري : 510/7، صحيح البخاري : 4118. 2 السيرة لابن هشام:245,244/3.
3 صحيح مسلم:1770.

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ احزاب (کی پسپائی) کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»

''ہر ایک شخص بنو قریظہ میں جا کر نمازِ عصر پڑھے۔''

راستے میں نماز کا وقت ہوگیا تو بعض نے کہا: ہم وہاں پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے اور بعض نے کہا: ہم ابھی نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کا مقصود یہ نہ تھا (بلکہ مقصد جلد از جلد بنو قریظہ میں پہنچنا تھا)۔ جب یہ بات نبی ﷺ کے گوش گزار کی گئی تو آپ ﷺ نے کسی کو کچھ نہ کہا۔[1]

شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحیح مسلم اور مسند ابویعلیٰ وغیرہ میں ظہر کی نماز کا حکم ہے جبکہ صحیح بخاری اور اہل مغازی میں یہ متفقہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز کا حکم دیا تھا اور یہی راجح ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی اور بیہقی کے حوالے سے سیدنا عبیداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب سے لوٹے، اسلحہ اتارا اور غسل کرنے کے بعد بخور کی دھونی لے رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور کہا: عَذِيرَكَ مِنْ مُحَارِبٍ؟ ''کوئی ہے جو آپ کی طرف سے یہودیوں سے نپٹے بغیر آرام کرنے کا عذر پیش کرے؟'' یعنی آپ کے لیے بنو قریظہ پر چڑھائی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، چنانچہ آپ ﷺ گھبرا کر اٹھے اور لوگوں کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں جا کر پڑھیں۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسلحہ پہنا اور وہ ابھی بنو قریظہ نہیں پہنچے تھے کہ سورج غروب ہوگیا۔ غروب آفتاب کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ادائے نماز کے حوالے سے اختلاف ہوگیا، ایک جماعت نے عصر کی نماز پڑھ لی اور ایک جماعت نے نماز نہ پڑھی، انھوں نے کہا: ہم اللہ کے رسول ﷺ کے تاکیدی حکم کی تعمیل کریں گے، ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ آپ ﷺ نے کسی کو بھی سرزنش نہ کی۔

بیہقی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طویل روایت میں بھی اسی طرح بیان ہوا ہے۔ اس میں ہے کہ ایک گروہ نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے ایمان کی حالت میں ثواب کی امید کرتے ہوئے نماز (راستے میں) نہ پڑھی۔

یہ روایات بھی صحیح بخاری کی روایت کی تائید کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس نماز کو بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا، وہ عصر کی نماز تھی۔[3]

[1] صحيح البخاري: 4119. [2] منة المنعم في شرح صحيح مسلم: 196/3. [3] فتح الباري: 510/7.

بعدازاں حافظ ابن حجر اور امام نووی نے دونوں روایتوں میں تطبیق ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ میں نماز ادا کرنے کا حکم ظہر کے بعد صادر فرمایا تھا۔ بعض لوگوں نے مدینہ میں ظہر کی نماز پڑھ لی تھی اور بعض نے ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، چنانچہ جن لوگوں نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی، انھیں حکم دیا کہ وہ ظہر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں اور جن لوگوں نے ظہر پڑھ لی تھی، انھیں عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا۔[1] واللہ اعلم

بنو قریظہ کی طرف سفر

مسجد سیدنا علی (الجیریا)

خندق سے واپسی کے بعد ابھی تک جھنڈا بھی نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ آپ ﷺ نے زرہ اور خود پہنی، نیزہ اپنے ہاتھ میں پکڑا، ڈھال اٹھائی اور صحابہ کے درمیان اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ کا حکم سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسلحہ پہن لیا۔ جن کے پاس گھوڑے تھے، وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ باقی پیدل چل پڑے۔ اس دن مسلمانوں کے پاس چھتیس گھوڑے تھے۔ تین ہزار[2] کے لشکر نے بنو قریظہ کا رخ کیا۔[3]

اسلامی لشکر کے شہسوار

رسول اللہ ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے۔ ایک پر آپ سوار تھے جس کا نام لُحَیف تھا اور دو ویسے ساتھ لیے۔

علاوہ ازیں سیدنا علی اور مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہما کے پاس بھی گھوڑے تھے۔

بنو عبد مناف میں سے سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سیدنا عکاشہ بن محصن، سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم شہسوار تھے۔

بنو زہرہ میں سے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے پاس گھوڑے تھے۔

بنو تیم سے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما شہسوار تھے۔

---

[1] فتح الباري: 510/7، شرح النووي على صحيح مسلم: 140,139/12. [2] اسلامی لشکر کی تعداد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مفصل بحث غزوۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔ [3] إمتاع الأسماع: 245/1، المغازي للواقدي: 4/2.

بنوعدی سے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گھڑ سوار تھے۔

بنو عامر بن لؤی سے سیدنا عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

بنو فہر سے سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔

اوس سے سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اُسید بن حضیر، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا ابونائلہ اور سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہم کے پاس گھوڑے تھے۔

بنوظفر میں سے سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ شہسوار تھے۔

بنوعمرو بن عوف سے سیدنا عُوَیم بن ساعدہ، سیدنا معن بن عدی، سیدنا ثابت بن اقرم اور سیدنا عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہم شہسوار تھے۔

بنوسلمہ سے سیدنا حباب بن منذر، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہم تھے۔

بنو مالک بن نجار سے سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ تھے۔

بنوزریق سے سیدنا رقاد بن لبید، سیدنا فروہ بن عمرو، سیدنا ابوعیاش اور سیدنا معاذ بن رفاعہ رضی اللہ عنہم تھے۔

بنوساعدہ سے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

مدینے کا نائب امیر

بنوقریظہ کی منازل مدینہ سے جنوب مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر تھیں۔ بنوقریظہ کے معاملے سے فراغت پانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نیابت کی ذمہ داری سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پر ڈالی۔[2] وہ نابینا صحابی تھے۔

جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی شکل میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ شہسوار اور پیادہ لشکر آپ کے اردگرد تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صورَین نامی جگہ پر بنونجار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ صفیں بنائے ہوئے اسلحہ سے لیس کھڑے تھے۔ ان میں سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا:

«هَلْ مَرَّ بِكُمْ أَحَدٌ؟»

”کیا تمھارے پاس سے کوئی گزرا ہے؟“

انھوں نے کہا: ہاں، دحیہ کلبی گزرے ہیں، وہ اپنے سفید خچر پر تھے، جس پر پالان کسا ہوا تھا، انھوں نے ریشم کی

[1] المغازي للواقدي :4/2. [2] السيرة لابن هشام :245/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :632/1.

چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ انھوں نے ہمیں ہتھیار بند ہونے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے اسلحہ تھام کر صفیں بنالی ہیں اور ہمیں مزید کہہ گئے ہیں کہ ابھی اللہ کے رسول ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذٰلِكَ جِبْرِيلُ، بُعِثَ إِلٰى بَنِي قُرَيْظَةَ يُزَلْزِلُ بِهِمْ حُصُونَهُمْ وَيَقْذِفُ الرُّعْبَ فِي قُلُوبِهِمْ»

''یہ جبریل علیہ السلام تھے، انھیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ وہ ان کے قلعوں میں ہلچل مچا دیں اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں۔''[1]

اسلامی لشکر کا ہراول دستہ بنو قریظہ میں

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کے ہراول دستے کی کمان کرتے ہوئے بنو قریظہ کے قلعے تک پہنچ گئے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی اسی ہراول دستے میں شامل تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں دیکھ کر یہود کو یقین ہوگیا کہ اب جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلعے کی دیوار کے پاس جھنڈا گاڑ دیا۔ یہودی مرد اور عورتیں اپنے قلعے میں بند ہوگئے اور چھتوں پر چڑھ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگے۔ ہم خاموش ہوگئے اور کہا: اب تلوار ہی ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے گی۔

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ان کی اس بھونڈی حرکت پر غضبناک ہوگئے اور انھوں نے کہا:

يَا أَعْدَاءَ اللّٰهِ! لَا نَبْرَحُ حِصْنَكُمْ حَتّٰى تَمُوتُوا جُوعًا.

''اے اللہ کے دشمنو! ہم تمھارے قلعے کا محاصرہ کیے رکھیں گے یہاں تک کہ تم بھوکے مر جاؤ گے۔''

یہود نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیتے ہوئے کہا: اے حضیر کے بیٹے! ہم تمھارے دوست ہیں۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئے تھے۔ لیکن سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے اور تمھارے درمیان کوئی تعلق اور معاہدہ نہیں، سب تعلقات منقطع ہوگئے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا بنو قریظہ میں پڑاؤ

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ

[1] السيرة لابن هشام :245/3، المغازي للواقدي :5/2. [2] فتح الباري :516/7، السيرة لابن هشام :245/3، المغازي للواقدي : 5/2.

غزوہ بنو قریظہ (5ھ)
نبی ﷺ کا ورود
مسلمانوں کا دھاوا
جبل ثور
جبل احد
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
خندق
وادی قناة
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
وادی عقیق
جبل ذباب
جبل بنی عبید
اسلامی قیادت
مدینہ منورہ
مسجد نبوی
بنو حارثہ بن حارث
بنو نجار
البقیع
جبل سلع
مذاد
وادی بطحان
السنح
بنو واقف
بنو زریق
وادی مہزور
بنو قریظہ
بنو بیاضہ
بنو حبلی
قواقلہ
وادی مذینب
بنو عوف بن خزرج
بنو نضیر کا سابقہ مسکن
چشمہ ازرق
اطم الضحیان
بنو عوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
بنو انیف
وادی رانوناء
جبل عیر
ذوالحلیفہ
(آبار علی)

بنوقریظہ میں پہنچے اور ان کے ایک کنویں بئر اُنا کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ ابن ہشام نے اس کنویں کا نام بئر انّیٰ ذکر کیا ہے۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں آپ ﷺ کے ساتھ آ ملے۔ کچھ لوگ عشاء کی نماز کے بعد پہنچے۔ بہت سارے لوگوں نے آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ انھوں نے بنوقریظہ میں پہنچ کر عشاء کے بعد عصر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نے ان کے اس فعل پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور نہ ان کی گوشمالی کی۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو فوراً آپ کی طرف آئے اور اسلامی کمان کا پرچم میرے سپرد کر گئے اور مجھے تاکید کی کہ میں پرچم کو تھامے رکھوں کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ یہود کی بدزبانی سنیں۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کو ان خبیث لوگوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِمَ؟ أَظُنُّكَ سَمِعْتَ مِنْهُمْ لِي أَذًى؟» قَالَ: نَعَمْ، يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «لَوْرَأَوْنِي لَم يَقُولُوا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا»

''کیوں؟ میرا خیال ہے کہ تم نے ان سے میرے متعلق کوئی تکلیف دہ باتیں سنی ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مجھے دیکھ لیں گے تو ایسا کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔''

بنوقریظہ کا محاصرہ

جب رسول اللہ ﷺ بنوقریظہ کے قلعے کے پاس گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے لیا، پھر آپ ﷺ نے انھیں بلند آواز سے پکارا:

«يَا إِخْوَةَ الْقِرَدَةِ وَالْخَنَازِيرِ وَعَبَدَةَ الطَّوَاغِيتِ! أَتَشْتُمُونِي؟ هَلْ أَخْزَاكُمُ اللّٰهُ وَأَنْزَلَ بِكُمْ نِقْمَتَهُ؟»

''اے بندروں اور سؤروں جیسے لوگو! اے طاغوت کے پجاریو! کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں رسوا کیا اور تم پر اپنا عذاب نازل کیا؟''

یہودیوں نے آپ ﷺ کی آواز سن کر کہا:

يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَاكُنْتَ جَهُولًا.

''اے ابوالقاسم! آپ ناواقف نہیں ہیں۔''

اور تورات کی قسمیں کھا کر یقین دلانے لگے کہ انھوں نے آپ کے خلاف زبان درازی نہیں کی۔
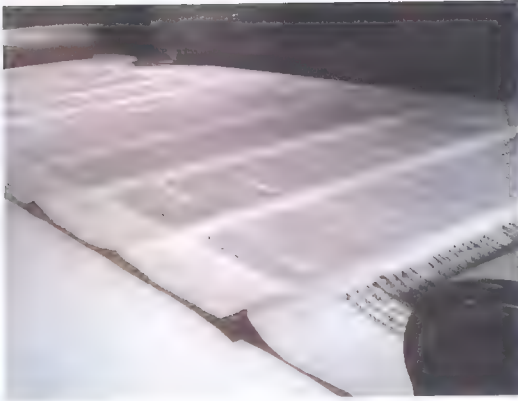
تورات کا 400 سال قدیم عبرانی نسخہ

اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا:

يَا أَبَا الْقَاسِمِ! لَمْ تَكُ فَحَّاشًا.

''اے ابوالقاسم! آپ ترش زبان نہیں تھے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ اسی دوران میں آپ ﷺ تیر اندازوں کے پاس تشریف لائے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا:

«يَا سَعْدُ! تَقَدَّمْ فَارْمِهِمْ»

''سعد! آگے بڑھو اور ان پر تیر برساؤ۔''

فَتَقَدَّمْتُ حَيْثُ تَبْلُغُهُمْ نَبْلِي.

''میں وہاں تک آگے بڑھا جہاں سے میرا تیر ان تک پہنچ سکتا تھا۔''

میرے ساتھ پچاس سے زیادہ تیر انداز تھے۔ ہم نے کچھ دیر ان پر مسلسل تیروں کی بارش برسائی۔ ہمارے تیر ان پر ٹڈی دل کے مانند چھاؤں کیے ہوئے تھے۔ وہ چھپ گئے۔ اب ان میں سے کوئی بھی جھانک نہیں رہا تھا۔ ہمیں تیروں کا خطرہ پڑ گیا، کہیں یہ ختم ہی نہ ہو جائیں، پھر ہم نے وقفے وقفے سے تیر مارنے شروع کر دیے۔

کعب بن عمرو مازنی بھی تیر انداز تھے، کہتے ہیں: اس دن میں نے اپنے ترکش کے سارے تیر چلا دیے حتی کہ رات کا کافی حصہ گزر گیا، تب جا کر ہم نے ان پر تیر برسانے بند کیے، پھر انھوں نے بھی ہم پر تیر چلائے۔ آپ ﷺ اپنے گھوڑے پر اسلحہ بند کھڑے تھے۔ گھڑ سواروں کا دستہ آپ کے ارد گرد تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے پڑاؤ میں چلے جائیں۔ ہم اپنے معسکر میں واپس آئے۔ رات گزاری اور کھانا کھایا۔ ہمارا کھانا کھجوریں تھیں جو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجی تھیں۔ آپ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کھجوروں میں سے تناول فرما رہے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«نِعْمَ الطَّعَامُ التَّمْرُ»

''کھجور بہترین کھانا ہے۔''

پھر اگلے دن تڑکے ہی ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے آگے تیر اندازوں کو کیا، ان کے

دوسرے صحابہ کو ترتیب سے کھڑا کیا۔ بعد ازاں بنو قریظہ کے قلعوں کا ہر جانب سے محاصرہ کرلیا۔ مسلمان ان پر مسلسل تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ ایک دستہ تھک جاتا تو اس کی جگہ تازہ دم فوج آجاتی۔ آپ ﷺ بھی ان پر تیر چلا رہے تھے حتی کہ یہود کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔[1]

بنو قریظہ کی ہٹ دھرمی

بنو قریظہ کے ایک عقلمند یہودی عمرو بن سُعدیٰ نے احزاب کی واپسی کے بعد اپنی قوم کو اکٹھا کیا اور ان میں کھڑے ہو کر خطاب کیا کہ اے میری قوم! میں نے عبرت کی باتیں دیکھی ہیں۔ میں نے اپنے بھائیوں بنو نضیر کو بے گھر ہوتے دیکھا ہے، انھوں نے اپنے اموال و جائیداد کو چھوڑ دیا جس پر غیروں نے قبضہ کرلیا اور وہ خود ذلیل ہو کر نکلے۔

پھر اس نے علمائے تورات کی طرح تاکید کرتے ہوئے کہا: جو محمد (ﷺ) سے دشمنی کرے گا، اس کا انجام ناکامی ہوگا۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! یہ نبی اس قوم پر مسلط ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہوگی۔ اس نبی نے بنو قینقاع پر حملہ کیا، حالانکہ وہ بڑی قوت والے، تیاری اور اسلحہ والے تھے۔ اس نے انھیں قید کرلیا حتی کہ ان میں سے ایک آدمی نے بھی سر نہ نکالا۔ ان کے بارے میں بات چیت ہوئی تو اس نبی نے انھیں یثرب سے جلاوطن کر کے چھوڑا۔ پھر عمرو بن سُعدیٰ نے اپنی قوم کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ اسلام قبول کر کے اپنا خون محفوظ کرلیں اور حق کی پیروی کریں۔ اس نے کہا: اے لوگو! جو تمھیں دیکھنا تھا دیکھ لیا، میری مانو تو آؤ محمد (ﷺ) کی پیروی کریں۔ اللہ کی قسم! تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ نبی ہے، ہمارے علماء نے ہمیں ان کی بشارت دی ہے۔ پھر ابن سُعدیٰ مسلسل انھیں قید اور جنگ سے ڈراتا رہا اور اس نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس جا کر کہا: تورات کی قسم جو طورِ سیناء کے روز موسیٰ پر نازل کی

[1] المغازي للواقدي: 6/2، السيرة لابن هشام: 246,245/3، دلائل النبوة للبيهقي: 10,9/4.

گئی! بلاشبہ اسلام قبول کر لینے میں عزت و شرف ہے۔ لیکن بنو قریظہ نے عمرو بن سُعدیٰ کی بات پر کان نہ دھرے۔
عمرو بن سُعدیٰ نے اپنی قوم کو بچانے کے لیے آخری تجویز پیش کی کہ اگر تم اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو نہ ہو، تم یہودیت ہی پر قائم رہو اور جزیہ ادا کرو۔ اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ وہ (محمد ﷺ) اسے بھی قبول کرے گا یا نہیں؟ لیکن بنو قریظہ کے دماغوں میں ابھی نخوت و تکبر کا بھوسہ بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے اس عقلمند یہودی کی بات رد کرتے ہوئے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور کہا: ہم عربوں کو کبھی جزیہ نہیں دیں گے۔ اس سے تو قتل ہو جانا ہی بہتر ہے۔[1]

عمرو بن سُعدیٰ کی نجات

جب بنو قریظہ نے اپنے خیر خواہ ساتھی عمرو بن سعدیٰ کو متکبرانہ جواب دیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی بے وقوف قوم کا فساد اسے موت تک لے جائے گا، چنانچہ اس نے اپنی قوم سے براءت کا اعلان کر دیا اور رات کی تاریکی میں بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا اور اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ گیا۔ وہ جب اپنی قوم کو چھوڑ کر جا رہا تھا تو اسلامی لشکر کے پہریداروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ پہرے دار اسے پکڑ کر اپنے کمانڈر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بتایا کہ میں عمرو بن سُعدیٰ ہوں۔ چونکہ اس یہودی کے شریفانہ موقف کی اطلاع اسلامی لشکر کو مل چکی تھی، اس لیے محافظ دستے کے سالار نے اسے آزاد کرنے کا حکم دے دیا تاکہ وہ جدھر جانا چاہے جا سکے کیونکہ اس نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کیا تھا جس بنا پر اسے قتل یا قید کیا جائے۔ وہ اپنے عہد پر قائم تھا اور عہد شکنی اور غداری میں بنو قریظہ کے ساتھ شامل نہیں تھا۔ محافظ دستے نے اسے آزاد کر دیا، حالانکہ وہ اپنی قوم بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا تھا اور وہ ہمیشہ یہودیت پر قائم رہا۔

مسلمانوں نے عمرو بن سعدیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ بنو قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ وہ یہودی ہیں اور وہ اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے عہد شکنی کی تھی اور انتہائی نازک موڑ پر غداری کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کی مصیبت میں اضافہ کیا تھا جس کی سزا ساری دنیا کے قوانین میں موت ہے۔[2]

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اس رات عمرو بن سعدیٰ قرظی بنو قریظہ کے قلعوں سے نکلا اور نبی کریم ﷺ کے محافظ دستے کے پاس سے گزرا۔ اس رات محافظ دستے کے نگران سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب انھوں نے اسے دیکھا تو پوچھا: کون ہو؟ اس نے جواب دیا: میں عمرو بن سعدیٰ ہوں۔ اس نے بنو قریظہ کے ساتھ مل کر

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :640/1. [2] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :641/1.

رسول اللہ ﷺ سے عہد شکنی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس نے کہا تھا: میں محمد (ﷺ) سے کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسے پہچان کر دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَحْرِمْنِي إِقَالَةَ عَثَرَاتِ الْكِرَامِ.

''اے اللہ! مجھے معزز لوگوں کی غلطیاں معاف کرنے سے محروم نہ کرنا۔''

پھر انھوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ سیدھا چلا گیا اور رات مسجد نبوی میں گزاری، پھر صبح کو وہ کہیں چلا گیا اور آج تک پتہ نہیں چلا کہ وہ کدھر گیا۔[1]

زبانِ رسالت سے ابن سُعدیٰ کی تعریف

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ابن سُعدیٰ کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ رَجُلٌ نَجَّاهُ اللّٰهُ بِوَفَائِهِ»

''اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کی وفاداری کی وجہ سے نجات دی ہے۔''[2]

محاصرے کی سختی

بنوقریظہ مسلسل اپنی بے راہروی پر قائم رہے اور ان کے خون کو بچانے کے لیے عمرو بن سُعدیٰ نے جو تجاویز پیش کیں، انھوں نے ان سب کو رد کر دیا اور وہ لڑائی اور مقابلے کا پختہ ارادہ کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعے کے اردگرد محاصرہ سخت کر دیا اور ہر جانب سے ان کا گھیراؤ کرنے لگے۔ اسلامی لشکر نے یہودیوں اور بیرونی لوگوں کا باہمی رابطہ بالکل منقطع کر دیا اور ان کے کھیت اور کھجوریں جو قلعے سے باہر تھیں، ان پر قبضہ کر لیا۔

شروع شروع میں یہودیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن جب محاصرے کو بیس راتیں گزر گئیں تو یہودیوں کے دلوں میں کمزوری اور بے چینی نے گھر کر لیا۔ محاصرے کی تنگی سے انھیں یقین ہو گیا کہ مسلمان اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک وہ (یہود) اطاعت قبول نہ کر لیں یا مسلمان ان کے قلعوں میں داخل ہو کر تلوار کی نوک پر انھیں فتح نہ کر لیں۔ اگرچہ ان کے پاس پانی، خوراک، اسلحہ اور مضبوط قلعوں کی وافر طاقت تھی جو طویل عرصے تک مقابلے میں ان کی مدد کر سکتی تھی مگر ان کے دل رعب، خوف اور گھبراہٹ سے بھر گئے اور ان کے قویٰ جواب دے گئے اور وہ ایسے طریقے پر غور و فکر کرنے لگے جس کے ذریعے سے ان کے خون محفوظ ہو سکیں۔[3]

---

[1] البداية والنهاية: 123/4. [2] البداية والنهاية: 123/4. [3] موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 643,642/1.

محاصرے کی مدت

نبی کریم ﷺ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کتنے دن کیا، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد نے پندرہ دن، سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے چودہ دن، موسیٰ بن عقبہ نے دس سے زائد دن ذکر کیے ہیں جبکہ ابن اسحاق نے پچیس دن بتائے ہیں اور یہی بات راجح ہے۔ مسند احمد میں بھی پچیس دنوں کا ذکر ہے۔[1]

بنوقریظہ کی طرف سے مذاکرات کی اپیل

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بنو قریظہ کا محاصرہ بہت سخت کر دیا۔ ایک دن ہم فجر سے پہلے ان کے قلعے کے پاس گئے۔ ہم ایک ٹیلے کے پیچھے سے ان پر تیر برسانے لگے۔ ہر لحظہ ہماری نظر ان کے قلعوں پر تھی۔ شام تک ہم ان پر تیر اندازی کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جہاد اور صبر کی ترغیب دلائی۔ ہم نے رات بھی ان کے قلعوں کے پاس گزاری اور اپنے پڑاؤ کی طرف نہ گئے حتی کہ انھوں نے ہمارے ساتھ لڑائی بند کر دی اور جنگ بندی کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ہم آپ سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی۔

مذاکرات ناکام ٹھہرے

بنو قریظہ نے نباش بن قیس کو اپنا ترجمان بنا کر بھیجا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی اور کہا: اے محمد! ہم انھی شرائط پر ہتھیار ڈالتے ہیں جن شرائط پر بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ ہمارے اموال و جائیدادیں اور ہتھیار آپ

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 73/3، الطبقات لابن سعد: 77/2، المغازي لموسٰى بن عقبة، ص: 224، السيرة لابن هشام: 246/3، مسند أحمد: 141/6.

رکھ لیں، بس ہماری جانیں بخش دیجیے۔ ہم اپنے بیوی بچوں کو لے کر آپ کے علاقے سے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں صرف اتنا سامان مرحمت فرما دیں جو ہمارے اونٹ اٹھا سکیں۔ ان میں ہتھیار نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی۔ اس نے پھر کہا: ہمیں اتنے مال کی بھی ضرورت نہیں جو اونٹ اٹھا سکیں، آپ ہمارے بیوی بچوں کو کچھ نہ کہیں اور ہماری جانیں محفوظ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، إِلَّا أَنْ تَنْزِلُوا عَلٰى حُكْمِي»

''نہیں، اب تم میرے فیصلے کے مطابق اپنے قلعوں سے اترو گے۔''

سردارِ یہود کعب بن اسد کی اپنی قوم کو 3 تجاویز

نباش بن قیس مذاکرات کی ناکامی کے بعد واپس اپنی قوم کے پاس آیا۔ انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے بنوقریظہ کی جماعت! اللہ کی قسم! تمھیں بخوبی علم ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے نبی ہیں اور ہم صرف عربوں سے حسد کی بنا پر ان کے دین میں داخل نہیں ہوئے، اس لیے کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں آیا، چنانچہ وہ وہیں مبعوث ہوا جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ میں ان سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑنا ناپسند کرتا تھا لیکن ہمارے پاس بیٹھے ہوئے اس بدبخت (حُیی بن اخطب) کی نحوست ہم پر اور ہماری قوم پر آن پڑی بلکہ اس کی قوم تو ہم سے بھی زیادہ بدبخت ٹھہری۔

محمد (ﷺ) ایک آدمی کو بھی نہیں چھوڑیں گے، صرف وہی بچ سکے گا جو ان کی پیروی کرے گا۔ کیا تمھیں یاد ہے جب ابن خراش ہمارے پاس آیا تھا تو اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا: اس بستی سے ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ اگر وہ میری زندگی میں مبعوث ہو گئے تو میں ان کی پیروی کروں گا اور ان کی مدد کروں گا۔ اگر اس نبی کا ظہور میرے بعد ہوا تو خیال کرنا کہیں تم اس کے متعلق دھوکے میں نہ پڑ جانا۔ اس کی پیروی اختیار کرنا اور اس کے معاون و مددگار بن کر دونوں آسمانی کتابوں پہلی (تورات) اور دوسری (قرآن مجید) پر ایمان لانے والے بن جانا۔ کعب نے کہا: آؤ ہم آپ ﷺ کی پیروی اختیار کر لیں۔ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لا کر اپنا خون، اپنے بیوی بچے اور اپنی جائیدادیں محفوظ کر لیں۔ اس طرح ہمیں آپ کے صحابہ کا مقام و مرتبہ بھی مل جائے گا۔ یہودیوں نے جواب دیا: ہم اپنے علاوہ کسی دوسرے کی پیروی نہیں کریں گے۔ ہم اہل کتاب اور صاحب نبوت ہو کر غیروں کے پیروکار بن جائیں؟ کعب انھیں بار بار یہ نصیحت کرتا رہا لیکن وہ ایک ہی بات پر اڑے ہوئے تھے کہ تورات اور موسیٰ علیہ السلام کے دین کو نہیں چھوڑیں گے۔

کعب نے دوسری تجویز پیش کی: آؤ اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیں،[1] پھر تلوار سونت کر محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے مقابلے میں نکل پڑیں اور پوری قوت سے ٹکرا جائیں۔ اگر ہم قتل کر دیے گئے تو پیچھے کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جس کی ہمیں کوئی فکر ہوگی۔ اگر ہم فتح یاب ہوئے تو قسم سے ہم عورتوں اور بچوں کو حاصل کر لیں گے۔

حیی بن اخطب کعب کی یہ بات سن کر ہنس پڑا اور بولا: ان بیچاروں کا کیا گناہ ہے؟ اشرافِ یہود میں سے زبیر بن باطا جیسے لوگوں نے کہا: ان کے بعد زندگی کا کیا مزا؟

کعب نے تیسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا: میرے پاس اب ایک ہی تجویز رہ گئی ہے۔ اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو یاد رکھو، تم ہمیشہ ذلیل و رسوا ہی رہو گے۔

یہود نے کہا: بتاؤ وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: آج ہفتے کی رات ہے۔ یقیناً محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہماری طرف سے بالکل مطمئن ہوں گے کہ آج لڑائی نہیں ہوگی۔ ہم نکلتے ہیں، ممکن ہے ہم دھوکے سے انھیں نقصان پہنچانے اور ان پر غالب آنے میں کامیاب ہو جائیں۔

حُیی بن اخطب اور نباش بن قیس کے اعتراضات

یہود نے کہا: کیا ہم ہفتے کے دن کی حرمت کو پامال کر دیں، حالانکہ تم اس کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہو؟ حیی بن اخطب بولا: جب میں نے تمھیں اس سے پہلے اس چیز کی دعوت دی تھی جبکہ قریش اور غطفان بھی موجود تھے اور معاملہ بہت آسان تھا لیکن تم نے اس وقت انکار کیا کہ ہم ہفتے کی حرمت پامال نہیں کریں گے۔ اگر یہودی میری اطاعت کر لیتے تو کامیاب ہو جاتے۔ یہود چلّائے: ہم ہفتے کی حرمت نہیں توڑیں گے۔

نباش بن قیس نے کہا: ہم کس طرح دھوکے کے ساتھ ان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو، ان کا معاملہ روز بروز قوت پکڑتا جا رہا ہے۔ محاصرے کے ابتدائی دنوں میں وہ دن بھر لڑتے تھے اور رات

[1] یہود کے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی دو مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ پہلا واقعہ پہلی صدی ق م میں پیش آیا تھا جب رومیوں نے فلسطین پر دھاوا بولا تھا۔ ایک شہر کے یہودیوں نے رومیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کے بجائے اجتماعی خودکشی کی۔ پہلے اپنے اپنے بیوی بچے قتل کیے۔ پھر قرعہ اندازی سے دس جوان چنے جنھوں نے باقی یہودی قتل کیے۔ آخر میں ان دس میں پھر قرعہ ڈالا گیا اور اس نے باقی نو کو قتل کرنے کے بعد خودکشی کر لی۔ دوسرا واقعہ انگلستان کے شہر یارک کا ہے جہاں یہودی بہت مالدار تھے۔ انگریز بادشاہ رچرڈ نے تیسری صلیبی جنگ (1189-92ء) کے لیے رقم اکٹھی کرنا چاہی تو اس نے یارک کے یہودیوں پر بھاری ٹیکس لگایا، پھر دولت چھپانے کا الزام لگا کر شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ باہر عیسائی عوام نعرے لگا رہے تھے: مسیح کے دشمنوں کو مار دو۔ اس پر قلعہ بند یہودیوں نے اجتماعی خودکشی کے لیے وہی قرعہ اندازی والا طریقہ اختیار کیا اور ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دی۔ (حروبِ صلیبیہ)

کولوٹ جاتے تھے۔ تمھاری یہ تجویز ان دنوں کامیاب ہوسکتی تھی۔ اب نہیں۔ ذرا ہمت کرکے دیکھو، وہ رات کو بھی مکمل تیاری کی حالت میں ہوں گے اور دن کو پھر تازہ دم ملیں گے، پھر ایسی قوم پر بھلا کیسے دھوکے کے ساتھ حملہ کیا جاسکتا ہے؟ سنو! یہ خون ریزی اور آزمائش ہم پر لکھ دی گئی ہے۔ اس طرح یہود میں باہمی اختلاف شروع ہوگیا۔ کعب ان کے سامنے خاموش ہوگیا اور وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ تھے۔[1]

یہود نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے نام کی دہائی کیوں دی؟

ان تینوں تجاویز کو رد کردینے کے بعد صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیں لیکن انھوں نے چاہا کہ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے رابطہ قائم کرلیں، ممکن ہے پتہ لگ جائے کہ ہتھیار ڈالنے کا کیا نتیجہ نکلے گا، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیں، ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان کے حلیف تھے اور ان کے باغات اور آل اولاد بھی اسی علاقے میں تھے۔

ابولبابہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کا شجرہ

اوس
مالک
عوف
عمرو
عوف
مالک
زید
امیہ
زید
زبیر
عبدالمنذر
ابولبابہ رفاعہ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں! مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر حکم فرمایا:

«اِذْهَبْ إِلٰى حُلَفَائِكَ، فَإِنَّهُمْ أَرْسَلُوا إِلَيْكَ مِنْ بَيْنِ الْأَوْسِ»

"اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ۔ انھوں نے بنو اوس میں سے تمھاری طرف پیغام بھیجا ہے۔"

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: محاصرہ بہت شدت اختیار کرچکا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو مرد حضرات مجھے دیکھ کر میری طرف دوڑ پڑے۔ عورتیں اور بچے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔

یہود کی ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشاورت

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں یہود کے پاس گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: ابوبشیر! ہماری حالت تمھارے سامنے ہے۔ ہمارا محاصرہ سخت ہوگیا ہے۔ ہم ہلاک ہوگئے ہیں۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے، ہم نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حدائق اور بعاث کی لڑائیوں میں ہم نے آپ لوگوں سے کیا برتاؤ کیا، وہ بھی تم پر مخفی نہیں کیونکہ تم ان

1 المغازي للواقدي: 8/2، السيرة لابن هشام 347,346/3، دلائل النبوة للبيهقي: 15/4.

تمام لڑائیوں میں موجود تھے۔ محمد ﷺ ہمارے قلعوں کو نہیں چھوڑیں گے حتی کہ ہم ان کی اطاعت قبول کرلیں یا سرنڈر ہو جائیں۔ اگر وہ ہمیں موقع دے دیں تو ہم شام یا خیبر کے علاقے میں چلے جائیں گے۔ آیندہ ہم ان کے علاقے میں کبھی نہیں آئیں گے اور نہ ان پر لشکر کشی کریں گے۔

سیدنا ابولبابہ ؓ بیان کرتے ہیں: میں نے حیی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ شخص تمھیں ہلاک کرکے ہی چھوڑے گا۔ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! اس شخص نے مجھے ہلاکت میں ڈالا، پھر اس سے نکالا نہیں۔ حیی تلملایا اور کہنے لگا: میں کیا کرسکتا ہوں؟ میری تو یہی خواہش تھی کہ ہم مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ہماری تدبیر ناکام ہوگئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو تمھارے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے۔ جو انجام تمھارا ہوگا، میں اس سے الگ تو نہیں ہوں گا۔ کعب نے جواب دیا: مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اور تو قتل کر دیے جائیں اور ہمارے بیوی بچے قیدی بن جائیں؟ حیی نے کہا: یہ خون ریزی اور آزمائش ہمارے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔

پھر کعب نے مجھ سے مشورہ طلب کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد (ﷺ) کے حکم پر ہتھیار ڈال دیں۔

راز فاش ہوگیا

یہود کی آہ و بکا سن کر سیدنا ابولبابہ ؓ کا دل پسیج گیا اور وہ ٹھوکر کھا بیٹھے۔ انھوں نے کعب کے مشورے کے جواب میں کہا: ہاں! اور پھر اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ تم ذبح کر دیے جاؤ گے۔

سیدنا ابولبابہ ؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ عورتوں اور بچوں کی سسکیاں سن کر ان کے قدم پھسل گئے۔ ان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا راز فاش ہوگیا۔ فوراً پشیمان ہوئے اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ سیدنا ابولبابہ ؓ

خود کہتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ! مَا زَالَتْ قَدَمَايَ مِنْ مَّكَانِهِمَا حَتّٰى عَرَفْتُ أَنِّي قَدْ خُنْتُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ﷺ.

''اللہ کی قسم! میرے پاؤں ابھی اپنی جگہ سے ہلے نہ تھے کہ مجھے اچھی طرح احساس ہوگیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کر دی ہے۔''

ندامت کے سبب آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگ گئی۔ میری یہ حالت دیکھ کر کعب نے پوچھا: ابولبابہ! کیا بات ہے؟ میں نے کہا: میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کر دی ہے۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے۔ آنسو تھے کہ تھمنے نہ پاتے تھے۔ اشک باری کر کر کے ڈاڑھی بھی تر ہوگئی تھی۔ لوگ انتظار کر رہے تھے کہ ابولبابہ کو بہت دیر ہوگئی، ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے؟ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کے بجائے سیدھا مسجدِ نبوی میں چلے گئے اور اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ لیا جسے اسطوانۂ مخلقہ اور اسطوانۂ توبہ کہا جاتا ہے۔[1] انھوں نے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول نہ کی، میں اسی جگہ بندھا رہوں گا اور انھوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کبھی بنوقریظہ کے پاس نہیں جائیں گے اور جس علاقے میں انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی، وہ وہاں کبھی نظر نہیں آئیں گے۔

اسطوانہ مخلقہ (مسجد نبوی)

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآن کا نزول

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا:

1 اسطوانۂ مخلقہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا: 385,384/4.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے خیانت نہ کرو اور نہ تم اپنی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا ردعمل

ادھر رسول اللہ ﷺ محسوس کر رہے تھے کہ ابولبابہ کی واپسی میں دیر ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَمَا فَرَغَ أَبُو لُبَابَةَ مِنْ حُلَفَائِهِ؟»

''کیا ابولبابہ اپنے حلیفوں سے فارغ نہیں ہوئے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ قلعے سے واپس نکل آئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم پھر وہ کہاں چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ حَدَثَ لِأَبِي لُبَابَةَ أَمْرٌ مَّا كَانَ عَلَيْهِ»

''ابولبابہ کو ضرور کوئی سنگین معاملہ پیش آ گیا ہے۔''

اتنے میں مسجد کی طرف سے ایک آدمی آیا، اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے ابولبابہ کو مسجد میں دیکھا ہے، اس نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أَصَابَتْهُ بَعْدِي فِتْنَةٌ وَّلَوْجَاءَنِي لَاسْتَغْفَرْتُ لَهُ، فَإِذَا فَعَلَ هٰذَا فَلَنْ أُحَرِّكَهُ مِنْ مَّكَانِهِ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيهِ مَا يَشَاءُ»

''یقیناً میرے بعد اس کو آزمائش نے آلیا ہے۔ اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لیے استغفار کرتا۔ جب اس نے ایسے کر ہی لیا ہے تو اب میں اسے اس کی جگہ سے ہرگز نہیں ہلا سکتا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرما دے۔''

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، یہ جلیل القدر صحابی آزمائش میں پڑے رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] الأنفال 27:8.

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ سحری کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے متعلق آیت نازل فرمائی۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ کو مسکراتے دیکھا تو میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کو مسکراتا رکھے! آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تِيبَ عَلٰى أَبِي لُبَابَةَ»

''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو خوشخبری نہ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلٰى! إِنْ شِئْتِ»

''کیوں نہیں! اگر تم چاہو تو (ابھی خوشخبری سنادو)۔''

وہ اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں، یہ پردے کی فرضیت سے پہلے کی بات ہے،[1] اور کہا:

يَا أَبَا لُبَابَةَ! أَبْشِرْ، فَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكَ.

''ابولبابہ! خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کر لی ہے۔''

لوگ یہ سن کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لیے دوڑے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا اور کہا: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے اللہ کے رسول ﷺ اپنے دستِ مبارک ہی سے کھولیں گے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ صبح کی نماز کے لیے نکلے اور ان کے پاس سے گزرے تو انھیں اپنے دستِ مبارک سے کھولا۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے بارے میں قرآن کا نزول

ابن ہشام کا بیان ہے کہ سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن مسجد نبوی میں بندھے رہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بیس دن لکھے ہیں جبکہ مقریزی نے پندرہ دن کا ذکر کیا ہے۔ ہر نماز کے وقت ان کی بیوی آتی اور انھیں کھول کر وضو کراتی۔ وہ نماز پڑھتے اور پھر ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیتے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 121-123.

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے۔ انھوں نے ملا جلا عمل کیا ہے، ایک اچھا اور دوسرا برا۔ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا خواب

مسجد ابوبکر الصدیق، المرج (لیبیا)

ایک دن ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو خواب آیا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب دیکھا کہ ہم نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور میں بدبودار کیچڑ میں پھنسا ہوا ہوں۔ کوشش کے باوجود وہاں سے نکل نہیں پا رہا۔ اس کیچڑ کی بدبو اتنی خطرناک تھی، قریب تھا کہ میں مرجاتا۔ اسی دوران میں نے ایک جاری نہر دیکھی۔ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں نے اس میں غسل کیا یہاں تک کہ میرا سارا میل کچیل اتر گیا اور میں اپنے آپ سے اچھی خوشبو محسوس کرنے لگا۔ میں نے اس خواب کی تعبیر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھی تو انھوں نے یہ تعبیر کی کہ تم کسی پریشان کن معاملے میں مبتلا ہوگے، پھر اس کے بعد تمھیں چھٹکارا مل جائے گا۔

جب میں رسیوں میں جکڑا ہوا تھا تو مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات بہت یاد آتی تھی اور مجھے امید تھی کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی۔

سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اظہار تشکر

جلیل القدر صحابی ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی توبہ کی اتنی خوشی ہوئی کہ انھوں نے اظہار تشکر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں اپنا مال صدقہ کرنا چاہتا ہوں اور میں اپنی قوم کا علاقہ چھوڑتا ہوں جہاں میں گناہ کا مرتکب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ»

''تمھاری طرف سے مال کا تیسرا حصہ صدقہ کافی ہے۔''

[1] التوبة 102:9.

پھر انھوں نے اپنی قوم کا علاقہ چھوڑ دیا اور تیسرا حصہ مال صدقہ کر دیا۔[1]

بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیے

ادھر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے یہی طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور آپ ﷺ جو فیصلہ مناسب سمجھیں، وہ کریں، حالانکہ بنو قریظہ ایک طویل عرصے تک محاصرہ برداشت کر سکتے تھے کیونکہ ایک طرف ان کے پاس وافر مقدار میں سامان خور و نوش تھا، پانی کے چشمے اور کنویں تھے، مضبوط اور محفوظ قلعے تھے اور دوسری طرف مسلمان کھلے میدان میں خون منجمد کر دینے والی سردی اور بھوک کی سختیاں سہ رہے تھے اور آغازِ جنگِ خندق سے بھی پہلے سے مسلسل جنگی مصروفیات کے سبب تکان سے چُور چُور تھے، لیکن جنگ بنی قریظہ درحقیقت ایک اعصابی جنگ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔ ان کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے، پھر حوصلوں کی یہ شکستگی اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب سیدنا علی اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے پیش قدمی فرمائی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے گرجدار آواز میں اعلان کیا:

يَا كَتِيبَةَ الْإِيمَانِ! وَاللّٰهِ! لَأَذُوقَنَّ مَا ذَاقَ حَمْزَةُ أَوْ لَأَفْتَحَنَّ حِصْنَهُمْ.

''اے ایمان کے سپاہیو! اللہ کی قسم! میں بھی وہی چکھوں گا جو حمزہ نے چکھا (شہید ہو جاؤں گا) یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ للکار سن کر بنو قریظہ پر ایسا خوف طاری ہوا کہ انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر مردوں کو باندھ دیا گیا، چنانچہ سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی مردوں کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور عورتوں اور بچوں کو الگ کر دیا گیا۔[2]

قبیلہ اوس کی بنو قریظہ کے بارے میں سفارش

رسول اللہ ﷺ الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ ہمارے دوست ہیں اور آپ نے ہمارے بھائیوں بنو خزرج کے دوستوں بنو قینقاع کے ساتھ جو کیا تھا، آپ کو خوب معلوم ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے پہلے بنو قینقاع کا محاصرہ کیا تھا جو کہ بنو خزرج کے حلیف

---

1 السيرة لابن هشام: 3/247-249، المغازي للواقدي: 2/10-13، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1/648-651، دلائل النبوة للبيهقي: 4/16,17، إمتاع الأسماع: 1/247,248، المغازي لموسى بن عقبة، ص: 224,225. 2 السيرة لابن هشام: 3/251، الرحيق المختوم، ص: 327.

تھے۔ وہ بھی آپ ﷺ کے حکم پر تسلیم (سرنڈر) ہوئے تھے اور بنوخزرج کے عبداللہ بن ابی منافق نے آپ ﷺ سے ان کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے اس کے کہنے پر ان کی جان بخشی فرما دی تھی۔

اوس نے بھی اب آپ ﷺ سے بنوقریظہ کی سفارش کی کہ اللہ کے رسول! بنوقریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غلطی پر از حد پشیمان ہیں، اس لیے آپ نے جس طرح بنوخزرج کی عزت افزائی فرمائی تھی، اس طرح ہماری وجہ سے ہمارے دوست قبیلے کو بھی معافی دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَوْسِ! أَنْ يَّحْكُمَ رَجُلٌ مِّنْكُمْ»

''اے اوس کی جماعت! کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ ان کے بارے میں تمھی میں سے ایک آدمی فیصلہ کردے؟''

اوسی وفد نے کہا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے یہ معاملہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اوس کے لوگوں نے کہا: ہم اس پر راضی ہیں۔[1]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمیوں کے خیمے میں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں اسلم قبیلے کی ایک عورت سیدہ رفیدہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ یہ عورت زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بے گھر مسلمان مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ خندق کے موقع پر سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم کو حکم دیا:

«اِجْعَلُوهُ فِي خَيْمَةِ رُفَيْدَةَ حَتّٰى أَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ»

''انھیں رُفیدہ کے خیمے میں رکھو تاکہ میں قریب سے ان کی عیادت کرسکوں۔''[2]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ایسے مسلمان کو زخم پہنچتا جس کا گھر بار موجود ہوتا تو اس کی دیکھ بھال اس کے گھر والے کرتے۔ اگر کسی کا گھر بار نہ ہوتا تو اسے لاکر مسجد نبوی کے اندر خیمے میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھر بار والے تھے بلکہ یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کی عزت افزائی کے لیے انھیں اپنے قریب مسجد نبوی میں ٹھہرایا تاکہ آپ ﷺ از خود ان کی خبر گیری کرتے رہیں۔ یوں انھیں خیمۂ رفیدہ میں بے آسرا لوگوں کے ساتھ لایا گیا۔ یہ لوگ آپ ﷺ کی نگہداشت میں رہتے تھے اور دن میں کئی مرتبہ انھیں رخ زیبا کا دیدار نصیب ہو جاتا تھا۔[3]

---

[1] السيرة لابن هشام: 250,249/3، فتح الباري: 517/7. [2] السيرة لابن هشام: 250/3. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 318.

سفارشی وفد سعد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

قبیلہ اوس کا وفد جو بنوقریظہ کا سفارشی بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، انھیں امید لگ گئی تھی کہ ان کے ارمان پورے ہونے والے ہیں۔ وہ بہت خوش تھے کہ ہمارے حلیف قبیلے بنوقریظہ کا فیصلہ ہمارے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے۔ یقیناً وہ ان سے نرم برتاؤ کریں گے، چنانچہ یہ وفد سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ انھیں ایک گدھے پر سوار کیا اور ان کے نیچے چمڑے کا تکیہ رکھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت اور بھاری بھرکم شخص تھے۔ قبیلہ اوس کا سفارشی وفد انھیں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لا رہا تھا۔ یہ لوگ راستے میں ان کی درخواست کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے ابوعمرو! اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کا معاملہ آپ کے سپرد اسی لیے کیا ہے تاکہ آپ ان سے اچھا سلوک کریں۔

بنوعبدالاشہل کا ایک آدمی بنوقریظہ کا حق یاد دلانے اور بتانے لگا کہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ انھوں نے پوری قوم میں سے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ وہ آپ سے رحمت و شفقت کے امیدوار ہیں۔ آپ ان سے نرمی کیجیے گا، ان کی جان بخشی فرما دیں۔ وہ آدمی بہت اصرار کے ساتھ احسان کی بھیک مانگ رہا تھا لیکن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ برابر خاموش تھے۔ اوسی وفد نے پوچھا: آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟ اس وقت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا تاریخی جملہ بولا جو سنہرے پانی سے لکھنے والا ہے، انھوں نے کہا:

لَقَدْ أَنٰى لِسَعْدٍ أَنْ لَّا تَأْخُذَهٗ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ.

''اب سعد کے لیے ایسا وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں اسے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں ہے۔''

یہ جواب سن کر بعض لوگ اسی وقت مدینہ آ گئے اور مدینہ میں قیدیوں کی موت کی خبر پھیلا دی۔[1]

زخمی قاضی لشکر اسلام میں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخموں کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ»

''تم اپنے سردار یا (آپ نے فرمایا:) اپنے بہترین آدمی کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''

1. السيرة لابن هشام: 250/3، دلائل النبوة للبيهقي: 19/4.

مہاجرین نے سمجھا کہ آپ ﷺ نے انصار کو حکم دیا ہے اور انصار نے کہا کہ آپ ﷺ نے کسی کی تخصیص کیے بغیر عام حکم دیا ہے۔ چنانچہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے اٹھے اور انھیں سواری سے اتارا اور کہا: اے ابوعمرو! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آپ کے دوستوں کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق دیا ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلٰى حُكْمِكَ»

''بلاشبہ یہ لوگ (یہود) تمھیں حَکَم (جج) تسلیم کر کے اترے ہیں۔''[1]

قاضی کا اپنے فیصلے پر موافقت طلب کرنا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ہر فریق سے موافقت طلب کی کہ میں جو فیصلہ کروں گا، کیا وہ سب کو تسلیم ہوگا؟ انھوں نے کہا: تم پر اللہ کا عہد و پیمان لازم ہے! کیا میرا فیصلہ ان پر نافذ ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر انھوں نے اس کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس طرف اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے، دریافت کیا: اور جو یہاں ہیں، ان پر بھی؟ ان کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا لیکن آپ کی تعظیم کے سبب چہرہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

یہود کے دلوں کی دھڑکن تیز ہوگئی

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یقین کر لیا کہ ان کا فیصلہ حتمی ہوگا اور ہر ایک فریق کو تسلیم ہوگا تو وہ اپنا فیصلہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ یہود نے اپنے کان اپنے حلیف حَکَم سعد رضی اللہ عنہ کی طرف لگا دیے جنھوں نے اب ان سب کے انجام کا فیصلہ کرنا تھا۔ یہودیوں نے حالتِ اضطراب میں اپنی آنکھیں ان پر لگا دیں۔ ان کے خبیث دل ان کے پہلوؤں میں تیزی سے دھڑکنے لگے۔ اپنے متعلق فیصلے کے انتظار میں ان کی نبضیں رک سی گئیں یہاں تک کہ جو مسلمان بھی پڑاؤ میں تھے، ان کی نگاہیں بھی حکمِ سعد کی منتظر تھیں، خصوصاً سعد رضی اللہ عنہ کی قوم اوس کی جنھوں نے اپنے حلیفوں کے متعلق فیصلے میں نرمی کرانے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دی تھیں۔ سب منتظر تھے کہ سعد رضی اللہ عنہ کیا فیصلہ سناتے ہیں۔ کسی کو معلوم نہ تھا حتی کہ سالارِ اسلام نبی ﷺ بھی نہ جانتے تھے کہ سعد کیا فیصلہ فرمائیں گے۔ آخر انھوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا جو دوٹوک، تباہ کن اور یہود کے لیے نہایت خوفناک تھا۔[2]

---

[1] صحیح البخاري: 4121، صحیح مسلم: 1768، السیرة لابن هشام: 250/3. [2] موسوعة الغزوات الکبرٰی: 659,658/1.

قاضیِ وقت کا اصولی فیصلہ

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہی فیصلہ سنایا جو کسی بھی غدار کا انجام ہوتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی غدار کی سزا یہی سنائی جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَ أَنْ تُسْبَى النِّسَاءُ وَالذُّرِّيَّةُ، وَ أَنْ تُقْسَمَ أَمْوَالُهُمْ.

بلاشبہ میں ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جتنے لوگ جنگجو ہیں، وہ قتل کر دیے جائیں، ان کی عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں اور ان کے اموال تقسیم کر دیے جائیں۔"[1]

سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر رسول اللہ ﷺ کی رضامندی

سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے منشا کے مطابق نکلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ أَرْقِعَةٍ»

"بلاشبہ تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا ہے جو ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ کا فیصلہ تھا۔"[2]

سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تورات کے مطابق تھا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ اور بنو قریظہ نے تسلیم کیا، وہ تورات اور یہودیوں کی شریعت کے مطابق تھا۔ جو قوم صلح اور امن کو ختم کرے، یہود کی شریعت میں بھی اس کا یہی حکم ہے جو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے صادر کیا تھا۔ جیسا کہ تورات میں لکھا ہے:

"اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔"[3]

یہود بنی قریظہ نے نبی کریم ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ امن و صلح توڑ کر غداری کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کا اعلان کر دیا تھا، اس لیے کتاب مقدس کے اس صریح حکم سے معلوم ہوگیا کہ بنوقریظہ کے مردوں کو قتل

1 صحيح البخاري: 4122، صحيح مسلم: 1768. 2 صحيح البخاري: 4121، صحيح مسلم: 1768، السنن الكبرى للنسائي: 403/5، السيرة لابن هشام: 251/3، واللفظ له. 3 کتابِ مقدس (استثناء) 20:12-14.

کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر ان کے اموال پر قبضہ کرنے میں مسلمانوں کو ذرا بھی تردد نہیں کرنا چاہیے تھا، اس لحاظ سے یہود کو وہی سزا دی گئی جو ان کی اپنی شریعت میں تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل

بعض مستشرقین اور اسلام مخالف حضرات سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وحشیانہ اور سنگدلانہ کارروائی تھی۔ کاش! وہ بائبل کا مطالعہ کر کے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل ملاحظہ کرتے تو شاید انھیں اعتراض کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ کتاب مقدس میں ہے:

> ”اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اُس کے مطابق انھوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا۔ اور انھوں نے ان مقتولوں کے سوا عوّی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔“ [1]

لشکرِ اسلام کی قیدیوں کے ہمراہ مدینہ واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ بنوقریظہ سے جمعرات کے روز 8 ذوالحجہ 5 ھ کو واپس آئے۔ قیدیوں کو بھی ساتھ لایا گیا۔ مردوں کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں رکھا گیا اور عورتوں اور بچوں کو بنونجار کی ایک عورت جو کہ حارث کی صاحبزادی تھی، اس کے گھر میں رکھا گیا۔ بنت حارث کے متعلق سیرت نگاروں کی مختلف آراء ہیں۔ زرقانی نے ان سب آراء کو یکجا کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں کہا ہے کہ وہ عورت رملہ بنت حارث بن ثعلبہ بن حارث بن زید تھیں جو معاذ بن حارث بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔

واقدی نے رملہ بنت حدث کہا ہے جبکہ سہیلی نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ بنت حارث ہیں اور ان کا نام کیّسہ بنت حارث بن کُریز بن حبیب بن عبدشمس ہے جو کہ مسیلمہ کذاب کی بیوی تھیں اور بعد میں عبداللہ بن عامر بن کُریز رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ [2]

---

[1] کتاب مقدس (گنتی) 31:7-10. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 86/3، الروض الأنف: 444,445/3، الإصابة: 140/8.

بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز

نبیِ کریم ﷺ نے بالغ و نابالغ کے درمیان تمیز کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ دیکھیں، جس کے زیر ناف بال اُگ آئے ہیں، اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہیں اُگے ہیں، اسے نہ قتل کیا جائے۔ عطیہ قرظی کہتے ہیں: میرے بال نہیں اُگے تھے (اس لیے مجھے قتل نہیں کیا گیا)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگوں نے میرا زیر ناف کھول کر دیکھا تو انھیں کوئی بال اُگا ہوا نہیں ملا، اس لیے مجھے قیدیوں میں شمار کر لیا گیا۔[1]

فیصلے کا نفاذ

سوق المناخہ (مدینہ منورہ)

فیصلے کے نفاذ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے بازار کا چکر لگایا، پھر آپ ﷺ نے گہری خندقیں کھودنے کا حکم دیا تاکہ ان غداروں کے ناپاک جسم قتل کے بعد دفن کر دیے جائیں، چنانچہ قتل و دفن کے لیے مدینہ کے بازار کا انتخاب کیا گیا جسے ان دنوں سوق المناخہ کہا جاتا تھا۔

خندق کی کھدائی مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور پھر آپ ﷺ نے بنوقریظہ کے ان مردوں کو لانے کا حکم دیا جن پر فیصلہ لاگو ہو چکا تھا۔ انھیں جماعت در جماعت باری باری بلایا جاتا اور قتل کر دیا جاتا۔ قتل کی کارروائی میں سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدنا اسلم انصاری رضی اللہ عنہم شریک تھے جیسا کہ سیدنا علی کہتے ہیں: میں اس شخص کو قتل کر دیتا تھا جس کے زیر ناف بال اُگے ہوتے تھے اور جس کے زیر ناف بال ابھی نہیں اُگے تھے، اسے مالِ غنیمت میں شامل کر دیتا۔[2]

بلانے والا رُکتا نہیں، جانے والا پلٹتا نہیں

قتل کی کارروائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد باقی ماندہ قیدی اپنے سردار کعب بن اسد سے پوچھنے لگے:

---

1 سنن أبي داود: 4405,4404، جامع الترمذي: 1584. 2 السيرة لابن هشام: 251/3، شرح الزرقاني على المواهب: 87/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 664/1.

آپ کا کیا اندازہ ہے؟ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کعب نے کہا: کیا تم لوگ کسی بھی جگہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے؟ دیکھتے نہیں پکارنے والا رک نہیں رہا اور جانے والا پلٹ نہیں رہا ہے؟ اللہ کی قسم! یہ قتل ہے۔ بہرحال شام تک ان سب کی گردنیں اڑا دی گئیں۔[1]

اس کارروائی کے ذریعے غدر و دغا کے ان سانپوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا جنھوں نے پختہ عہد و پیمان توڑا تھا اور مسلمانوں کے خاتمے کے لیے ان کی زندگی کے نہایت سنگین اور نازک ترین لمحات میں دشمن کو مدد دے کر جنگی مجرموں کا کردار ادا کیا تھا۔

حیی بن اخطب کا قتل

بنو قریظہ کی اس تباہی کے ساتھ ہی بنو نضیر کا شیطان اور جنگ احزاب کا ایک بڑا مجرم حیی بن اخطب بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ یہ شخص ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ قریش و غطفان کی واپسی کے بعد جب بنو قریظہ کا محاصرہ کیا گیا اور انھوں نے قلعہ بندی اختیار کی تو یہ بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہو گیا کیونکہ غزوۂ احزاب کے دنوں میں یہ شخص جب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو غدر و عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لیے آیا تھا تو اس نے ان کے ساتھ لڑنے مرنے کا وعدہ کر رکھا تھا اور اب اس وعدے کو نبھا رہا تھا۔ اسے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے ایک خوبصورت جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا جسے خود ہی ہر جانب سے ایک ایک انگل پھاڑ رکھا تھا تاکہ اسے مالِ غنیمت میں نہ رکھوا لیا جائے۔ اس کے دونوں بازو رسی کے ساتھ گردن کے پیچھے یکجا بندھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے کہا:

«أَلَمْ يُمَكِّنِ اللّٰهُ مِنْكَ يَاعَدُوَّ اللّٰهِ؟»

”اے اللہ کے دشمن! کیا اللہ نے تجھے ہمارے حوالے نہیں کر دیا (تاکہ تجھے تیری سرکشی کا مزہ چکھائیں)۔“

تو اس نے جواب دیا:

أَمَا وَاللّٰهِ! مَا لُمْتُ نَفْسِي فِي عَدَاوَتِكَ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهَ يُخْذَلْ.

”یعنی اللہ کی قسم! میں نے اپنے آپ کو آپ کی عداوت پر ملامت نہیں کی لیکن جو اللہ کو چھوڑ دے، اسے بھی بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔“

پھر لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَمْرِ اللّٰهِ، كِتَابٌ وَّقَدَرٌ وَّمَلْحَمَةٌ كَتَبَهَا اللّٰهُ عَلٰى بَنِي إِسْرَاءِيلَ.

[1] السيرة لابن هشام: 252/3، المغازي للواقدي: 16/2.

''بلاشبہ اللہ کے فیصلے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ تو نوشتۂ تقدیر ہے اور ایک بڑا قتل ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا۔''

اس کے بعد وہ بیٹھا اور اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔

جبل بن جوال کے اشعار

ایک یہودی شاعر جبل بن جوّال ثعلبی نے حیی بن اخطب کی اس دیدہ دلیری کو سراہتے ہوئے اشعار کہے:

لَعَمْرُكَ مَا لَامَ ابْنُ أَخْطَب نَفْسَهُ ۔۔۔ وَلٰكِنَّهُ مَنْ يَّخْذُلِ اللّٰهَ يُخْذَلِ

لَجَاهَدَ حَتّٰى أَبْلَغَ النَّفْسَ عُذْرَهَا ۔۔۔ وَقَلْقَلَ يَبْغِي الْعِزَّ كُلَّ مُقَلْقَلِ

''تیری زندگی کی قسم! ابن اخطب نے اپنے آپ کو ملامت نہیں کی لیکن جو اللہ کو چھوڑتا ہے، اسے بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔''

''اس نے خوب جدو جہد کی یہاں تک کہ اپنے لیے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا اور عزت کی تلاش میں خوب بھاگ دوڑ کی۔''[1]

بری تدبیر خود تدبیر کرنے والے کو گھیر لیتی ہے

تمام عربی اور یہودی قبائل اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے جنگ کے لیے اکٹھے ہوگئے اور بنو قریظہ کو عہد شکنی اور پشت سے حملہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹی کر دی اور رسوا کر دیا۔ بالآخر حیی بن اخطب کی کوششیں اسے اپنے انجام تک لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہیں چھوڑتا، وہ انھیں مہلت دیتا ہے اور بتدریج انھیں انجام کے قریب کرتا ہے اور آخر میں جب پکڑتا ہے تو اس کا مؤاخذہ انتہائی سخت ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے لیکن جب اسے پکڑنے پر آتا ہے تو بچ کر نکلنے نہیں دیتا۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۚ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝﴾ (ھود 11:102)

[1] السيرة لابن هشام: 252/3.

”اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہوتی ہے۔“[1]

حیی بن اخطب کی جھوٹی دلیری

حیی بن اخطب نے جھوٹی دلیری کا اظہار کرنے کی کوشش کی اور خود آگے بڑھا کہ اس کی گردن ماردی جائے تاکہ اس پر کوئی خوش ہونے والا خوش نہ ہو، حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ باطل پر ہے، اپنی جان پر اس نے ظلم کیا ہے۔ وہ باطل پر مر رہا تھا۔ گناہ کا غرور اسے جہنم اور برے انجام تک لے جارہا تھا کیونکہ وہ نہایت شفیق و مہربان پروردگار کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کر رہا تھا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

”کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟“[2]

جو اللہ کو چھوڑ دے وہ بے یار و مددگار ہو جاتا ہے

جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بے آسرا کر دے تو اس کی حفاظت و مدافعت کرنے والا کوئی نہیں رہتا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

”اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔“[3]

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حیی بن اخطب کی عداوت کا سبب صرف حسد اور کینہ تھا، اس لیے اس نے علانیہ اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی موقع پر میرے ساتھ نہ تھا۔ حیی، رحمٰن کے دوستوں سے دشمنی کر کے شیطان کے گروہ میں شامل تھا اور اللہ تعالیٰ سے ضد کر کے دشمنی مول لے رہا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اسے بے یار و مددگار کر کے تکلیف دہ

[1] صحیح البخاري: 4686. [2] الجاثیة 45:23. [3] آل عمرٰن 3:160.

عذاب میں ڈالنے والا تھا کیونکہ اس کی مشیت بالآخر نافذ ہو کر رہتی ہے، اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں، آسمان و زمین میں کوئی اسے عاجز نہیں کرسکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

قیدی عورت کا قتل

اسلام نے جنگ میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہے۔ اسی لیے بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کر دیا گیا لیکن کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا۔ سوائے ایک عورت کے جس کا نام نباتہ تھا۔ اس کا تعلق بنونضیر سے تھا اور بنوقریظہ کے ایک شخص حسن قرظی کے ساتھ بیاہی گئی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی میں بہت پیار تھا۔ جب بنوقریظہ کا محاصرہ کیا گیا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا: مجھے وصل کے دنوں پر بہت حسرت ہو رہی ہے جو عنقریب مفارقت میں بدل جائیں گے۔ اس نے کہا: تورات کی قسم! اگر تو اپنے دعوے میں سچی ہے تو محمد (ﷺ) کے اصحاب قلعے کے سائے میں بیٹھے ہیں، تُو ان پر چکی کا پاٹ گرا کر قتل کر دے کیونکہ یہ ہمارے پاس آخری موقع ہے، اس کے بعد ہم کبھی انھیں قتل نہیں کرسکیں گے۔ تم ایک عورت ہو اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر غالب آگئے تو وہ عورتوں کو قتل نہیں کریں گے اور مجھے یہ بھی ہرگز پسند نہیں کہ تمھیں قیدی بنا لیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان کو قتل کر دو تاکہ اس جرم کی پاداش میں زندہ نہ بچ سکو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زبیر بن باطا کے قلعے کی دیوار کے ساتھ سائے میں بیٹھے تھے۔ وہ بدبخت عورت قلعے پر چڑھی اور اوپر سے چکی کا پاٹ گرا دیا۔

[1] الأنعام 17:6.

مسجد بنی قریظہ: کہا جاتا ہے کہ یہاں زبیر بن باطا کا قلعہ تھا جہاں نبی ﷺ نے بنوقریظہ کا محاصرہ کیا

مسلمانوں نے دیکھ لیا اور فوراً وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے لیکن سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ اس کا نشانہ بن گئے۔ چکی کا پاٹ ان پر گرا تو ان کا سر کچل گیا جس کے سبب وہ جامِ شہادت نوش کر گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنوقریظہ کی ایک عورت کے علاوہ کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔ اللہ کی قسم! وہ میرے پاس بیٹھی تھی اور بہت کھل کھلا کر ہنس رہی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں مردوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا رہے تھے۔ اچانک پکارنے والے نے اس عورت کا نام لے کر آوازہ لگایا: فلاں عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے بلایا جا رہا ہے۔ میں نے اسے کہا: تیرا بُرا ہو! تجھے کیوں بلایا جا رہا ہے؟ اس نے کہا: مجھے قتل کیا جائے گا؟ میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: مجھ سے ایک واقعہ رونما ہوا تھا۔ پھر اسے لے جایا گیا اور سیدنا خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی قسم! مجھے اس کی رضامندی اور کھل کھلا کر ہنسنے پر تعجب ہے، میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن پھر بھی وہ بہت ہشاش بشاش تھی۔[1]

نباش بن قیس اور غزال بن سموأل کا قتل

قیدیوں میں سے دو بڑے جنگی مجرم نباش بن قیس اور غزال بن سموأل کو لایا گیا اور انھیں قتل کر دیا گیا۔ نباش بن قیس کو لایا گیا تو اس کی ناک کچلی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

«لِمَ صَنَعْتَ بِهِ هٰذَا؟ أَمَا كَانَ فِي السَّيْفِ كِفَايَةٌ؟»

''تم نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ کیا تلوار سے قتل کر دینا کافی نہ تھا؟''

لانے والے نے جواب دیا: اللہ کے رسول! اس نے بھاگنے کے لیے مجھ سے ہاتھا پائی کی تھی۔ نباش نے کہا: ابوالقاسم! تورات کی قسم! یہ درست نہیں کہہ رہا۔ اگر یہ مجھے چھوڑ دیتا تو میں کہیں نہ بھاگتا۔ جہاں میری قوم قتل ہوئی، میں اس جگہ سے کبھی پیچھے نہ رہتا حتی کہ میں بھی ان میں سے ایک ہو جاتا۔

قیدیوں سے حسن سلوک کا حکم

بنوقریظہ کے لوگوں کو قتل کیا جا رہا تھا کہ سورج سر پر چڑھ آیا۔ دھوپ نے اپنی تمازت دکھانی شروع کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

«أَحْسِنُوا إِسَارَهُمْ وَقَيِّلُوهُمْ وَ أَسْقُوهُمْ حَتّٰى يُبْرِدُوا فَتَقْتُلُوا مَنْ بَقِيَ، لَا تَجْمَعُوا عَلَيْهِمْ

[1] المغازي للواقدي: 2/19,18، السيرة لابن هشام: 3/253.

حَرَّ الشَّمْسِ وَحَرَّ السِّلَاحِ ۔ وَكَانَ يَوْمًا صَائِفًا ۔ فَقَيَّلُوهُمْ وَأَسْقَوْهُمْ وَأَطْعَمُوهُمْ»

''ان کی قید میں نرمی اختیار کرو، انھیں دوپہر کے وقت آرام کرنے دو اور انھیں پانی پلاؤ یہاں تک کہ دھوپ کی حدت جاتی رہے، تب ان باقی ماندہ لوگوں کو قتل کرنا۔ ان پر سورج کی اور اسلحہ کی شدت کو اکٹھا نہ کرو۔ یہ بہت گرم دن تھا، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں آرام کرایا اور انھیں کھلایا پلایا۔''

جب گرمی کی شدت کم ہوگئی، پچھلے پہر آپ ﷺ تشریف لائے تو باقی ماندہ لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔[1]

قرظی سردار لقمۂ تلوار بن گیا

بنوقریظہ کے سردار کعب بن اسد کو لایا گیا۔ قتل سے پہلے اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حسبِ ذیل باتیں ہوئی:

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «كَعْبُ بْنُ أَسَدٍ؟» ''کعب بن اسد ہو؟''

کعب نے جواب دیا: ہاں ابوالقاسم!

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا انْتَفَعْتُمْ بِنُصْحِ ابْنِ خَرَاشٍ لَكُمْ وَكَانَ مُصَدِّقًا بِي، أَمَا أَمَرَكُمْ بِاتِّبَاعِي، وَ إِنْ رَأَيْتُمُونِي تُقْرِءُونِي مِنْهُ السَّلَامَ؟»

''تمھیں ابن خراش کی نصیحت نے فائدہ نہیں پہنچایا، حالانکہ وہ میری تصدیق کرتا تھا۔ کیا اس نے تمھیں میری پیروی کے لیے نہیں کہا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ جب تم مجھ سے ملو تو اس کی طرف سے سلام کہنا؟''

کعب نے کہا: تورات کی قسم! اے ابوالقاسم! ایسا ہی ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ یہود مجھے تلوار کے ڈر کی عار دلاتے رہیں گے تو میں ضرور آپ کی اتباع کر لیتا لیکن اب تو میں یہودی ہی ہوں۔

آپ ﷺ نے حکم دیا: «قَدِّمْهُ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ» ''اسے آگے بڑھاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔''

آپ ﷺ کے حکم پر اس کی گردن اڑا دی گئی۔[2]

یاروں کے بنا کیا جینا

یہودی سردار زبیر بن باطا بہت بوڑھا تھا۔ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ اس نے زمانۂ جاہلیت میں لڑی جانے

[1] المغازي للواقدي: 2/17,16، إمتاع الأسماع: 1/250. [2] المغازي للواقدي: 2/18.

والی جنگ بعاث میں سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر احسان کیا تھا۔ اس نے انھیں پکڑا اور پیشانی کے بال کاٹ کر جان بخشی کردی۔ غزوۂ بنوقریظہ میں جب جنگجو قیدیوں کو قتل کیا جا رہا تھا تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن کو اس حالت میں دیکھا تو اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہا۔ انھوں نے زبیر سے پوچھا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا تم نے مجھے پہچانا؟ اس نے کہا کہ میرے جیسا آدمی تیرے جیسے آدمی کو بھلا بھول سکتا ہے؟ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تیرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: کریم النفس لوگ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبیر کی جان بخشی کے لیے التجا کی، کہا: اللہ کے رسول! زبیر کا مجھ پر ایک احسان ہے، میں چاہتا ہوں کہ میں اس کے احسان کا بدلہ دوں۔ آپ اس کو مجھے ہبہ فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ ثابت رضی اللہ عنہ خوشی سے پھولے نہ سمائے، وہ فوراً اس کے پاس آئے اور پروانۂ امن سناتے ہوئے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا خون میرے لیے ہبہ کر دیا ہے، چنانچہ اب تم آزاد ہو۔ وہ بولا:

شَيْخٌ كَبِيرٌ لَّا أَهْلَ لَهُ وَلَا وَلَدَ فَمَا يَصْنَعُ بِالْحَيَاةِ؟

''ایک انتہائی بوڑھا جس کی نہ بیوی نہ بچے، وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا؟''

ثابت رضی اللہ عنہ واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کے رسول! زبیر کے بیوی بچے بھی مجھے ہبہ فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کے بیوی بچے بھی ہبہ کر دیے۔ انھوں نے آکر اسے خوشخبری دی تو وہ کہنے لگا: وہ گھرانہ جس کی حجاز میں کوئی جائیداد نہ ہو، وہ کیسے زندگی بسر کرے گا؟ ثابت رضی اللہ عنہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض پرداز ہوئے: اللہ کے رسول! اس کا مال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی تجھے عطا کیا۔ وہ خوشی خوشی آئے اور کہا: زبیر! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا مال مجھے عنایت کردیا ہے اور میں نے وہ تجھے ہبہ کیا۔

زبیر بن باطا نے پوچھا: ثابت! اس شخص پر کیا گزری جس کا چہرہ چینی آئینے کی طرح صاف شفاف تھا کہ کنواری لڑکیاں اس میں اپنا چہرہ دیکھتی تھیں، یعنی کعب بن اسد؟ انھوں نے بتایا: اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا: شہروں اور دیہات کے سردار حیی بن اخطب کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بتایا: وہ بھی کیفرِ کردار کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا: اس بہادر پر کیا گزری کہ جب ہم حملہ کرتے تھے تو وہ ہراول دستے میں ہوتا تھا اور جب بھاگتے تھے تو وہ پیچھے رہ کر ہماری حفاظت کرتا تھا، یعنی غزال بن سموأل؟ بتایا گیا کہ وہ بھی تہ تیغ کر دیا گیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا: بنوکعب بن قریظہ اور بنوعمرو بن قریظہ پر کیا بیتی؟ بتایا گیا: وہ بھی قتل کر دیے گئے۔

زبیر بن باطا کہنے لگا: ان کے چلے جانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں۔ ثابت! میں تجھے اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تجھ پر کیا تھا کہ مجھے بھی ان سے ملا دو، لمحہ بھر کی اذیت کے بعد پیاروں سے ملاقات ہو جائے گی۔ اس کی التجا پر ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی بات کا علم ہوا کہ ابھی اس کی ملاقات اس کے پیارے دوستوں سے ہوگی تو انھوں نے فرمایا:

يَلْقَاهُمْ وَاللّٰهِ! فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا مُخَلَّدًا.

''وہ ان سے ملاقات تو کرے گا لیکن اللہ کی قسم! جہنم کی آگ میں، وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی جہنم میں جلتا رہے گا۔''[1]

رفاعہ بن سموئل کی جان بخشی

ام منذر سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا سیدنا سُلَیط بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ بھی تھیں، قبلتین کی طرف نماز بھی پڑھ چکی تھیں اور دیگر خواتین کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کر چکی تھیں۔ سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی رفاعہ بن سموئل قرظی کی سفارش کی۔ رفاعہ بالغ آدمی تھا جس نے ان سے پناہ طلب کی تھی۔ کیونکہ رفاعہ کے ام منذر کے گھرانے کے ساتھ پرانے تعلقات تھے۔ اس نے ام منذر سے التجا کی کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میری جان بخشی کی درخواست کریں۔ میں آپ کا یہ احسان تا قیامت فراموش نہیں کروں گا۔ سیدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! رفاعہ کو رہا کر دیجیے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور ان کی درخواست قبول فرمائی اور اسے

[1] السيرة لابن هشام :254,253/3، البداية والنهاية :127/4.

مدرسہ سلمیٰ بنت قیس، العوابی (عُمان)

ان کے لیے ہبہ کر دیا۔ پھر فرمایا: ''اگر نماز پڑھنے لگے گا تو یہ اس کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ اور اگر اپنے دین پر قائم رہا تو یہ اس کے لیے بہت برا ہوگا۔''[1]

مقتولینِ بنو قریظہ کی تعداد

بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان کی تعداد چار سو تھی۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک ان کی تعداد چھ سو تھی۔ ابن عائذ نے قتادہ کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے کہ ان کی تعداد سات سو تھی۔ سہیلی نے لکھا ہے: سب سے زیادہ ان کی تعداد بتانے والے کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سو سے نو سو کے درمیان تھے اور ترمذی، نسائی اور ابن حبان کے نزدیک جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی حدیث کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی۔ ان تمام اقوال کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے جنگجو جانبازوں کی تعداد چار سو تھی اور باقی قتل ہونے والے غیر جنگجو مرد تھے۔ ابن اسحاق کے ایک قول کے مطابق ان کے تمام مقتولین کی تعداد نو سو تھی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریحانہ بنت زید کو منتخب کرنا

ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا بہت حسین و جمیل عورت تھیں۔ ان کا تعلق بنونضیر سے تھا اور بنو عمرو بن قریظہ کے حکَم نامی شخص سے بیاہی گئی تھیں۔ جب قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ بنت زید کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شادی کی پیش کش کی لیکن انھوں نے غلامی کو ترجیح دی اور کہا: اللہ کے رسول! مجھے اپنی لونڈی رہنے دیجیے، یہ میرے لیے اور آپ کے لیے آسان بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت پیش کی لیکن انھوں نے اسلام قبول نہ کیا اور کہا: میں اپنی قوم کے مذہب یہودیت ہی پر رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا انکار بہت ناگوار گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علیحدگی فرمالی اور انھیں ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہ کے گھر بھیج دیا، انھوں نے انھیں سمجھایا کہ اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دو۔ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ حیی بن اخطب نے انھیں کیسی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ آپ اسلام قبول کرلیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے لیے منتخب فرمالیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک چلنے کی آواز سنائی دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هَاتَيْنِ لَنَعْلَا ابْنِ سَعْيَةَ يُبَشِّرُنِي بِإِسْلَامِ رَيْحَانَةَ»

---

[1] السيرة لابن هشام: 255/3، المغازي للواقدي: 17/2. [2] مسند أحمد: 350/3. [3] فتح الباري: 517/7.

''یقیناً یہ ابن سعیہ کے قدموں کی چاپ ہے، وہ مجھے ریحانہ کے اسلام کی بشارت دینے آ رہے ہیں۔''

وہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ کو خوشخبری دی: اللہ کے رسول! ریحانہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔[1]

ایوب بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ رضی اللہ عنہا کو ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ وہ ان کے پاس رہیں حتی کہ جب وہ اپنے ایامِ مخصوصہ سے فارغ ہوئیں تو ام منذر رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کو اطلاع کی۔ آپ ﷺ ام منذر کے گھر ریحانہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنْ أَحْبَبْتِ أُعْتِقْكِ وَ أَتَزَوَّجْكِ فَعَلْتُ، وَإِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ تَكُونِي مِلْكِي أَطَؤُكِ بِالْمِلْكِ فَعَلْتُ»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں آزاد کر کے تمھارے ساتھ شادی کرلوں تو میں اس کے لیے تیار ہوں اور اگر چاہو کہ تم میری لونڈی بن کر رہو اور میں تمھارے ساتھ بحیثیت لونڈی تعلق قائم کروں، تب بھی ٹھیک ہے۔''

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے رسول! میرے اور آپ کے لیے اسی بات میں آسانی ہے کہ میں آپ کی لونڈی ہی رہوں، چنانچہ وہ تادمِ زیست آپ کی لونڈی ہی رہیں۔[2]

ابن سعد نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ریحانہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔ ریحانہ کا خاوند اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ ریحانہ بھی اس سے شدید محبت رکھتی تھیں۔ انھوں نے کہا: میں اس کے بعد کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ ریحانہ بنت زید خود بیان کرتی ہیں کہ جب بنوقریظہ کے لوگ قید میں آگئے تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے لیے منتخب کرلیا اور مجھے ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر بھیج دیا۔ جب مردوں کو قتل کر دیا گیا تو آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، مجھے بہت شرم محسوس ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا:

«إِنِ اخْتَرْتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اخْتَارَكِ رَسُولُ اللّٰهِ لِنَفْسِهِ»

''اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو منتخب کرو تو اللہ کے رسول تمھیں اپنے لیے چن لیں گے۔''

تو میں نے کہا:

«إِنِّي أَخْتَارُ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ»

''میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کرلیا ہے۔''

1 السيرة لابن هشام :256/3، المغازي للواقدي :22,21/2. 2 المغازي للواقدي :22/2.

جب میں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے شادی کر لی اور مجھے بارہ اوقیہ اور ایک نش چاندی (500 درہم) حق مہر میں دی جیسا کہ آپ اپنی بیویوں کو دیتے تھے۔ میرے لیے باری بھی مقرر کی اور پردے کا حکم بھی دیا۔

پھر سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس رہیں حتی کہ جب 10 ھ میں آپ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو انھوں نے وفات پائی۔ آپ ﷺ نے انھیں بقیع میں دفن فرمایا۔ ان کی شادی محرم 6 ھ میں ہوئی تھی۔[1]

بہت سے مؤرخین نے یہی لکھا ہے کہ ریحانہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس بحیثیت لونڈی ہی رہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔[2] لیکن ابن ابی ذئب کا قول ہے کہ میں نے زہری سے ریحانہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی لونڈی تھیں، پھر آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی تھی۔ یہی قول راجح ہے۔[3]

مالِ غنیمت

رسول اللہ ﷺ نے بنوقریظہ کا مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سارا مالِ غنیمت اکٹھا کر لیا۔ بنوقریظہ سے جو مالِ غنیمت ملا، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں، چھوٹی بڑی پندرہ سو ڈھالیں، اس کے علاوہ بڑی تعداد میں بکریاں، اونٹ، گھریلو ساز و سامان اور بہت سے برتن۔ مسلمانوں نے کئی مٹکے شراب بھی پائی۔ شراب ساری کی ساری بہا دی گئی، اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا تھا۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھوں سے شراب کے مٹکے توڑے تھے۔[4]

مالِ غنیمت کی تقسیم

مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ پانچواں حصہ (خمس) نکال لیا گیا اور باقی چار حصے مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ تقسیم کا طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا کہ شہسوار کو تین حصے دیے گئے۔ دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ اس مجاہد کا اپنا تھا۔ اس لڑائی میں چھتیس گھوڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے لیکن آپ ﷺ نے صرف ایک گھوڑے کا حصہ وصول کیا۔ پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ مقرر کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سوید بن خلاد رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا جنھیں یہودی عورت نباتہ نے چکی کا پاٹ گرا کر شہید

[1] الطبقات لابن سعد: 130,129/8، أسدالغابة: 291,290/5. [2] البداية والنهاية: 128/4. [3] الطبقات لابن سعد: 131,130/8. [4] المغازي للواقدي: 22/2، السيرة النبوية للصلابي: 300,299/2.

کر دیا تھا۔ ان کا حصہ ان کے وارثوں کو دیا گیا۔ اسی طرح محاصرے کے دوران فوت ہونے والے صحابی ابوسنان وہب بن محصن رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی نکالا گیا تھا۔

اس جنگ میں شریک صحابیات سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب، ام عمارہ، ام سلیط، ام العلاء، سمیرا بنت قیس اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ کبشہ بنت رافع کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ تو مقرر نہ کیا، البتہ انھیں مالِ غنیمت سے نوازا تھا۔

غیر منقولہ اموال، مثلاً اراضی اور گھر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو دیے اور انصار کو اس میں سے کچھ نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو انصار کی جائیدادیں واپس کرنے کا حکم دے دیا جو انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو عطا کی ہوئی تھیں۔[1]

قیدیوں کی فروخت

مسجد عبدالرحمٰن بن عوف، کوالالمپور (ملائشیا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان قیدی عورتوں کو الگ کر دیا اور سن رسیدہ کو الگ کر دیا۔ قیدی عورتوں کی ایک بڑی تعداد سیدنا عثمان اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے خریدی۔ ان قیدی عورتوں کو جب الگ الگ کر دیا، نوجوان ایک طرف اور سن رسیدہ ایک طرف، تو سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کا اختیار دے دیا، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوڑھی عورتوں کو ترجیح دی۔ بوڑھی قیدیوں کے پاس کافی مال تھا جبکہ نوجوان اس سے محروم تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں سے بہت سا مال حاصل کیا۔

قیدی عورتوں کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام بھیجا اور ایک گروہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نجد بھیجا جنھیں فروخت کر کے گھوڑے اور اسلحہ خریدا گیا۔[2]

ماں اور بچے میں تفریق کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں اور اس کی اولاد میں دورانِ تقسیم یا فروخت جدائی سے منع کر دیا اور فرمایا:

1 إمتاع الأسماع :253,252/1، السيرة لابن هشام :256/3، اليهود في السنة المطهرة لعبدالله الشقاري :375/1.
2 إمتاع الأسماع :253/1، السيرة لابن هشام :256/3.

«لَا يُفَرَّقُ بَيْنَ الْأُمِّ وَ وَلَدِهَا حَتّٰى يَبْلُغُوا»

''ماں اور اس کی اولاد میں جدائی نہ ڈالی جائے حتی کہ وہ بالغ ہو جائیں۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ان کی بلوغت کی کیا نشانی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَحِيضُ الْجَارِيَةُ وَيَحْتَلِمُ الْغُلَامُ»

''لڑکی کو حیض آنا شروع ہو جائے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔''[1]

بنوقریظہ پر قرآن کا تبصرہ

بنوقریظہ کے غدار اور عہد شکن یہود کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝﴾

''اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں (بنو قریظہ) نے کافروں کی مدد کی تھی، انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ان کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے۔ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے اموال اور اس زمین کا وارث بنا دیا جسے تمھارے قدموں نے روندا نہیں تھا اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 24/2، إمتاع الأسماع: 254/1. [2] الأحزاب 33:26، 27.

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابوعمر سعد بن معاذ بن نعمان بن امرؤالقیس بن زید بن عبدالاشہل انصاری اوسی اشہلی رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی اور عظیم سردار تھے۔ انھوں نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے اپنی قوم بنوعبدالاشہل کو اکٹھا کر کے کہا: اے بنوعبدالاشہل! میرا تمھارے ساتھ کیسا سلوک ہے؟ اور تمھاری نظروں میں میرا کیا مقام ہے؟ انھوں نے یک زبان ہو کر کہا: آپ ہم میں سے بڑے صاحب فضل اور بہت بابرکت سردار ہیں۔ پھر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارے مردوں اور عورتوں سے کلام کرنا مجھ پر حرام ہے یہاں تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔

مسجد سعد بن معاذ، جدہ (سعودی عرب)

پھر بنوعبدالاشہل کے تمام مرد و عورت اسلام لے آئے۔[1]

یہ مردِ آہن غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور معرکۂ خندق میں ان کے بازو کی رگِ اکحل پر تیر لگا اور زخمی ہو گئے تو انھوں نے دعا کی تھی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ أَبْقَيْتَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْئًا فَأَبْقِنِي لَهَا، فَإِنَّهُ لَا قَوْمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ آذَوْا رَسُولَكَ وَكَذَّبُوهُ وَ أَخْرَجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ فَاجْعَلْهُ شَهَادَةً لِّي، وَلَا تُمِتْنِي حَتّٰى تُقِرَّ عَيْنِي مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ.

”اے اللہ! اگر تو نے قریش کی جنگ میں سے کچھ حصہ باقی رکھا ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ کیونکہ اس قوم سے جنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے جس نے تیرے رسول کو اذیت پہنچائی، انھیں جھٹلایا اور انھیں اپنے

[1] سير أعلام النبلاء :1/280,279.

وطن سے نکالا۔ اے اللہ! اگر ان کے ساتھ جنگ ختم ہوگئی ہے تو اس زخم کو میرے لیے شہادت کا سبب بنادے اور مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک تو میری آنکھیں بنوقریظہ سے ٹھنڈی نہ کردے۔''[1]

سعد رضی اللہ عنہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ زخم سے خون بہنا بند ہوگیا۔ پھر بنوقریظہ کا محاصرہ ہوا۔ خوف و یاس کے عالم میں وہ قلعے سے اترے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے کیفرِ کردار کو پہنچے تو اس بندۂ صالح نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ، فَإِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْهَا وَاجْعَلْ مَوْتَتِي فِيهَا.

''اے اللہ! میرا خیال ہے کہ تو نے ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ ختم کردی ہے، اگر واقعی تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کردی ہے تو میرا زخم جاری کردے اور اس کے باعث مجھے موت آجائے۔''

اس دعا کے بعد سینے پر ان کا زخم پھر سے تازہ ہوگیا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھیلتے پھیلتے سینے تک چلا گیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لیٹے ہوئے تھے کہ اس دوران میں ایک بکری اپنا پاؤں ان کے زخم پر رکھ کر ان کے اوپر سے گزر گئی۔ جس سے خون جاری ہوگیا۔[2]

اس حدیث کو بیان کرنے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسجد میں قبیلہ بنوغفار کا بھی خیمہ تھا۔ خون ان کی طرف بہ کر آیا تو وہ گھبرا گئے اور کہنے لگے: اے خیمے والو! تمھاری طرف سے یہ خون کیسا ہماری طرف بہ کر آرہا ہے۔ دیکھا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہ رہا تھا اور ان کی وفات اسی وجہ سے ہوئی۔[3]

ہم سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سچ کردکھاتے تھے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں قابلِ احترام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ بنوقریظہ کا تمام معاملہ ان کے ہاتھ میں آئے اور وہ خود ان کو حَکَم (جج) بنانے کا مطالبہ کریں۔

اختتامِ جہاد اور اپنی قوم کی ذمے داری سے سبکدوش ہونے کے بعد انھیں زندگی کی چاہت نہ رہی۔ جنگ ختم ہوگئی۔ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا اور بنوقریظہ کے متعلق فیصلے سے ان کے دل کو سکون ملا۔ اسلام کے لیے اچھے نتائج سامنے

[1] مسند أحمد: 141/6، السيرة لابن هشام: 238/3، البداية والنهاية: 108/4. [2] فتح الباري: 518/7. [3] صحيح البخاري: 4122، صحيح مسلم: (67)-1769.

آنے لگے تو انھوں نے یقین کرلیا کہ ان کی زندگی کا مقصد پورا ہوگیا ہے۔ اب ان کے لیے ''شہادت'' سے بڑا ثمر اور کوئی نہ تھا، لہٰذا دعا فرمائی: اے اللہ! میرا زخم جاری فرما اور اسی کے سبب مجھے موت نصیب فرما۔ ان کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا۔[1]

فرشتے کہیں سبقت نہ لے جائیں

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر پھوٹ پڑا تو ان کے قبیلے نے انھیں ان کے گھر منتقل کردیا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ہمراہ ان کے گھر گئے۔ آپ ﷺ اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ اوپر کی چادریں گر رہی تھیں اور جوتوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (تیز رفتاری کی) شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ أَنْ تَسْبِقَنَا الْمَلَائِكَةُ فَتَغْسِلَهُ كَمَا غَسَلَتْ حَنْظَلَةَ»

''بلاشبہ مجھے ڈر ہے کہ حنظلہ کی طرح اسے بھی ہم سے پہلے فرشتے آکر غسل دے دیں گے۔''

ام سعد کے علاوہ ہر رونے والی جھوٹ کہتی ہے

رسول اللہ ﷺ جب سعد رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے تو انھیں غسل دیا جارہا تھا اور ان کی والدہ رو رہی تھیں اور کہتی جارہی تھی:

وَيْلُ أُمِّ سَعْدٍ سَعْدًا حَزَامَةً وَّ جِدًّا

''سعد کی ماں کو سعد کی وفات کا افسوس ہے، وہ دور اندیشی، مستقل مزاجی اور سنجیدگی کا مجسمہ تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ نَائِحَةٍ تَكْذِبُ إِلَّا أُمَّ سَعْدٍ»

''ام سعد کے علاوہ ہر رونے والی جھوٹ کہتی ہے۔''

فرشتوں نے بھی جنازے کو کندھا دیا

میت کو جب قبرستان کی طرف لے جایا جارہا تھا تو کچھ صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! اس سے ہلکا پھلکا جنازہ ہم نے کبھی نہیں اُٹھایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَّخِفَّ، وَقَدْ هَبَطَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ كَذَا وَكَذَا لَمْ يَهْبِطُوا قَطُّ قَبْلَ يَوْمِهِمْ قَدْ

[1] التربية القيادية للدكتور غضبان: 71/4.

حَمَلُوهُ مَعَكُمْ»

”جنازہ کیوں نہ ہلکا ہوتا، آسمان سے آج اتنے اتنے فرشتے اترے ہیں کہ آج سے پہلے نہیں اترے تھے، انھوں نے بھی میت کو تمھارے ساتھ اٹھایا ہوا تھا۔“[1]

فرشتوں کی تعداد

سیدنا عبداللہ بن عمر ﷠ کی روایت میں ان فرشتوں کی تعداد بتائی گئی ہے جو سیدنا سعد بن معاذ ﷛ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«هٰذَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ لَمْ يَنْزِلُوا إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ ذٰلِكَ، لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً، ثُمَّ أُفْرِجَ عَنْهُ»

”یہ نیک بندہ ہے جس کے لیے عرش نے بھی حرکت کی اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ اس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے۔ وہ فرشتے اس سے قبل کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔ (اس کے باوجود اس پر قبر) ایک مرتبہ تنگ ہوئی، پھر کشادہ کر دی گئی۔“[2]

ابن جوال کی ہرزہ سرائی اور سیدنا حسان ﷛ کا جواب

ہشام بن عروہ نے بیان کیا ہے کہ سعد بن معاذ ﷛ کا خون مسلسل بہ رہا تھا حتی کہ خلعت شہادت اوڑھ لی۔ اس وقت ایک یہودی شاعر (جبل بن جوال) نے کچھ اشعار کہے جن میں اس نے سیدنا سعد اور ان کے قبیلے کی مذمت کی:

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ فَمَا فَعَلَتْ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ

لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ غَدَاةَ تَحَمَّلُوا لَهُوَ الصَّبُورُ

تَرَكْتُمْ قِدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا وَقِدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ

وَقَدْ قَالَ الْكَرِيمُ أَبُو حُبَابٍ أَقِيمُوا قَيْنُقَاعُ وَلَا تَسِيرُوا

وَقَدْ كَانُوا بِبَلْدَتِهِمْ ثِقَالًا كَمَا ثَقُلَتْ بِمِيطَانَ الصُّخُورُ

---

1 المعجم الكبير للطبراني: 9/6، السيرة لابن هشام: 264/3، السلسلة الصحيحة: 222/3. 2 المعجم الكبير للطبراني: 10/6، سير أعلام النبلاء: 295/1.

اے سعد! بنو معاذ کے (گھرانے کے) سعد! بنو قریظہ اور بنو نضیر نے کیا کیا؟''

''تمھاری زندگی کی قسم! بنو معاذ کا سعد، جس صبح ان لوگوں (بنو قریظہ) نے سزا برداشت کی، خوب صبر کرنے والا تھا۔''

''تم (اوس کے) لوگوں نے اپنی ہانڈیاں اس طرح چھوڑیں کہ ان میں کچھ باقی نہ بچا تھا جبکہ قوم (بنو خزرج) کی ہانڈیاں گرم تھیں، ابل رہی تھیں (انھوں نے اپنے حلیف قبیلے بنو نضیر کا ساتھ دیا تھا)۔''

''ایک کریم انسان ابوحباب (رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی) نے کہا تھا: بنو قینقاع! مقیم رہو، مت جاؤ۔''

''اپنے شہر میں وہ بڑے باوقعت تھے جس طرح جبل میطان کی چٹانیں بہت وزن رکھتی ہیں۔''[1]

مسجد حسان بن ثابت، البویرہ (الجزائر)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُهْجُهُمْ - أَوْهَاجِهِمْ - وَجِبْرِيلُ مَعَكَ»

''ان کی ہجو کرو۔ جبریل تمھاری مدد کرے گا۔''[2]

پھر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے ایک قصیدہ پڑھا جس کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

تَفَاقَدَ مَعْشَرٌ نَصَرُوا قُرَيْشًا ... وَلَيْسَ لَهُمْ بِبَلْدَتِهِمْ نَصِيرُ

وَهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ فَضَيَّعُوهُ ... فَهُمْ عُمْيٌ عَنِ التَّوْرَاةِ بُورُ

''اس جماعت نے اپنے افراد کو کھو دیا جنھوں نے کفارِ قریش کی مدد کی اور ان کے علاقے میں ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔''

''انھیں کتاب دی گئی لیکن انھوں نے اسے ضائع کر دیا اور وہ تورات سے اندھاپن اختیار کر کے ہلاک ہو گئے۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم :(68)-1769، فتح الباري :519,518/7. [2] صحيح البخاري :4123,4122، صحيح مسلم :2486.
[3] فتح الباري :519/7.

عرش بھی جھوم اٹھا

سیدنا سعد بن معاذ ﷛ اتنے جلیل القدر صحابی تھے کہ وہ آسمانوں میں بھی قابلِ احترام تھے۔ ان کی وفات پر عرش بھی حرکت میں آگیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ»

"سعد بن معاذ ﷛ کی موت پر رحمٰن کا عرش جھوم اٹھا۔"[1]

نبی ﷺ کا سعد ﷛ کو خراجِ تحسین

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد ﷛ کو بڑے زبردست انداز میں الوداع کیا۔ سیدنا عبداللہ بن شداد ﷛ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب سعد ﷛ کے پاس پہنچے تو ان پر حالت نزع طاری تھی، آپ ﷺ نے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

«جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْ سَيِّدِ قَوْمٍ، فَقَدْ أَنْجَزْتَ مَا وَعَدْتَهٗ وَلَيُنْجِزُكَ اللّٰهُ مَا وَعَدَكَ»

"اے سردارِ قوم! اللہ تعالیٰ تجھے بہترین جزا دے۔ یقیناً تو نے اپنا وعدہ نبھایا اور اللہ تعالیٰ بھی ضرور اپنا وعدہ تجھ سے نبھائے گا۔"[2]

سعد ﷛ کے جنتی رومال

سیدنا براء بن عازب ﷠ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی کپڑے کا جوڑا ہدیہ ملا۔ صحابۂ کرام ﷡ اسے چھوتے اور اس کی ملائمت پر تعجب کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَعْجَبُونَ مِنْ لِّينِ هٰذِهٖ؟ لَمَنَادِيلُ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَأَلْيَنُ»

"کیا تم اس کی ملائمت پر تعجب کرتے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ ﷛ کے رومال اس سے کہیں بہتر اور ملائم ہیں۔"[3]

سعد ﷛ اپنی آخری آرام گاہ میں

سعد ﷛ کو اپنی تمام خوبیوں، نیکیوں اور دینِ الٰہی کے لیے گراں قدر خدمات کے باوجود قبر کے دباؤ سے واسطہ

[1] صحيح البخاري :3803، صحيح مسلم :(124)-2466. [2] المصنف لابن أبي شيبة :322/5 و 145، سير أعلام النبلاء :288/1. [3] صحيح البخاري :3802، صحيح مسلم :2468.

پڑا۔ چار آدمی انھیں قبر میں اتارنے کے لیے قبر میں اترے۔ حارث بن اوس، اسید بن حضیر، ابونائلہ سلکان اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہم، جبکہ رسول اللہ ﷺ (وہیں) کھڑے تھے۔ جب انھیں قبر میں دفنا دیا گیا تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ کہا۔ تمام مسلمانوں نے بھی سبحان اللہ کہا حتی کہ قبرستان بقیع گونج اٹھا، پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ ﷺ سے اس اچانک تسبیح وتکبیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَضَايَقَ عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَبْرُهُ وَضُمَّ ضَمَّةً لَّوْ نَجَا مِنْهَا أَحَدٌ لَّنَجَا سَعْدٌ مِّنْهَا، ثُمَّ فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ»

''قبر تمھارے ساتھی پر تنگ ہوگئی تھی اور اسے بڑی سختی سے بھینچا گیا۔ اگر کوئی شخص قبر کے اس دبانے سے بچ سکتا تو یہ ضرور بچ جاتے، البتہ پھر اللہ تعالیٰ نے قبر کو کشادہ فرما دیا ہے۔''[1]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عین جوانی میں شہید ہوگئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر صرف سینتیس سال تھی۔ انھوں نے اپنی قوم کی قیادت صرف تیس برس کی عمر میں سنبھالی تھی۔ تیس برس سے قبل بھی ان کی قائدانہ صلاحیتیں قابلِ دید تھیں، حالانکہ عموماً انسان کی خوابیدہ طاقتیں اور صلاحیتیں چالیس برس کے بعد بیدار ہوتی ہیں جو جوانی اور توانائی کی آخری عمر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوٰلِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ڝ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (الأحقاف 46:15)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنم دیا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ کی مدت ہے حتی کہ جب وہ اپنی قوت و طاقت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا کی: اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''[2]

[1] الطبقات لابن سعد: 432/3، السنن الكبرٰى للنسائي: 101/4، مسند أحمد: 377/3. [2] السيرة النبوية للصلابي: 294,293/2.

سیدنا سعد بن معاذ ﷛ کا سفید رنگ، دراز قد، حسین و جمیل اور پُر وقار چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں اور خوبصورت ڈاڑھی تھی۔ [1] سیدنا ابوسعید خدری ﷛ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن معاذ ﷛ کی قبر کھودنے میں میں بھی شامل تھا۔ان کی قبر سے کستوری کی خوشبو آرہی تھی۔ہم جیسے جیسے قبر گہری کرتے جاتے خوشبو تیز ہوتی گئی حتی کہ ہم لحد تک پہنچ گئے۔

سیدنا سعد ﷛ ایک دراز قد بھاری جسم والے تھے۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو وہ بہت ہلکا تھا۔ منافقین بے ہودہ سرائی کرتے ہوئے کہا: ''بنوقریظہ کے خلاف فیصلے کی وجہ سے ان کا جنازہ ہلکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَذَبُوا وَلٰكِنَّهُ خَفَّ لِحَمْلِ الْمَلَائِكَةِ»

''منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ سعد کا جنازہ اس لیے ہلکا ہے کیونکہ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے۔'' [2]

[1] سير أعلام النبلاء: 296/1. [2] المغازي للواقدي: 28/2.

وفد بلال بن حارث کی آمد

رجب 5 ھ میں قبیلہ مزینہ کا سردار بلال بن حارث مزنی اپنے قبیلے کے چودہ ممتاز افراد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اسلام کی نبیادی تعلیمات حاصل کیں، پھر آپ ﷺ نے انھیں فرمایا:

«أَنْتُمْ مُّهَاجِرُونَ أَيْنَمَا كُنْتُمْ»

''تم جہاں بھی رہو گے، تمھارا شمار مہاجرین میں ہوگا۔''

بیرونِ مکہ سے دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے والا یہ پہلا وفد تھا جسے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ اُس وفد کے لوگ دین حق کی بنیادی آگہی حاصل کر کے اپنے وطن لوٹ گئے۔[1]

مدینہ میں زلزلہ

آزمائشیں، مشکلات اور مصائب انسان کو اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ بھٹکے ہوئے راہی کو جب ٹھوکر لگتی ہے تو وہ سیدھی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی نشانیاں دکھا کر اپنے قریب کرتا ہے۔ چنانچہ 5 ھ میں مدینہ میں زبردست زلزلہ آیا جیسا کہ شہر بن حوشب سے مرسل روایت ہے کہ عہدِ نبوت میں 5 ھ میں مدینہ میں زلزلہ آیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ رَبَّكُمْ يَسْتَعْتِبُكُمْ فَأَعْتِبُوهُ»

''بلاشبہ تمھارا پروردگار چاہتا ہے کہ تم توبہ کر کے اس کو راضی کر لو، چنانچہ تم اپنے رب کو راضی کرو۔''[2]

گھڑ دوڑ

اہلِ عرب گھوڑوں سے بہت محبت کرتے تھے بلکہ یہ ان کی محبوب ترین سواری تھی۔ عربی گھوڑا شکل و صورت اور

---

[1] كتاب الثقات لابن حبان (السيرة) :261/1، تاريخ الخميس :470/1. [2] المصنف لابن أبي شيبة :472/2، حديث : 8420، فتح الباري لابن رجب :324/6.

دیگر خصوصیات کے اعتبار سے بھی امتیازی شان رکھتا تھا۔ گھوڑے کی بعض اقسام کو اہلِ عرب بہت پسند کرتے تھے۔ ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ، الْأَقْرَحُ، الْمُحَجَّلُ، الْأَرْثَمُ، طَلْقُ الْيَدِ الْيُمْنٰى، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ أَدْهَمَ، فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ»

''بہترین گھوڑا وہ ہے جو سیاہ ہو، اس کی پیشانی پر تھوڑا سا سفید نشان ہو، چاروں پاؤں میں سفیدی ہو، ناک اور اوپر والا ہونٹ سفید ہو، اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو۔ اگر سیاہ رنگ نہ ہو تو انھیں صفات کا حامل کُمیت (سیاہی مائل سرخ رنگ کا) گھوڑا عمدہ ہے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُمْنُ الْخَيْلِ فِي شُقْرِهَا»

''گھوڑوں میں برکت ان کے سرخ رنگ والوں میں ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے شِکال گھوڑے کو ناپسند فرمایا ہے، یعنی وہ رنگ دار گھوڑا جس کی اگلی دائیں اور پچھلی بائیں ٹانگ یا اگلی بائیں اور پچھلی دائیں ٹانگ سفید ہو۔[3]

مذکورہ روایات سے اہلِ عرب کی گھوڑوں سے شدید محبت عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ گھوڑوں کی سواری اور گھڑ دوڑ کے مقابلے کے بہت شوقین تھے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ گھوڑے تیار کرتے تھے۔ گھوڑے کو سخت جان اور پھرتیلا بنانے کے لیے اس کی تَضمیر کرتے تھے جس کا طریقہ یہ ہوتا کہ گھوڑے کو پہلے خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا جاتا، جب وہ خوب صحت مند ہو جاتا تو اس پر جُل (موٹا گرم کپڑا) ڈال کر تدریجاً اس کی خوراک میں کمی کر دی جاتی اور اس کی دوڑ بھی شروع کرا دی جاتی اور دن بدن اس کی دوڑ کا فاصلہ بڑھایا جاتا۔ اس طرح وہ خوب پھرتیلا ہو جاتا تھا۔ جتنے وقت میں عام گھوڑا ایک میل مسافت طے کرتا ہے، تربیت یافتہ گھوڑا پانچ، چھ میل مسافت طے کر لیتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے، اسلام نے بھی یہ روایت برقرار رکھی۔ جنگی مشقوں کے لیے گھڑ دوڑ مشروع ہے، البتہ شرط لگا کر دوڑانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی گھڑ دوڑ کا شوق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے 5 ھ میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی جنھیں تیار (تضمیر) نہیں کیا گیا تھا اور مقابلے کی حد ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنو زُریق تک رکھی تھی۔ عبداللہ بن

[1] سنن ابن ماجه: 2789. [2] سنن أبي داود: 2545. [3] صحيح مسلم: 1875.

عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے گھڑ دوڑ میں حصہ لیا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کی دوڑ کرائی جنھیں تضمیر کیا گیا تھا۔ یہ دوڑ مقام الحفیاء سے شروع کرائی اس کی حد ثنیۃ الوداع تک تھی۔ (راویٔ حدیث) ابواسحاق نے (اپنے استاد) موسیٰ بن عقبہ سے پوچھا کہ اس کا فاصلہ کتنا تھا تو انھوں نے بتایا کہ چھ یا سات میل، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں کی بھی دوڑ کرائی جو تضمیر شدہ نہیں تھے۔ ایسے گھوڑوں کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے شروع ہوئی اور اس کی حد مسجد بنوزُریق تھی۔ راوی نے پوچھا: اس میں کتنا فاصلہ تھا تو بتایا: تقریبا ایک میل۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی دوڑ میں شرکت کرنے والوں میں شامل تھے۔[2]

گھڑ دوڑ کے علاوہ اونٹ دوڑ کا مقابلہ بھی ہوتا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عضباء نامی ایک اونٹنی تھی۔ دوڑ میں اس سے آگے کوئی اونٹنی نہیں بڑھ سکتی تھی۔ ایک دفعہ ایک دیہی نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس اونٹنی سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں پر یہ بات بڑی گراں گزری حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناگواری محسوس کی تو فرمایا:

«حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهٗ»

''اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی بلند ہو، اسے پست کر دے۔''[3]

چاند گرہن اور نمازِ کسوف

چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ انھیں گرہن لگا کر ان کی روشنی روک دیتا ہے جس کا مقصد غفلت میں پڑے لوگوں کو بیدار کرنا اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنا ہوتا ہے کہ جو ہستی اتنے

[1] صحيح البخاري :2869. [2] صحيح البخاري :2870. [3] صحيح البخاري :2872.
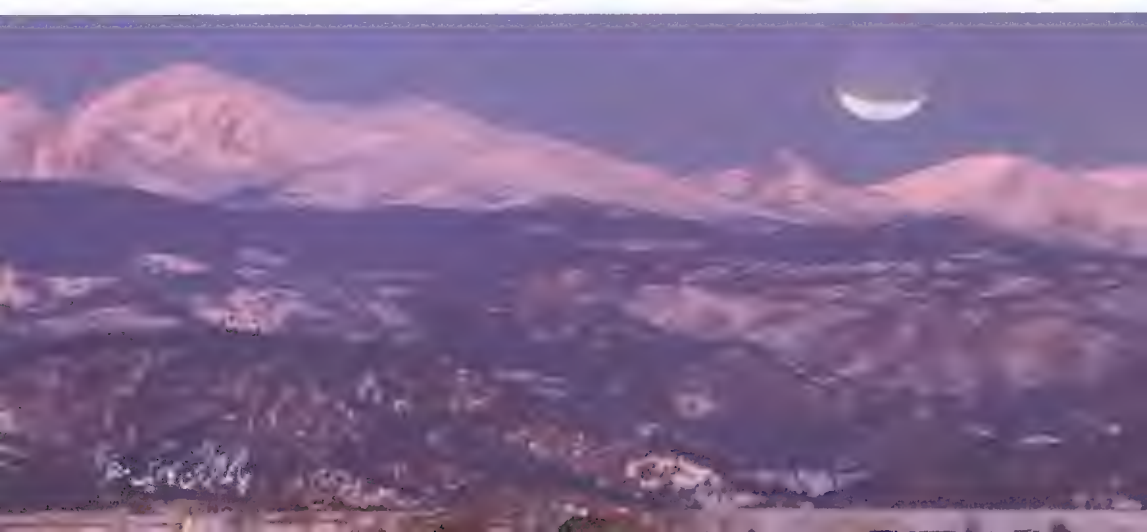
بڑے سیاروں کو بے نور کر سکتی ہے، وہ خوشحالی کو تنگ دستی اور عافیت کو عذاب میں بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اس میں صاحبِ دانش لوگوں کے لیے یہ یاد دہانی ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور ایسے کاموں سے باز آجائیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا حق دار ٹھہراتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمادی ثانیہ 5 ھ میں چاند کو گرہن لگ گیا تو یہود اپنے باطل عقیدے کے مطابق تانبے کے برتن کاٹنے لگے، چاند کی طرف آتشیں تیر پھینکنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے چاند پر جادو کر دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح تیر پھینکنے اور برتن کاٹنے سے گرہن ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے آسمانی ہدایت کے مطابق نمازِ کسوف کا اعلان کیا اور آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی حتی کہ گرہن ختم ہو گیا۔[1]

[1] کتاب الثقات لابن حبان (السیرة): 261/1، تأسیس الأحکام بشرح عمدة الأحکام للنجمي: 53/3.

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی، وہ پڑھنے کا حکم تھا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے علم وتعلم کو کتنی اہمیت دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تعلیم کے فروغ کے لیے دن رات کوشاں رہتے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید نے ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟'' کہہ کر اس عمل کو چار چاند لگا دیے۔

مدینہ منورہ میں مہاجرین و انصار خالص عربی تھے اور عربی ہی بولتے لکھتے تھے جبکہ یہود اپنی قومی اور دینی زبان عبرانی میں لکھت پڑھت کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے شدید ضرورت محسوس کی کہ یہود کی زبان سیکھی جائے، چنانچہ آپ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں۔ انھوں نے 4 ھ میں یہود کی زبان سیکھی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ انھیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں تاکہ وہ نبی ﷺ کی طرف سے یہود کو خط لکھ سکیں اور یہود کی طرف سے آنے والے خطوط پڑھ کر سنا سکیں۔ [1]

عبرانی تورات کی لوح

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ زبان صرف پندرہ دن میں سیکھ لی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو زید رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! یہ بنونجار کا نوجوان ہے، اسے آپ پر اترنے والی انیس سورتیں یاد ہیں۔ آپ ﷺ کو یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ ان کی لیاقت دیکھ کر نبی ﷺ نے انھیں یہودی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 7195.

«إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا آمَنُ يَهُودَ عَلٰى كِتَابِي»

”بلاشبہ اللہ کی قسم! مجھے اپنے خطوط کے حوالے سے یہود پر اعتبار نہیں۔“

زید ﷛ بیان کرتے ہیں: پھر پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں نے یہود کی زبان سیکھ لی اور اس میں ماہر ہو گیا، چنانچہ جب وہ آپ ﷺ کے نام خط لکھتے تو میں آپ ﷺ کو خط پڑھ کر سناتا اور آپ ان کا جواب دینا چاہتے تو میں آپ ﷺ کے حکم پر ان کو جوابی خط لکھ دیتا تھا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت میں ترجمان کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ معاملاتِ حکومت کے اسرار سے باخبر ہوتا ہے، یوں وہ حکومت کی طرف سے خطوط کا جواب دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سیدنا زید بن ثابت ﷛ کو یہود کی زبان سیکھنے کا حکم دینا اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام مسلمانوں کو حسبِ ضرورت اغیار کے علوم و فنون اور زبانیں سیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔[2]

[1] سنن أبي داود :3645، مسند أحمد :186/5. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة :249/2.

باب 6

سازشی عناصر کا صفایا

رسالت مآب ﷺ نے اسلام دشمن قبیلوں کی سرکوبی کے لیے پیہم جنگی کارروائیاں کیں۔ آپ نے مسلمانوں کو شہید کرنے والے سفاکوں کو بھی ان کے ہولناک جرم کی سزا دی۔ آپ کی متواتر حربی کارروائیوں سے پورے جزیرہ نمائے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوٓا

أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ

مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“ (المآئدۃ 33:5)

اس باب میں

سن 5 ہجری کا زمانہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں غزوۂ احزاب کی کامیابی نے کفار پر واضح کر دیا کہ اب مسلمان ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن چکے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے مدینہ کے اردگرد موجود باقی ماندہ طاقتوں کو زیر کرنے کے اقدامات کیے۔ غزوۂ احزاب کے فوراً بعد یہودِ بنو قریظہ کا قلع قمع کر دیا گیا اور اسی سازشی گروہ سے امت مسلمہ کو نجات مل گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قریش کی اقتصادی شہ رگ پر ہاتھ ڈالا اور احزاب کی معاونت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے چند فوجی کارروائیاں کیں۔ ان قبائل سے بدلہ لینے کے لیے بھی لشکر روانہ کیا جنھوں نے مبلغین کو دھوکا دے کر شہید کر دیا تھا۔ اگلے اوراق میں آپ انھی فوجی مہمات و سرایا کی ایمان افروز تفصیلات پڑھیں گے، نیز نوگرفتار سردارِ یمامہ ثمامہ بن اثال سے نبی ﷺ کے حسن سلوک اور ان کے قبولِ اسلام کا ایمان افروز منظر بھی دیکھیں گے۔

سریّہ محمد بن مسلمہ (سریہ قُرطاء)

غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ سے فراغت کے بعد یہ پہلا سریہ تھا جس میں تیس مجاہدین کا دستہ بھیجا گیا۔

سریے کا سبب

بت پرست بدوی گروہوں میں سے نجدی قبائل مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ جرأت دکھاتے تھے، یہ لوگ بڑے جنگجو، طاقتور اور خاصی تعداد میں تھے۔ ہم گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ نجدی قبائل احزاب میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ احزاب کی اصل قوت یہی شرپسند قبائل تھے۔ احزاب میں چھ ہزار جنگجو غطفان، اشجع، اسلم، بنوفزارہ اور بنواسد کے نجدی قبائل ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احزاب اور بنوقریظہ سے فراغت پانے کے بعد نبیِ مکرم ﷺ نے دشمن کو سبق سکھانے کے لیے جو پہلا لشکر بھیجا، وہ انھی نجدی قبائل پر حملہ آور ہوا۔

سریہ کی تاریخ اور مقام

یہ سریہ 10 محرم 6 ھ کو عمل میں آیا۔ اس سریہ کو نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی مقام پر بھیجا گیا تھا۔ ضریہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ تھا۔ اس سریے کا نشانہ بنوبکر بن کلاب کی ایک شاخ بنوقرطاء تھے۔
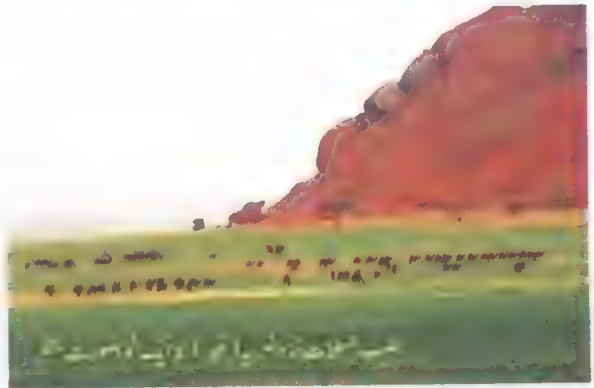
لشکر کی روانگی .... تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

رسول اللہ ﷺ نے محرم کے دس دن گزر جانے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس جاں نثاروں کی جماعت روانہ فرمائی۔ ان میں جلیل القدر صحابہ عباد بن بشر، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔
جنگ ایسی چیز ہے جو بڑی مہارت، ہوشیاری، کاریگری اور گہری بصیرت کی متقاضی ہوتی ہے۔ حربی حکمتِ عملی، ضرب وحرب کے طریقے، مؤثر اسلحہ، غذائی رسد کی فراہمی، نقل وحمل اور ایاب و ذہاب وہ امور ہیں جو پوری طرح

صیغۂ راز میں رہنے چاہئیں، چنانچہ ایک باریک بین اور دور اندیش کمانڈر کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے ان تیس مجاہدوں کو روانہ فرماتے ہوئے ضروری ہدایات دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کو سفر کرنا، دن کو چھپ جانا تاکہ بڑی راز داری سے دشمن کے سر پر جا پہنچو اور کامیابی سے دھاوا بول دو۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق لشکر کی کمان کی۔ یہ لوگ رات بھر سفر کرتے تھے اور دن کو رُوپوش ہو جاتے تھے حتی کہ یہ مطلوبہ مقام تک پہنچ گئے۔

بنوقرطاء پر حملہ

جب یہ لشکر دشمن کے علاقے میں پہنچ گیا تو سالارِ لشکر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سراغ رسانی کے لیے بھیجا۔ عباد رضی اللہ عنہ نے آبادی میں پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا۔ جب وہ لوگ شام کو اپنے جانور واپس لائے اور ان کا دودھ دوہ کر انھیں بٹھا دیا تو عباد رضی اللہ عنہ لشکر میں واپس تشریف لے گئے اور سالارِ لشکر کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا، بعدازاں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دشمن پر حملہ کر دیا، ان کے دس افراد قتل کر دیے گئے، باقی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اونٹوں اور بکریوں پر قبضہ کر لیا اور انھیں ہانک کر مدینہ لے آئے۔ یہ لشکر انیس راتوں کے بعد مدینہ واپس آیا۔

مالِ غنیمت

نبیِ کریم ﷺ نے ان اونٹوں اور بکریوں کے پانچ حصے کیے۔ پانچواں حصہ (خُمس) اپنے پاس رکھا، باقی مجاہدین میں تقسیم فرما دیا۔ ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر مانا گیا۔ اونٹوں کی تعداد ایک سو پچاس اور بکریوں کی تعداد تین ہزار تھی۔[1]

ثمامہ بن اُثال کی گرفتاری

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جانے والا دستہ جب اپنا مشن مکمل کر کے مدینہ واپس آرہا تھا تو راستے

[1] المغازي للواقدي: 35,34/2، الطبقات لابن سعد: 78/2، شرح الزرقاني على المواهب: 102,101/3.

میں انھوں نے یمامہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو گرفتار کرلیا۔ یہ بنوحنیفہ سے تعلق رکھتے تھے محدثین کے مطابق ثمامہ عمرے کے لیے جبکہ مؤرخین کے مطابق بنوحنیفہ کے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبیِ کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ جن مجاہدین کے ہتھے چڑھ گئے تھے، وہ انھیں پہچانتے نہیں تھے۔ انھوں نے ثمامہ کو آناً فاناً مسجدِ نبوی کے ستون سے باندھ دیا۔

نبی ﷺ اور ثمامہ کا مکالمہ

رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انھیں پہچان لیا اور دریافت فرمایا:

«مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

''ثمامہ! بتاؤ کیا خیال ہے؟''

انھوں نے جواب دیا:

عِنْدِي خَيْرٌ يَّا مُحَمَّدُ! إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ، وَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ.

''اے محمد! میرے پاس خیر ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو خون والا ہے (یعنی اس کا بدلہ لینے والے موجود ہیں) اور اگر احسان فرما کر مجھے چھوڑ دیں گے تو ایک قدردان پر احسان کریں گے۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیے آپ کو کتنا مال درکار ہے؟''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے انھیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن پوچھا:

«مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

جامعہ الیمامہ (الریاض)

"اے ثمامہ! بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے؟"

انھوں نے کہا: میرا خیال وہی ہے جو کل عرض کر چکا ہوں۔ اگر آپ احسان کریں گے تو ایک قدر شناس پر احسان کریں گے۔ آپ ﷺ نے انھیں پھر ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ تیسرے دن پھر پوچھا:

«مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟»

"ثمامہ! کیا خیال ہے؟"

انھوں نے کہا: وہی جو میں پہلے گوش گزار کر چکا ہوں۔ نبیِ کریم ﷺ نے حکم صادر فرمایا:

«أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ»

"ثمامہ کو چھوڑ دو۔"

ثمامہ کی کایا پلٹ گئی

جگنو کو کبھی کسی سے کرنیں مانگنے کی ضرورت نہیں پڑی، نہ مور کو کبھی کسی باغ و چمن کی جستجو ہوئی ہے، وہ جہاں بھی اپنے پر کھول دیتا ہے ایک رنگا رنگ چمن اپنی بہار دکھلانے لگتا ہے۔ اسلام بھی خود اپنے جوہر میں ایک منبع نور ہے۔ یہ اپنے سے باہر کسی دلکشی کا محتاج نہیں اسلام کی سیدھی سادی سچی اور میٹھی تعلیمات میں وہ زبردست جادو ہے جو بڑے سے بڑے دشمن کا دل جیت لیتا ہے۔ ایسا ہمیشہ ہوا ہے اور آیندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ قرآن کی کشش اور انجذاب تھا جس نے عمر بن خطاب کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی محبت کا کرشمہ تھا کہ زید بن حارث اپنے ماں باپ کے پاس جانے کی بجائے رسالت مآب ﷺ ہی کی غلامی کو اپنے لیے تاجِ فضیلت سمجھتے تھے۔ سچائی متاثر نہیں ہوتی بلکہ خود سچائی کے جلوے دوسروں کو متاثر کرتے ہیں اس کا بڑا واضح نمونہ ثمامہ بن اثال کی زندگی میں ملتا ہے۔ محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ نے ثمامہ سے صرف ایک سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے بندے! کیا تو اب بھی اسلام کی صداقت کو نہیں پہچانا؟ ثمامہ یہ بول سن کر صحابہ کرام کا عظیم کردار اور مسجد نبوی کی فضا دیکھ کر ایسا موم ہوا کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ حضرت ثمامہ بن اثال نبیِ کریم ﷺ کے تیرِ محبت کا شکار ہو گئے۔ وہ آپ ﷺ کی عدیم النظیر شفقت اور اعلیٰ اخلاق سے اس قدر متاثر اور مغلوب ہو گئے کہ اب وہ چاہتے بھی تو اس در کو چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتے تھے۔

مجھ کو اپنا بنا کے چھوڑ دیا   کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

یہ عجیب لمحہ تھا جس نے اُن کی تقدیر کے کواڑ کھول دیے، ان کی آنکھوں سے نادانی کے سارے پردے ہٹا دیے،

اب وہ آپ ﷺ ہی کی محبت میں ڈوب گئے۔ ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پروانۂ آزادی مل چکا تھا۔ لیکن انھوں نے کفر کی زندگی گزارنے کے بجائے اطاعت رسول کو ترجیح دی۔ اب وہ واپس یمامہ جانے کے بجائے آپ ﷺ کی محبت ہی کے اسیر ہو گئے۔ وہ مسجدِ نبوی کے قریب ایک تالاب پر گئے، غسل کیا، پھر مسجد تشریف لائے اور دل کی گہرائیوں سے بانگِ دہل اعلان کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، يَا مُحَمَّدُ! وَاللّٰهِ! مَاكَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَاكَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ، وَ إِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَ أَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ، فَمَاذَا تَرٰى؟

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بلاشبہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اے محمد! اللہ کی قسم! پہلے مجھے روئے زمین پر آپ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی اور چہرہ برا معلوم نہ ہوتا تھا لیکن اب مجھے آپ کا چہرہ سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! پہلے مجھے آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی اور دین برا معلوم نہ ہوتا تھا مگر اب مجھے آپ ہی کا دین سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے پہلے آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا معلوم نہ ہوتا تھا، اب مجھے آپ کا شہر سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ میں عمرہ کرنے کے لیے جا رہا تھا کہ آپ کے گھڑ سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا، اب آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟‘‘

نبیِ کریم ﷺ نے انھیں مبارک باد دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔

ثمامہ رضی اللہ عنہ کی قریش کو دھمکی

ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے جب مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے پوچھا: کیا تو بے دین ہو گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہو گیا ہوں، اللہ کی قسم! اب نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے تمھارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔[1]

ترسیلِ غلہ کے لیے رسالت مآب ﷺ سے اہلِ مکہ کی التجا

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے بعد، یمامہ پہنچے اور اہل یمامہ کو حکم دیا کہ اب اہل مکہ کو غلہ نہ بھیجا جائے، انھوں نے

[1] صحيح البخاري: 4372، صحيح مسلم: 1764.

اپنے سردار کا حکم مانا اور غلہ روک لیا۔ اہل مکہ قحط سالی کی وجہ سے مردار کھانے پر مجبور ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم بھی آپ سے صلہ رحمی کے امیدوار ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو خط لکھا کہ لوگوں کو مکہ میں غلہ بھیجنے کی ممانعت نہ کرو، چنانچہ انھوں نے یہ پابندی اُٹھالی۔[1]

ثمامہ رضی اللہ عنہ کے قصے سے ماخوذ اسباق

سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ہمیں درج ذیل اسباق ملتے ہیں:

1 کافر کو مسجد میں قید کرنا جائز ہے۔

2 کافر قیدی پر احسان کرنا جائز ہے۔ خطا کار سے درگزر کی بڑی اہمیت و افادیت ہے، اس لیے کہ جب نبیِ کریم ﷺ نے ثمامہ پر احسان کرتے ہوئے انھیں چھوڑ دیا تو انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ آپ کے اس احسان نے میرے بُغض کو محبت میں تبدیل کر دیا۔

3 سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام قبول کرتے ہوئے غُسل کرنا چاہیے۔

4 کافر جب کسی بھلائی کے کام کا ارادہ کرلے، پھر اسلام قبول کر لے تو اسے نیکی کا وہ کام مکمل کرنا چاہیے جس کا اس نے ارادہ کیا تھا۔

5 احسان بُغض و کینہ ختم کرتا ہے اور دلوں میں محبت اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

6 مصلحت کے پیشِ نظر قیدی سے اچھا سلوک کرنا چاہیے، بالخصوص جب قیدی کے مسلمان ہو جانے کی امید اور اس کے قبولِ اسلام پر دوسرے بہت سے لوگوں کے مسلمان ہو جانے کا امکان ہو۔

7 اس سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ کفار کی طرف لشکر کشی کرنا ایک صحیح قدم ہے اور اس دوران میں اگر کوئی کافر ہاتھ لگ جائے تو اسے قید کرنا، زندہ رکھنا یا بوقت ضرورت قتل کرنا بھی جائز ہے۔[2]

[1] فتح الباري: 111/8، تاريخ الإسلام للذهبي (المغازي)، ص: 351، تفسير القرطبي: 76:23. [2] فتح الباري: 111/8.

غزوۂ بنولحیان

غزوے کا سبب

بنولحیان وہی لوگ ہیں جنھوں نے مقام رجیع پر سیدنا خبیب بن عدی اور سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو دھوکہ دیا تھا۔ آٹھ افراد کو شہید اور دو افراد کو قید کر لیا، بعد ازاں انھوں نے ان جلیل القدر صحابہ کو دشمنانِ اسلام اہلِ مکہ کے ہاتھ بیچ ڈالا اور دام کمائے۔ اہلِ مکہ نے انھیں بڑی بے دردی سے پھانسی دی اور اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ان اصحاب کی شہادت کا بڑا قلق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے خلاف بددعا نہیں کی تھی لیکن ان جلیل القدر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا اتنا گہرا صدمہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے تک ان کے خلاف نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے۔ چونکہ یہ لوگ عسفان کی حدود میں مکہ کے قریب آباد تھے اور اس وقت مسلمانوں اور قریش کے درمیان سخت کشاکش برپا تھی، اس لیے فوری طور پر بنولحیان سے نمٹنا ممکن نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حملے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے، جونہی ماحول سازگار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان پر چڑھائی کر دی۔
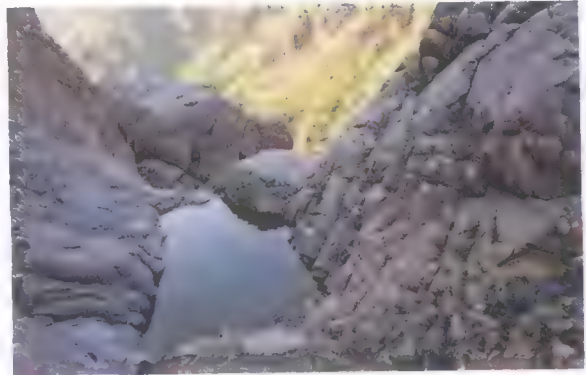
رجیع (نزد الشامیہ) میں پانی کا چشمہ

غزوے کی تاریخ

غزوہ خندق اور بنوقریظہ کے بعد مسلمان پیش قدمی کرنے پر قادر ہو گئے تھے۔ کفار کے مختلف گروہوں کے مابین پھوٹ پڑ چکی تھی۔ ان کے عزائم بودے ہو گئے تھے اور انھوں نے حالات کے سامنے بڑی حد تک گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کر لیا کہ اب بنولحیان کو سبق سکھانے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ ابن اسحاق کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح بنوقریظہ کے بعد چھٹے مہینے کے اوائل، یعنی جمادی الاولیٰ اور بقول ابن سعد ربیع الاول 6ھ

کی چاندرات کو لوگوں کی بے خبری کے عالم میں دو سو مجاہدوں کا لشکر لے کر بیس گھوڑوں کے ساتھ نکلے۔

مدینے کی نیابت

رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوے کے لیے نکلتے تو حسب ضرورت مدینہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما جاتے۔ غزوۂ بنولحیان کے لیے نکلتے ہوئے آپ ﷺ نے نابینا صحابی سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔[1]

دشمن کا تعاقب

رسول اللہ ﷺ رہبرِ کامل ہیں۔ آپ ﷺ سیاسی امور کے عظیم مدبر اور حربی و دفاعی میدان کے بے مثل سپہ سالار بھی تھے۔ آپ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کے تحت اپنے ارادے اور صحیح سمت کا واضح اظہار نہ کیا۔ آپ ﷺ نے یوں ظاہر کیا جیسے آپ ﷺ شام کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حملے کو خفیہ رکھنے کے لیے پہلے شمال کی طرف پیش قدمی کی تاکہ دشمن کو یہی محسوس ہو کہ آپ ﷺ شام پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ بنولحیان مدینہ سے جنوب کی جانب رہائش پذیر تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنوب کی طرف گھوم جانے سے پہلے علم نہ تھا کہ آپ ﷺ بنولحیان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ دشمن کو بے خبری کے عالم میں دبوچنا چاہتے تھے۔[2]

اسلامی لشکر کی گزرگاہیں

اسلامی لشکر نبیِ کریم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے نکلا۔ مدینہ سے نکل کر آپ ﷺ نے غراب نامی پہاڑ

[1] السيرة لابن هشام: 292/3، الطبقات لابن سعد: 79/2، البداية والنهاية: 151,150/4. [2] السيرة لابن هشام: 292/3، موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 743,742/1.

بنولحیان کا علاقہ (عسفان)

وادی بین (تہامہ) کی پہاڑی بستی ''المندق''

وادی غران (تہامہ) کا ایک منظر

کی راہ لی جو شام کے راستے پر واقع ہے، پھر مَخِیض ہوتے ہوئے البتراء آئے، یہاں سے آپ ﷺ بائیں جانب مڑے۔ وادیٔ بین سے ہوتے ہوئے صُخیرات الیمام (الثمام) سے گزرے، پھر آپ ﷺ نے مکہ کا رخ کیا جہاں سے حاجی گزرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سفر کی رفتار بڑھا دی اور غُرّان میں پڑاؤ ڈالا، وہاں بنولحیان کی رہائش گاہیں تھیں۔ غُرّان امج اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے جس کی وسعت مقام سایہ تک چلی جاتی ہے۔

دشمن چٹانوں کی چوٹیوں پر

رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی رہائش گاہوں کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ دشمن انتہائی چوکس تھا۔ جب سے انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا تھا، اسی وقت ہی سے انھیں ڈر تھا کہ مسلمان بدلہ لینے ضرور آئیں گے۔ انھوں نے گزرگاہوں پر اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر پاتے ہی بنولحیان پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر چھپ گئے۔

دشمن کے لیے انتباہ

رسول اللہ ﷺ جب اپنی منزل پر پہنچے تو دیکھا کہ دشمن بھاگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے دشمن کی تلاش کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں روانہ کیں تاکہ ان دھوکے بازوں میں سے کوئی ہاتھ لگے تو اسے پکڑ لائیں۔ مجاہدین دو دن تک دشمن کو تلاش کرتے رہے لیکن ان بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ گزینوں کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آپ ﷺ ان لوگوں کی سرزمین میں انھیں خوفزدہ کرنے اور انھیں چیلنج کرنے کے لیے دو دن تک قیام فرما رہے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی قوت اور خود اعتمادی کا اندازہ ہو اور وہ یہ بھی جان لیں کہ مسلمان جب چاہیں دشمن تک

پہنچنے کی قوت رکھتے ہیں۔[1]

شہداء کے لیے دعائے خیر

رسول اللہ ﷺ جس نیت اور ارادے سے آئے تھے بظاہر وہ پورا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے وادی غران میں جہاں سانحہ رجیع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی تھی، وہاں ان کے لیے دعائے خیر کی اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے رحمت و مغفرت کا سوال کیا۔

قریش مرعوب ہو گئے

وادی مون (عسفان) کی سرخ چٹانیں

رسول اللہ ﷺ لشکر سمیت مکہ کے قریب پہنچے۔ آپ ﷺ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ طے پایا کہ مکہ میں مشرکین کو بھی خوفزدہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے لشکر کے ساتھ مدینہ کے راستے میں مکہ سے دو دن کی مسافت پر واقع وادی عُسفان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

«إِنَّ قُرَيْشًا قَدْ بَلَغَهُمْ مَسِيرِي وَ أَنِّي قَدْ وَرَدْتُ عُسْفَانَ وَهُمْ يَهَابُونَ أَنْ آتِيَهُمْ فَاخْرُجْ فِي عَشَرَةِ فَوَارِسَ»

''قریش کو یہ خبر مل چکی ہے کہ میں مدینہ سے نکل کر عسفان پہنچ چکا ہوں، اب انھیں خطرہ ہے کہ میں ان پر حملہ کر دوں گا، اس لیے تم دس شہسواروں کو لے کر مکہ کی طرف بڑھو۔ (تا کہ ان کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو)۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عسفان سے 8 میل اور مکہ سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع کراع الغمیم پہنچ گئے۔ قریش کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو ان میں زبردست دہشت پھیل گئی۔ اس دستے کو بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اہل مکہ خوف کے مارے لرز رہے

1 السيرة لابن هشام: 292/3، تاريخ الطبري: 255,254/2، الطبقات لابن سعد: 79/2، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 743/1.

ہیں تو وہ واپس چل پڑے اور صحیح سلامت لشکرِ اسلام کے ساتھ آ ملے۔[1]

ابن اسحاق اور طبری نے دس کے بجائے دو شہسواروں کا کراع الغمیم تک جانے کا ذکر کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ واپسی پر دعا

14 دن باہر گزارنے کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب عسفان سے واپس مدینہ آنے کے لیے سفر شروع کیا تو یہ دعا پڑھی:

«آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ عَلَى الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ! بَلِّغْنَا بَلَاغًا صَالِحًا يَبْلُغُ إِلٰى خَيْرٍ، مَغْفِرَةً مِّنْكَ وَ رِضْوَانًا.»

”ہم توبہ کرنے والے، رجوع کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔ اے اللہ! میں سفر کی تکان، واپسی کی تکلیف اور اہل وعیال میں نظر بد سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! ہمیں نیک مقصد تک پہنچا جو ہمیں بھلائی تک پہنچائے۔ میں تجھ سے مغفرت اور تیری رضا کا طلب گار ہوں۔“[3]

رسول اللہ ﷺ والدہ ماجدہ کی قبر پر

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ بنولحیان سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستے میں اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی لیکن اجازت نہ ملی اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا اُولِي قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ○﴾ (التوبة 9:113)

”نبی (ﷺ) اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا مانگیں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ بلاشبہ وہ دوزخی ہیں۔“[4]

---

1 المغازي للواقدي :37,36/2، الطبقات لابن سعد :79/2، شرح الزرقاني على المواهب :108,107/3. 2 السيرة لابن هشام :293/3، تاريخ الطبري :255/2. 3 المغازي للواقدي :37/2، إمتاع الأسماع :258/1. 4 صحيح مسلم : 976، موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :745/1.

غزوۂ غابہ

اس غزوے کو غزوۂ غابہ، غزوۂ ذوقرد اور سریہ سعید بن زید بھی کہا جاتا ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس غزوے کو غزوۂ غابہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ شام کی جانب مدینہ سے تقریباً 22 کلومیٹر دور ''غابہ'' نامی چراگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی دودھیل اونٹنیاں چر رہی تھیں کہ بنو غطفان کے ذیلی قبیلہ بنو فزارہ کے لوگوں نے حملہ کیا اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔ اسے غزوۂ ذوقردہ اس لیے کہتے ہیں کہ جب بنو فزارہ کے لوگ اونٹنیاں لے جا رہے تھے تو نبیِ کریم ﷺ نے ان کا تعاقب کر کے انھیں ذوقرد نامی جگہ پر پالیا تھا۔ ذوقرد کا علاقہ مدینہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے 35 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس مہم کو سریہ سعید بن زید اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہراول کے طور پر جو دستہ روانہ فرمایا، اس کا امیر سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

غزوے کا سبب

نبیِ کریم ﷺ غزوۂ بنولحیان سے فراغت کے بعد واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ عیینہ بن حصن نے چالیس افراد کے ساتھ غابہ نامی چراگاہ میں آپ ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا ہے اور ان کے چرواہے

خلیل ڈیم کی جھیل (غابہ)

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر کے ان کی بیوی لیلیٰ کو قیدی بنا لیا ہے۔[1]

آئیے اب ہم اس غزوے کی تفصیلات کا مطالعہ کریں۔

غزوے کی تاریخ

غزوۂ ذوقرد (غابہ) کس سن ہجری کو ہوا؟ اس بارے میں اہل سیر و مغازی اور محدثین میں اختلاف ہے۔ سیرت نگار اور اہل مغازی اس غزوے کی تاریخ حدیبیہ سے پہلے بتاتے ہیں جبکہ محدثین کے نزدیک یہ غزوہ خیبر سے پہلے اور حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحیح مسلم میں سیدنا سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ ''ہم غزوہ (ذوقرد) سے واپس مدینہ آئے تو اللہ کی قسم! ہم مدینہ میں صرف تین راتیں ہی ٹھہرے تھے کہ ہم خیبر کی طرف نکلے۔''[2]

ابن سعد کہتے ہیں کہ غزوہ ذوقرد ربیع الاول اور بقول بعض دیگر مؤرخین کے جمادی الاولیٰ 6 ھ میں پیش آیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک اس غزوے کی تاریخ شعبان 6 ھ ہے۔ صحیح مسلم کے شارح امام قرطبی رحمہ اللہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیرت نگاروں میں اس امر پر قطعاً اختلاف نہیں کہ غزوۂ ذوقرد حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا۔ البتہ سیدنا سلمہ والی روایت میں کسی راوی کا وہم ہے کہ یہ حدیبیہ کے بعد ہوا۔ بعد ازاں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ان دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ خیبر سے پہلے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کوئی دستہ بھیجا ہو اور وہ اپنی آپ بیتی سنا رہے ہوں۔ اور اس کے بعد وہ خیبر کے لیے نکلے ہوں۔ اس کی تائید ابن اسحاق کی اس بات سے بھی ہوتی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر سے پہلے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ دستہ دے کر روانہ کیا تھا۔

[1] البداية والنهاية: 151/4، السيرة لابن هشام: 294/3. [2] صحيح مسلم: 1807.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علامہ قرطبی کی اس تطبیق سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں: سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا سیاق اس تطبیق کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں ہے:

حِينَ خَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

''جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔''

لہٰذا دلائل کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ ذوقرد کی جو تاریخ صحیح بخاری و مسلم میں ہے وہ سیرت نگاروں کی بیان کردہ تاریخ سے زیادہ صحیح ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ عیینہ بن حصن نے آپ ﷺ کی اونٹنیوں پر دو مرتبہ غارت گری کی ہو، پہلی مرتبہ حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ حدیبیہ کے بعد۔ اس کی تائید امام حاکم کی روایت سے بھی ہوتی ہے، انھوں نے اپنی کتاب ''الإکلیل'' میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ذوقرد کی طرف دو مرتبہ نکلے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں

رسول اللہ ﷺ کی مختلف مہمات سے حاصل ہونے والی بیس دودھیل اونٹنیاں تھیں۔ ان میں سے بعض غزوہ ذات الرقاع میں بطورِ مالِ غنیمت اور کچھ اونٹنیاں نجد سے سریہ محمد بن مسلمہ میں دستیاب ہوئی تھیں۔ یہ ربذہ کی چراگاہ کی طرف واقع البیضاء نامی چراگاہ اور اس کے گرد و نواح میں چرتی تھیں۔ جب وہاں گھاس اور چارہ ختم ہوگیا تو چرواہوں نے انھیں الغابہ نامی چراگاہ میں چرانا شروع کر دیا۔ ان کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ کے غلام رباح رضی اللہ عنہ[2] مامور تھے۔[3]

---

1 فتح الباري لابن حجر: 575,574/7، شرح الزرقاني على المواهب: 110,109/3. 2 بعض روایات میں ہے کہ رباح سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کے غلام تھے۔ ممکن ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کی ملکیت ہوں اور وہ دونوں کی خدمت کرتے ہوں، اس لیے دونوں کی طرف منسوب ہو گئے ہوں۔ (فتح الباري: 575/7) 3 المغازي للواقدي: 38/2.

وادی جن کی تفریح گاہ البیضا

کتب سیرت میں اونٹنیوں کی چراگاہ غابہ بتائی گئی ہے جبکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے کہ وہ اونٹنیاں ذوقرد میں چر رہی تھیں۔ اس حوالے سے علامہ شریف کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بسا اوقات وہ غابہ نامی چراگاہ میں چرتی تھیں اور کبھی ذوقرد میں چرتی تھیں۔ [1]

ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے ان اونٹنیوں کی نگرانی کے لیے جانے کی اجازت دیجیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ مِنْ هٰذِهِ الضَّاحِيَةِ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكَ وَنَحْنُ لَا نَأْمَنُ مِنْ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنٍ وَّ ذَوِيهِ هِيَ فِي طَرَفٍ مِّنْ أَطْرَافِهِمْ»

''بے شک مجھے تمھارے بارے میں یہ خطرہ ہے کہ تم پر دشمن اس کھلی جانب سے حملہ کرے گا۔ ہم عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں سے بھی بے خوف نہیں۔ یہ جگہ ان کی چراگاہ کی جانب میں ہے۔''

ابوذر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت عنایت فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اصرار دیکھا تو فرمایا:

«لَكَأَنِّي بِكَ قَدْ قُتِلَ ابْنُكَ وَ أُخِذَتِ امْرَأَتُكَ وَجِئْتَ تَتَوَكَّأُ عَلٰى عَصَاكَ»

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تمھارے بیٹے کو قتل اور تمھاری بیوی کو گرفتار کر لیا جائے گا اور تم لاٹھی ٹیکتے ہوئے آؤ گے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ خود کلامی کے انداز میں زیر لب کہنے لگے: تعجب ہے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: ''مجھے یوں لگ رہا ہے......'' مگر میں پھر بھی اصرار کیے جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت دے دی۔ پھر وہی سانحہ ظہور میں آیا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدشہ ظاہر فرمایا تھا۔

ابن حصن کی غارت گری

عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر فزاری بنو غطفان کے ایک گروہ کو لے کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ وہ وہاں سے چالیس افراد کو لے کر غابہ میں اتر آیا۔ بعض روایات کے مطابق ان لٹیروں کا سرغنہ عبدالرحمٰن بن عیینہ

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 111/3.

تھا۔ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ بنوفزارہ کا رئیس مسعدہ بھی اس لوٹ مار میں شریک تھا، چنانچہ چالیس افراد کے اس گروہ نے نہتے چرواہوں پر حملہ کر دیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ذر کو قتل کر دیا، ان کی بیوی لیلیٰ کو قیدی بنا لیا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔

مقداد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی بے چینی

مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر حملہ ہوا، اس رات میرا گھوڑا بڑا بے چین تھا، وہ بار بار اپنے پاؤں زمین پر مارتا اور ہنہناتا تھا۔ ابوسعید (مقداد) کہنے لگے کہ یہ ضرور کسی الجھن میں مبتلا ہے، آؤ ہم دیکھتے ہیں۔ ہم نے اس کی رسی کو دیکھا تو گھوڑے نے گھوم گھوم کر اس کے گرد چارہ لپیٹ رکھا تھا۔ مجھے خیال گزرا شاید اسے پانی کی ضرورت ہے۔ میں نے پانی رکھا لیکن اس نے منہ بھی نہ لگایا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا بات ہے، چارہ بھی وافر ہے، پانی بھی موجود ہے، اس کے باوجود گھوڑا بار بار اپنے پاؤں زمین پر پٹخے جا رہا ہے اور ہنہنا رہا ہے، فجر کا وقت ہوا تو میں نے اس پر زین کسی اور اپنا اسلحہ تھام کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی لیکن وہاں کوئی خلافِ معمول بات نہ دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کر اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہو گئے۔ میں بھی واپس گھر آ گیا۔ گھوڑے کی زین اتاری اور تیر کمان رکھ کر لیٹ گیا۔ گھوڑے کو چین نہیں آ رہا تھا کہ اچانک کسی نے آ کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی کارگزاری

مسجد عبدالرحمن بن عوف (خیبر)

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صبح سویرے غابہ کی طرف جا رہا تھا تاکہ اونٹنیوں کا دودھ لا کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں صبح سویرے اپنا تیر کمان تھامے شکار کی نیت سے گھر سے نکلا۔ راستے میں عبدالرحمٰن بن عوف کا غلام رباح ملا، اس نے مجھے بتایا کہ ابن حصن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی اونٹنیاں ہانک کر لے گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے پاس طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا۔ میں نے وہ گھوڑا رباح کو دیا اور کہا: یہ گھوڑا طلحہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا دینا اور جاؤ جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غارت گری کی اطلاع کرو۔ رباح کے ذمے یہ کام لگا کر میں سلع پہاڑی پر چڑھا اور مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ زور سے آواز لگائی: یَا صَبَاحَاهُ! ''ہائے صبح کا حملہ۔'' میں نے اتنے زور سے آواز دی کہ حرہ واقم اور حرہ وبرہ کے مابین سب لوگوں تک میری آواز پہنچ گئی۔

کفار کا تعاقب

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ کوئی شہسوار بھی انھیں پکڑ نہیں سکتا تھا۔ وہ پکار لگا کر کفار کے پیچھے دوڑ پڑے اور ان پر تیر برسانے لگے، ساتھ ساتھ وہ یہ شعر بھی پڑھتے جاتے تھے:

خُذْهَا وَ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ   اَلْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''لو اسے سنبھالو اور میں اکوع کا بیٹا ہوں۔ آج کا دن کمینے لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے۔''

سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں برابر ان کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتا رہا۔ ان کا کوئی سوار میری طرف پلٹ کر آتا تو میں کسی درخت کے پیچھے اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور اس پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دیتا تھا۔ جہاں تنگ اور دشوار گزار پہاڑی راستہ آجاتا، وہ وہاں گھس جاتے، میں پہاڑ پر چڑھ جاتا اور ان پر پتھروں کی بارش برساتا۔ میں نے اپنی کارروائی اسی طرح جاری رکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جانور بھی ایسا نہ تھا جسے میں نے چھڑا کر اپنے پیچھے نہ کر لیا ہو۔ (بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس اونٹنیاں چھڑا لی گئی تھیں) دشمن نے مویشیوں کو آزاد کر دیا کیونکہ اب اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی رفتار بڑھانے کے لیے اپنا بوجھ ہلکا کرنا شروع کر دیا حتی کہ انھوں نے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس نیزے راستے میں پھینک دیے۔ وہ جو چیز پھینکتے، میں اس پر پتھر رکھ دیتا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی شناخت کر سکیں۔

ہنگامی حالت کا اعلان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی آواز پہنچ چکی تھی، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بھی آکر صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا، مزید برآں رباح بھی مدینہ پہنچ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بطور ہنگامی حالت خطرے کا اعلان کرا دیا۔ منادی نے چہار سُو اعلان کر دیا: اَلْفَزَعَ اَلْفَزَعَ. ''پریشانی، پریشانی'' یہ اعلان سن کر شہسوار تیار ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے آئے۔ سب سے پہلے سیدنا مقداد بن عمرو (اسود) رضی اللہ عنہ آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ شاہسوار جو نبی ﷺ کی جانب سے اعلان پہ فوری حاضر ہوئے

نوح علیہ السلام
سام

عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ ← کنانہ ، اسد

کنانہ ← نضر ، عبدمناۃ

نضر
مالک
فہر (قریش)
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبدمناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
رباح الاسود

عبدمناۃ
بکر
ضمرہ
مُلیل
غفار
حرام
صُعیر
مُلیل
عمرو
قیس
جُنادہ
جُندب
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

اسد
دودان
غنم
کبیر
مرہ ← قیس ، عبداللہ

قیس
حُرثان
مِحصن
عکاشہ رضی اللہ عنہ

عبداللہ
نضلہ
مُحرز رضی اللہ عنہ

قحطان
سبا ← حمیر ، کہلان

حمیر
قضاعہ
مالک
ثعلبہ
لوی
ذہیر
سعد
عمرو
مطرود
ثمامہ
ربیعہ
مالک
ثعلبہ
عمرو
مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ

کہلان
ازد
عمرو مزیقیا ← حارثہ ، ثعلبہ بہلول

حارثہ
افصی
اسلم
سلامان
مالک
خزیمہ
قشیر
عبداللہ
اکوع
سلمہ رضی اللہ عنہ

ثعلبہ بہلول
حارثہ ← اوس ، خزرج اکبر

اوس
مالک
عمرو
خزرج اصغر
حارث
حارثہ
جشم ← زید ، زعوراء

عبدالاشہل ← زعوراء ، کعب

زعوراء
زُغبہ
وقش
بشر
عباد رضی اللہ عنہ

کعب
عبد
مالک
زید
سعد رضی اللہ عنہ

زید
عمرو
زید
عدی
رافع
ظہیر
اُسید رضی اللہ عنہ

زعوراء
عبدالاعلم
عمرو
عبید
مالک
تیہان
مالک رضی اللہ عنہ

خزرج اکبر
جشم ← غضب ، تزید (یزید)

غضب
مالک
عبدحارثہ
زُریق
عامر
مخلدہ
یزید
صامت
زید (معاویہ)
(ابوعیاش) عبید رضی اللہ عنہ

تزید (یزید)
ساردہ
راشد
علی
سعد
سَلِمہ
کعب
غنم
عبید
خُناس
بلدمہ
ربعی
ابوقتادہ (حارث) رضی اللہ عنہ

اسید بن حضیر (بنو حارثہ) کے علاقے میں مسجد مستراح

نے ان کے نیزے پر جھنڈا باندھ دیا۔ ان کے بعد انصار میں سے بنو عبدالاشہل کے عباد بن بشر بن وقش بن زغبہ، بنو کعب بن عبدالاشہل کے سعد (سعید) بن زید، بنو حارثہ بن حارث کے اُسید بن ظہیر (جن کے متعلق شک ہے،) بنو اسد بن خزیمہ کے عکاشہ بن محصن اور محرز بن نضلہ، بنوسلمہ کے ابو قتادہ حارث بن ربعی اور بنو زریق کے ابوعیاش عُبید بن زید بن صامت رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ سارے مجاہدین آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے سعد (سعید) بن زید رضی اللہ عنہ کو اس دستے کا امیر مقرر فرما کر دشمن کے تعاقب کا حکم دیا اور فرمایا:

«أُخْرُجْ فِي طَلَبِ الْقَوْمِ حَتّٰى أَلْحَقَكَ فِي النَّاسِ»

''دشمن کی تلاش میں نکلو، میں بھی لوگوں کے ساتھ تم سے آ ملوں گا۔''

نبی ﷺ کا فرمان ثابت ہو کے رہا!

جب شہسوار روانہ ہونے لگے تو نبی کریم ﷺ نے ابوعیاش رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا أَبَا عَيَّاشٍ! لَوْ أَعْطَيْتَ هٰذَا الْفَرَسَ رَجُلًا هُوَ أَفْرَسُ مِنْكَ فَلَحِقَ بِالْقَوْمِ»

''ابوعیاش! مناسب ہوتا کہ تم اپنا یہ گھوڑا کسی ایسے شخص کو دے دیتے جو تم سے زیادہ (ماہر) شہسوار ہوتا اور وہ دشمن کو جلدی جا دبوچتا۔''

ابوعیاش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان سب سے بہترین شہسوار ہوں۔ پھر میں نے اپنے گھوڑے کو چابک مارا تو اللہ کی قسم! ابھی وہ پچاس ہاتھ ہی دوڑا ہوگا کہ اس نے مجھے زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ اب مجھے آپ ﷺ کی بات یاد آئی اور اپنے جواب پر تعجب بھی ہوا۔ سبحان اللہ! آپ ﷺ کا فرمان کس قدر سچ ثابت ہوا!

ان کے خاندان بنو زریق کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا گھوڑا معاذ بن ماعص یا عائذ بن ماعص بن قیس بن خلاد رضی اللہ عنہ کو، جو اس جماعت میں آٹھویں فرد تھے، دے دیا۔ بعض لوگ سیدنا سلمہ بن

اکوع رضی اللہ عنہ کو آٹھواں شمار کرتے ہیں اور اسید بن ظُہیر رضی اللہ عنہ کو اس جماعت سے خارج بتلاتے ہیں جبکہ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ پیادہ ہی دشمن کا تعاقب کر رہے تھے حتی کہ اسلامی دستہ ان سے جا ملا۔

سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کی دہشت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح سویرے ہی سے مسلسل دشمن کو تیروں سے چھلنی کر رہے تھے حتی کہ وہ بھاگتے بھاگتے اور جان چھڑاتے گھاٹی کے تنگ موڑ پر جا ٹھہرے اور کھانا کھانے لگے۔ وہ فرماتے ہیں: میں چوٹی پر جا بیٹھا۔ اسی دوران میں ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ اس نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ اوپر کون بیٹھا ہے؟ انھوں نے بتایا: اسی شخص نے تو صبح سے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہمارے ہاتھ جو کچھ لگا تھا، وہ سب اس نے چھڑا لیا ہے۔ اس آدمی نے کہا: ایسا نہ ہو کہ یہ شخص جو دکھائی دے رہا ہے، اس کے پیچھے کوئی اور جستجو کرنے والا یعنی جماعت موجود ہو جس نے تمھیں چھوڑ دیا ہو، تم میں سے ایک جماعت کو اس کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے، چنانچہ ان میں سے چار لوگ گھیرا ڈال کر پہاڑی پر چڑھے حتی کہ اس قدر قریب آگئے کہ وہ میری آواز سن سکتے تھے۔ میں نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا: تمھی بتا دو: کون ہو؟ انھوں نے بتایا: میں اکوع کا بیٹا ہوں، تم میں سے جسے بھی چاہوں گا، اسے ایک دم دھرلوں گا اور جو کوئی میرے پیچھے دوڑے گا، وہ مجھے ہرگز نہ پا سکے گا۔ وہ یہ سن کر واپس چلے گئے۔

بطور نائب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا تقرر

دشمن آس پاس ہی تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو خالی چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو جانبازوں کو مدینہ منورہ کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ انھوں نے پانچ راتوں تک مدینہ منورہ کا پہرہ دیا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

مجاہدین کے لیے غذائی کمک

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلتے ہوئے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذو قرد نامی چشمے پر پہنچ گئے تو سیدنا سعد بن عبادہ نے اپنے بیٹے قیس بن سعد کے ہاتھ کئی بورے کھجور اور دس اونٹ بھیجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سامانِ رسد دیکھا تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو فرمایا:

«يَا قَيْسُ! بَعَثَكَ أَبُوكَ فَارِسًا وَّقَوّٰى الْمُجَاهِدِينَ وَ حَرَسَ الْمَدِينَةَ مِنَ الْعَدُوِّ، اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْ سَعْدًا وَّ آلَ سَعْدٍ!»

''اے قیس! تجھے تیرے باپ نے بھیجا ہے، مجاہدین کو قوت بخشی ہے اور مدینے کا دشمن سے بچاؤ کیا ہے۔ اے اللہ! سعد اور آل سعد پر رحم فرما۔''

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ دشمن کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ کے شہسوار دشمن کے تعاقب کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنواسد بن خزیمہ سے تھا۔ ان کا لقب اخرم تھا، لوگ انھیں قُمیر بھی کہتے تھے۔ جب مدینہ میں دشمن کی غارت گری کے خطرے سے تحفظ کے لیے اجتماع کا اعلان ہوا تو محمود بن مسلمہ (بروایت واقدی محمد بن مسلمہ) رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے، جو ان کے باغ میں بندھا ہوا تھا، دوسرے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی اور اپنی جگہ جولانی کرنے لگا۔ یہ بہت عمدہ، سدھایا ہوا طاقتور گھوڑا تھا۔ باغ میں کھجور کے جس تنے سے وہ بندھا ہوا تھا، اس کے گرد تیزی سے چکر کاٹتے دیکھ کر بنوعبدالاشہل کی عورتوں نے محرز سے کہا: اے قمیر! دیکھو یہ گھوڑا کس طرح شوخی کر رہا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم اس پر سوار ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچو اور ان کے شانہ بشانہ دشمن سے لڑو۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ تیار ہوگئے۔ ان عورتوں نے وہ گھوڑا انھیں دے دیا، وہ اس پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھوں نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا، وہ نہ صرف بہت جلد ہراول دستے سے جا ملا بلکہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا راستہ کاٹتے ہوئے سب سے آگے جا نکلا۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی میری دشمن کے ان چار افراد کے ساتھ بات جاری تھی جو گھیرا ڈال کر پہاڑی پر چڑھ آئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار پہنچ گئے۔ وہ درختوں کے بیچ میں تھے۔ سب سے آگے محرز تھے، ان کے پیچھے ابوقتادہ اور ان کے پیچھے مقداد رضی اللہ عنہم تھے۔ مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ میں پہاڑ سے اترا اور محرز رضی اللہ عنہ کے آگے جا پہنچا۔ میں نے ان سے کہا: اے محرز! اس جماعت سے بچو، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ تمھیں شہید کر دیں گے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے یہاں آ جانے تک انتظار کرو۔

سیدنا محرز رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سلمہ! اگر تمھیں اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہے اور تم جانتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان کے گھوڑے کی

لگام چھوڑ دی۔ ان کی عبدالرحمٰن بن عیینہ سے ٹکر ہوئی۔ اخرم نے اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے جوابی وار کر کے انھیں شہید کر دیا اور محرز کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ کا خواب

شہادت سے ایک روز پہلے سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آسمان کو دیکھا تو اس کے دروازے میرے لیے کھول دیے گئے، میں آسمانِ دنیا میں داخل ہوا حتی کہ ساتویں آسمان تک چلا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ تمھارا گھر ہے۔ تو میں نے اپنا خواب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کیا، وہ خوابوں کی تعبیر کے ماہر تھے۔ انھوں نے میرے خواب کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: مبارک ہو، تمھیں شہادت نصیب ہونے والی ہے۔ اس سے اگلے ہی دن اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت کے بلند مرتبے پر فائز کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن عیینہ واصل جہنم ہوا

عبدالرحمٰن بن عیینہ نے نیزہ مار کر اخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، ان کے پیچھے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ اس پر پل پڑے، دونوں میں مقابلہ ہوا۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے لیکن انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو واصلِ جہنم کر کے دم لیا۔ پھر وہ گھوڑا جس پر عبدالرحمٰن بن عیینہ بیٹھ گیا تھا وہاں سے پلٹ کر تیزی سے مدینہ کی طرف بھاگا، دشمن اس پر قابو نہ پاسکا۔ وہ پھر بنوعبدالاشہل کے محلے میں پہنچ کر اسی باغ میں آ گیا جہاں وہ پہلے بندھا ہوا تھا۔ اس گھوڑے کا نام ذوالِلّمہ تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عیینہ کو قتل کر کے گھوڑے پر خود سوار ہو گئے تھے۔ ابن اسحاق نے مقتول کافر کا نام حبیب بن عیینہ لکھا ہے۔ بہرحال سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقتول کی لاش پر کپڑا ڈال دیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہچان لیں کہ یہ ابوقتادہ کا شکار ہے۔ پھر وہ دشمن کے تعاقب میں نکل گئے۔

دشمن کا فرار

فزاری قزاقوں نے جب اپنے ساتھی کی یہ درگت دیکھی تو وہ بھاگ نکلے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پیدل ہی ان کا تعاقب کر رہا تھا اور ان پر تیر اندازی کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ رجزیہ کلام بھی پڑھ رہا تھا۔

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

''میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کمینے لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے۔''

وہ بھاگتے ہوئے گھاٹی کے ایک تنگ موڑ پر پہنچے، وہاں ذوقرد نامی پانی کا چشمہ تھا۔ پیاس سے ان لوگوں کا برا

حال ہوا جا رہا تھا۔ وہ پانی پینے کے لیے رکے لیکن مسلسل تیروں کی بارش دیکھ کر انھوں نے بھاگنے ہی میں خیریت سمجھی، چنانچہ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پی سکے اور وہاں سے بھاگ گئے۔

ایک نیزے سے دو شکار

دشمن کا تعاقب کرنے والوں میں سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ بھی تھے، دشمن کے دو آدمی اوبار (اثار) اور اس کا بیٹا عمرو ایک ہی اونٹ پر سوار تھے، عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ان پر ایسا کاری وار کیا کہ اپنے نیزے میں دونوں باپ بیٹے کو پرو لیا اور ان دونوں کو قتل کر دیا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سورج غروب ہو چکا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو، ایک روایت کے مطابق سات سو جانباز لے آئے۔ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو راستے میں عبدالرحمٰن (یا حبیب) بن عیینہ کی لاش ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ لوگوں نے سمجھا شاید ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور کہا: ابوقتادہ شہید ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ بِأَبِي قَتَادَةَ وَلٰكِنَّهُ قَتِيلٌ لِأَبِي قَتَادَةَ، وَضَعَ عَلَيْهِ بُرْدَهُ لِتَعْرِفُوا أَنَّهُ صَاحِبُهُ»

''یہ ابوقتادہ نہیں بلکہ ان کا مقتول ہے، انھوں نے اس پر اپنی چادر ڈال دی ہے تاکہ تمھیں پتہ چل جائے کہ یہ ابوقتادہ کا شکار ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، پہاڑ سے اتر کر ذوقرد چشمے پر لوگوں سے ملے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ میں صبح سے دشمن کو ناکوں چنے چبوا رہا تھا۔ میں دشمن کے تعاقب سے واپس آیا تو میرا چچا عامر پانی اور دودھ لے کر آیا۔ میں نے وضو کیا، دودھ پیا، پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دشمنوں سے جو کچھ چھینا اور چھڑایا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ ذبح کیا، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی کلیجی اور کوہان بھونا۔

ابن اکوع رضی اللہ عنہ کی دلیری

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ لوگ سخت پیاسے تھے، وہ اس چشمے سے پانی پینا چاہتے تھے لیکن میں نے انھیں اس کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا۔

مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان جانبازوں میں سے سو افراد لے کر ان کا پیچھا کروں، وہ ابھی دور نہیں گئے ہوں گے۔ میں ان کا سارا مال چھین کر اور انھیں ان کی گردنوں سے پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ آپ ﷺ میرے جذبات دیکھ کر خوشی سے ہنسے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَرَاكَ كُنْتَ فَاعِلًا؟»

''کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ایسا کرلو گے؟''

میں نے عرض کی: جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت بخشی ہے! میں ایسا ضرور کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ! مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ»

''اکوع کے بیٹے! تم نے قابو پالیا ہے تو اب نرمی برتو۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَّهُمْ لَيُقْرَوْنَ فِي أَرْضِ غَطْفَانَ»

''بلاشبہ اس وقت غطفان کی سرزمین میں ان کی مہمان نوازی ہو رہی ہے۔''

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمُ الْآنَ لَيُغْبَقُونَ فِي غَطْفَانَ»

''اس وقت وہ غطفان (کی سرزمین) میں رات کی شراب پی رہے ہیں۔''

اسی دوران میں بنو غطفان کا ایک آدمی آیا، اس نے بتایا کہ فلاں غطفانی نے ان کے لیے اونٹ ذبح کیا ہے۔ اسلام کے شاہین فوراً ان کی طرف لپکے۔ ابھی وہ اونٹ کی کھال اتار رہے تھے کہ انھوں نے غبار اڑتا ہوا دیکھا تو کسی نے کہا: بس اب تم پکڑے گئے۔ یہ سنتے ہی ہلچل مچ گئی اور جس کا جدھر سینگ سمایا وہیں بھاگ گیا۔

سلمہ بن اکوع اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہما کا اعزاز

جب اسلام کے شاہین واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُوقَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا الْيَوْمَ سَلَمَةُ»

''آج کے بہترین شہسوار ابو قتادہ ہیں اور آج کے بہترین پیادے سلمہ بن اکوع ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے مجھے مالِ غنیمت میں سے دو حصے پیادہ اور سوار کا حصہ مرحمت فرمایا۔

اسلامی لشکر کی واپسی

نبیِ کریم ﷺ نے ذوقرد میں ایک دن اور ایک رات قیام فرمایا، پھر مدینہ کا رخ کیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی سواری پر پیچھے بٹھا لیا۔ ابھی ہم ذوقرد اور مدینہ منورہ کے درمیان پہنچے تھے کہ چاشت کا وقت ہوگیا۔ اس جماعت میں بہت تیز دوڑنے والے ایک انصاری صحابی تھے جن سے آگے بڑھنے کی طاقت کسی میں نہیں تھی۔ انھوں نے آواز لگائی: کیا ہے کوئی دوڑنے والا جو مدینے تک دوڑ کا مقابلہ کرے گا؟ پہلے میں برداشت کرتا رہا اور سنتا رہا، انھوں نے اپنا چیلنج کئی مرتبہ دہرایا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا، میں نے ان سے کہا: نہ تو تم کسی معزز آدمی کی عزت کا خیال کرتے ہو نہ کسی شریف سے ڈرتے ہو۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اجازت ہو تو میں اس شخص سے دوڑ لگاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو (تو لگاؤ)۔'' میں نے اس انصاری سے کہا: چلو میں چلتا ہوں۔ انھوں نے سواری سے چھلانگ لگائی اور نیچے کود پڑے۔ میں نے بھی اپنے پاؤں سمیٹے اور نیچے اتر آیا۔ پھر دوڑ شروع ہوئی۔ میں نے ابتدا میں جانے بوجھے انھیں تھوڑا آگے رہنے دیا، پھر دوڑ لگائی حتی کہ میں ان سے مل گیا اور ان کے دونوں کندھوں کے بیچ میں گھونسا مارا اور کہا: میں تم سے آگے بڑھ گیا ہوں، کامیابی اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ہنسے اور کہا: میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے نہیں جیت سکو گے۔ پھر ہم دوڑتے ہوئے مدینہ آگئے۔

شہداء کے اسمائے گرامی

مسلمانوں میں سے صرف سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ انھیں عبدالرحمٰن بن عیینہ نے شہید کیا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ کے بقول انھیں اوبار نے شہید کیا تھا اور علامہ دمیاطی کہتے ہیں کہ انھیں مَسعدہ بن حَکَمہ نے شہید کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تینوں افراد انھیں شہید کرنے میں شریک ہوں، البتہ راجح قول کے مطابق ان کا قاتل عبدالرحمٰن بن عیینہ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا تذکرہ صحیح بخاری میں ہے۔

جمہور سیرت نگاروں اور مؤرخین کے نزدیک اس غزوے میں شہید ہونے والے صرف سیدنا محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ لیکن ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس دن محرز کے ساتھ وقاص بن مُجزّز مدلجی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔

مقتولین کفار

کفار میں سے قتل ہونے والے بدنصیب لوگوں میں عبدالرحمٰن بن عیینہ یا حبیب بن عیینہ ہے، اس کو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ مسعدہ بن حکمہ بھی ابوقتادہ کا شکار بنا۔ اوبار اور اس کا بیٹا عمرو سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے نیزے کا نشانہ بنے۔ بروایت واقدی حبیب بن عیینہ کو مقداد رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا تھا۔

مجاہدین کے گھوڑوں کے نام

سیدنا محمود (محمد) بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام ذواللمہ تھا۔ سعد بن زید رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو لاحق کہتے تھے۔ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو بَعزَجہ کہا جاتا تھا۔ بقول بعض سبحہ کہتے تھے۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام بھی ذواللمہ یا الجناح تھا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام حزوہ تھا۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا المّاع کہلاتا تھا۔ اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام مسنون تھا اور ابوعیاش رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا نام جُلوہ تھا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ میں ہر سو کے درمیان ایک اونٹ تقسیم فرمایا۔

لیلیٰ کی نجات

مشرکین نے غارت گری کے دوران میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو شہید کر دیا تھا اور ان کی بیوی لیلیٰ کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ ایک رات جب سب لوگ سو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قید سے نجات دی۔ وہ اونٹوں کے باڑے میں داخل ہوئیں، ایک اونٹ کے قریب ہوئیں تو وہ بلبلایا، وہ پیچھے ہٹ گئیں۔ پھر ایک اونٹنی کے پاس گئیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی تھی۔ انھوں نے اس کی رسی کھولی، اس کی پشت پر تھپکی دی اور اس پر سوار ہو کر قید خانے سے نکل بھاگیں، کچھ دیر گزری تو دشمنوں کو خبر ہوگئی، انھوں نے تعاقب شروع کر دیا لیکن وہ اونٹنی کی رفتار کو نہ پہنچ سکے۔ لیلیٰ رضی اللہ عنہا صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئیں۔

احسان کا بدلہ احسان ہونا چاہیے

مدینہ پہنچ کر لیلیٰ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ کو سارے حالات سے آگاہ کیا، پھر بتایا: اللہ کے رسول! میں نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر میں صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئی تو اس اونٹنی کو ذبح کروں گی اور

اس کا جگر اور کوہان کھاؤں گی۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

"بِئْسَمَا جَزَيْتِهَا أَنْ حَمَلَكِ اللّٰهُ عَلَيْهَا وَنَجَّاكِ، ثُمَّ تَنْحَرِينَهَا إِنَّهُ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيمَا لَا تَمْلِكِينَ، إِنَّمَا هِيَ نَاقَةٌ مِّنْ إِبِلِي فَارْجِعِي إِلٰى أَهْلِكِ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ»

''تو نے اسے بہت برا بدلہ دیا۔ اللہ نے تمھیں اس پر سوار کیا اور نجات دی، پھر بھی تم اسے ذبح کرو گی؟ اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں، نہ اس چیز میں نذر ہے جو تمھاری ملکیت نہیں، یہ اونٹنی میری ہے۔ تم اپنے گھر جاؤ، اللہ تمھیں برکت دے۔''[1]

[1] صحيح مسلم: 1807، مسند أحمد: 52/4، فتح الباري: 575/7-578، شرح الزرقاني على المواهب: 109/3-119، السيرة لابن هشام: 294/3-298، الطبقات لابن سعد: 80/2، 84، تاريخ الطبري: 255/2-260، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 745/1-748.

سریّہ غمر

الغمر جو غمر مرزوق کے نام سے معروف ہے۔ یہ مدینہ کے اطراف میں فَید سے دو دن کی مسافت پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ کثیر پانی والا چشمہ تھا۔ یہاں بنو اسد کے لوگ آباد تھے۔

سریے کا سبب

قدیم فَید کے حجری آثار

آپ غزوۂ احزاب کے ذیل میں پڑھ آئے ہیں کہ بنو اسد کے لوگ طلیحہ بن خویلد کی قیادت میں معرکۂ خندق میں احزاب کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرنا ضروری تھا تاکہ انھیں یہ سبق مل جائے کہ مسلمانوں کی عسکری قوت اس پوزیشن میں ہے کہ وہ جب چاہیں بنو اسد کے قلب تک پہنچ سکتے ہیں۔

سریے کی تاریخ اور روانگی

رسول اللہ ﷺ نے ربیع الثانی 6 ھ میں سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو چالیس افراد کے ساتھ الغمر کی طرف بھیجا۔ ان میں سیدنا ثابت بن اقرم، سیدنا شجاع بن وہب اور سیدنا یزید بن رُقیش رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ فرزندانِ اسلام تیزی سے سفر کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھے۔ لیکن وہ اپنے ہدف کو نہ پا سکے کیونکہ ان لوگوں کو مجاہدین کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی پیش قدمی کا پتہ چل گیا تھا، اس لیے وہ اپنے گھر چھوڑ کر بالائی علاقے کی طرف بھاگ گئے۔

دشمن کا فرار اور مخبر کی گرفتاری

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب وہاں پہنچے تو وہاں کوئی بشر نہ تھا۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے چہار جانب جاسوس بھیجے لیکن مفروروں

کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ صرف شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ ایک خبر لائے کہ انھوں نے چوپاؤں کے قدموں کے نشانات دیکھے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فوراً اس طرف لپکے۔ راستے میں انھیں دشمن کا ایک مخبر مل گیا۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ رات بھر مجاہدین کی جاسوسی کرتا رہا اوران کی باتیں سنتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ مجاہدین نے اسے جھنجوڑا، پوچھا کہ مقامی لوگ کہاں گئے؟ اس نے کھسیانی بلی بنتے ہوئے انجانے پن کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگا: لوگ؟ وہ تو اوپر پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں۔ مجاہدین نے پوچھا: جانور کہاں ہیں؟ اس نے کہا: مویشی تو وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

مخبر نے سب کچھ اگل دیا

مخبر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوالوں کا ٹھیک جواب نہیں دے رہا تھا، وہ آئیں بائیں شائیں کرتا رہا، بالآخر ایک صحابی نے اس کے ہاتھ پر کوڑا مارتے ہوئے کہا: بتاتے ہو یا کوئی اور طریقہ استعمال کریں۔ اس نے ڈر کے مارے فوراً کہا: جان کی امان پاؤں تو سب کچھ بتاتا ہوں۔ مجاہدین نے اسے جان کی امان دے دی اس نے کہا: میں آپ کو اپنے چچازاد بھائیوں کے جانوروں کے بارے میں بتاتا ہوں۔ انھیں تمھارے آنے کی کوئی خبر نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ٹھیک ہے۔

دشمن کے اونٹ دھر لیے گئے

مجاہدین اس مخبر کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ وہ مجاہدین کو دور لے گیا۔ مسلمانوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ شخص دھوکا دے رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تو ہمیں ساری بات سچ سچ بتا دے اگر تو نے ہیرا پھیری کی تو ہم تیری گردن تن سے جدا کر دیں گے۔ اس نے کہا: تم اس چوٹی سے ان پر دھاوا بول دو، چنانچہ اللہ کے شیر اس کے بتائے ہوئے راستے سے اوپر چڑھے تو واقعتاً وہاں جانور چر رہے تھے۔ مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا اور تمام اونٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ بدو لوگ اس ناگہانی حملے سے گھبرا گئے اور اپنے جانور چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کرنے سے منع کر دیا۔ وہ دو سو اونٹ ہانک کر مدینہ لے آئے اور اس مخبر کو چھوڑ دیا۔ اس طرح یہ چھوٹا سا اسلامی لشکر مالِ غنیمت حاصل کر کے بحفاظت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 85,84/2، المغازي للواقدي: 47/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 741,740/1.

1

سریہ ذوالقصہ

سریے کی تاریخ اور لشکر کی تشکیل

بنو ثعلبہ کے علاقے میں وقرِ فجحان نامی چشمہ

رسول اللہ ﷺ نے ربیع الثانی 6 ھ میں ذوالقصہ میں آباد بنو ثعلبہ اور بنو عُوال کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ بھیجا۔ ذوالقصہ ربذہ کی طرف مدینہ سے 45 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس دستے کے امیر سیدنا محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ساتھ جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ سیدنا ابونائلہ، حارث بن اوس، ابوعبس بن جبر، نعمان بن عصر، مُحَیصہ بن مسعود، حُویصہ بن مسعود، ابوبردہ بن نیار کے علاوہ دو صحابہ قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے اور ایک صحابی غطفانی تھے۔

اسلامی دستے کا محاصرہ

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے، رات کو اپنی منزل پر پہنچے۔ دشمن کے جاسوس نے پہلے ہی اطلاع کر دی، چنانچہ دشمن کے سو افراد گھات لگا کر چھپ گئے۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نیند آ گئی۔ دشمن نے موقع غنیمت جانا اور اس اسلامی دستے کا محاصرہ کر لیا اور ان پر تیر چلانے شروع کر دیے، سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو زور سے آواز دی اور کہا: اپنے ہتھیار سنبھالو۔ یہ سنتے ہی سارے جانباز یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ کافی دیر تک دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

بدوؤں کی یلغار اور مجاہدین کی شہادت

یہ حملہ بڑا بھیانک اور اچانک تھا۔ تیراندازی کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ بدوؤں نے

نیزے نکال کر زبردست یلغار کی اور مسلمانوں کے تین ساتھی شہید کر دیے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر پوری جانبازی سے حملہ کیا اور ایک مشرک ٹھکانے لگا دیا۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ اور لڑائی کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے باقی ساتھیوں کو بھی شہید کر دیا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بری طرح زخمی ہوگئے۔ یہ نڈھال پڑے تھے، کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہوگئے ہیں۔ ایک مشرک نے ان کے ٹخنے پر نیزہ مارا لیکن انھوں نے حرکت نہ کی، چنانچہ وہ سب کو شہید سمجھ کر واپس چلے گئے، جاتے جاتے انھوں نے ان شہداء کے کپڑے بھی اتار لیے اور ان کے گھوڑے بھی لے اڑے۔

سالارِ لشکر کی واپسی

کچھ دیر بعد اتفاقاً ایک مسلمان وہاں سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت شہید کر دی گئی ہے۔ اس نے إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ مسلمان ہے، انھوں نے حرکت کی تو وہ مسلمان ان کے قریب آگیا اور انھیں کھانا اور پانی دیا۔ انھوں نے کھانا تناول فرمایا، پانی پیا، پھر وہ شخص انھیں اپنی سواری پر بٹھا کر مدینہ لے آیا۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر کی لڑائی لڑی گئی تو میری نظر ایسے شخص پر پڑی جو ذوالقصہ میں ہم پر حملہ آوروں میں شریک تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو میرے پاس آیا اور کہا: میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں نے اسے مبارک باد دی۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد :85/2، زادالمعاد :281/3، المغازي للواقدي :48/2، سبل الهدٰى والرشاد :79/6.

2

سریہ ذوالقصہ

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے نو ساتھی شہید ہوگئے تھے، خود سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوچکے تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کا شدید رنج تھا۔ ادھر بنو ثعلبہ، بنو محارب اور بنو انمار کے علاقے میں خشک سالی تھی۔ ان لوگوں کو جہاں بھی بارش کی اطلاع ملتی، یہ فوراً ادھر کا رخ کر لیتے۔ انھیں پتہ چلا کہ مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع مَراض نامی جگہ سے تغلمین تک بارش ہوئی ہے۔ یہ لوگ مراض چلے گئے۔ وہاں جا کر ان کی نیت میں فتور آگیا۔ انھیں معلوم ہوا کہ مدینہ سے سات میل کے فاصلے پر ہیفا نامی چراگاہ میں مسلمانوں کے جانور چر رہے ہیں۔ انھوں نے ان جانوروں کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔

دشمن بھاگ گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح ان کے منصوبے کا علم ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 6ھ ربیع الثانی کے آخر میں ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چالیس افراد کا لشکر روانہ کیا تاکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا بدلہ بھی لیا جائے اور ان لوگوں کو ایسا سبق سکھایا جائے کہ انھیں مسلمانوں کے اموال لوٹنے کی جرأت نہ ہو۔ سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نماز مغرب کے بعد اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے صبح کے وقت دشمن تک جا پہنچے۔ دشمن نے خطرے کی بُو محسوس کر لی، وہ فوراً پہاڑوں پر چڑھ کر ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔

مجاہدین اسلام نے دیکھا کہ وہاں سوائے ایک آدمی کے اور کوئی نہیں ہے۔ انھوں نے اس شخص کو گرفتار کر لیا، دشمن کے جانور اور سامان اپنے قبضے میں لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آگئے۔ قیدی مسلمان ہوگیا تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ پانچواں حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس رکھا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم فرما دیے۔[1]

1 الطبقات لابن سعد: 86/2، المغازي للواقدي: 49/2، سبل الهدٰى والرشاد: 81/6.

تیماء
حائل
صحرائے نفوذ
جبل سلمی
فید
الغمر
(غمر مرزوق)
مدائن صالح
العلا
البدائع
جبال حجاز
قطن
عقلہ صخور
فدک
خیبر
نقرہ
وادی عیص
عیص
عین المبارک
بواط
قردہ
وادی نخل
جبل رضوی
الطرف
(نخل)
ربذہ
بُرحسون
(بنوقرطاء)
مدینہ منورہ
وادی قناۃ
نجد
ینبع
وادی بطحان
الحمراء
بدر
ریانہ
معدن بنی سلیم
(مہدالذہب)
دفینہ
صفینہ
ابواء
مستورہ
رابغ
الجحفہ
ظلم
حویہ
قدید
المریسیع
حجاز
برکہ
الرجیع
(بنولحیان)
عسفان
جموم
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
بقران
تہامہ
جبال عسیر
بیشہ
بلجرشی
احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ محمد بن مسلمہ (قرطاء)
غزوہ بنولحیان (الرجیع)
غزوہ ذی قرد
سریہ عکاشہ بن محصن اسدی (غمر مرزوق)
سریہ محمد بن مسلمہ (ذوالقصہ)
سریہ ابوعبیدہ بن جراح (ذوالقصہ)

سریۂ جموم

جموم، نجد کے علاقے میں ایک چشمہ ہے۔ یہاں بنوسلیم رہتے تھے۔ غزوہ احزاب میں ان کے سات سو جنگجو ابوسفیان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرِ جنگ رہے، اس لیے ان کے خلاف تادیبی کارروائی ضروری تھی تاکہ وہ آئندہ ایسا اقدام نہ کرسکیں اور انھیں معلوم ہو جائے کہ مسلمان اپنے دفاع کے ساتھ ساتھ دشمن کے علاقے میں گھس کر اینٹ سے اینٹ بجانے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔

نبیِ ﷺ نے ربیع الثانی 6 ھ میں جموم میں بنوسلیم کی طرف ایک دستہ بھیجا۔ اس دستے کے کمانڈر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مجاہدین ان کے علاقے میں پہنچے تو وہ لوگ تتر بتر ہوگئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں مزینہ قبیلے کی ایک عورت ملی۔ اس کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے مجاہدین کو بنوسلیم کے ٹھکانوں کا پتہ بتا دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں حملہ کیا تو وہاں سے کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ مسلمانوں کی قید میں آگئے۔ ان قیدیوں میں حلیمہ مزنیہ کا شوہر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے اونٹ اور بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مالِ غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلیمہ کو بنوسلیم کا پتہ بتانے کے عوض اس کے شوہر سمیت آزاد کردیا۔ بلال بن حارث مزنی نے اس بارے میں کہا:

لَعَمْرُكَ مَا أَخْنَى الْمَسُولُ وَلَا وَنَتْ   حَلِيمَةُ حَتّٰى رَاحَ رَكْبُهُمَا مَعَا

”تیری زندگانی کی قسم! جس سے سوال کیا گیا تھا، اس نے کوتاہی کی، نہ حلیمہ ہی تھکی حتی کہ دونوں کی سواری ساتھ ساتھ روانہ ہوئی۔“[1]

[1] عیون الأثر لابن سید الناس، ص:306، الطبقات لابن سعد:86/2.

سریۂ عیص

جمادی الاولیٰ 6 ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ آپ ﷺ کے داماد اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص قریش کا تجارتی کارواں لے کر شام سے واپس آرہے ہیں۔ جناب ابوالعاص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نبیِ کریم ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ عیص کی طرف روانہ کیا، یہ علاقہ سمندر کے قریب مدینہ سے تقریباً 180 کلو میٹر شمال مغرب میں ہے۔ جب قافلہ عین نشانے پر آگیا تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سارا مال اور صفوان بن امیہ کی ڈھیر ساری چاندی ہاتھ لگی۔

ابوالعاص سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ میں

کچھ لوگ گرفتار ہوئے، کچھ بھاگ گئے۔ امیرِ کارواں ابوالعاص نے بھاگ کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ مانگ لی۔ انھوں نے پناہ دے دی۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے اس پناہ کو قبول کیا اور قافلے کا سارا مال بھی واپس کر دیا۔ اس بے مثال حسنِ خلق سے متأثر ہو کر سیدنا ابوالعاص مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ اس واقعے کی مکمل تفصیل اسی انسائیکلو پیڈیا کی جلد پنجم میں درج ہے۔[1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا: 5/520-523.

حرات لنبہ کے دامن میں قصبہ العیص

سریۂ الطَرَف

کے نواح میں بسنے والے اسلام دشمن قبائل بالخصوص وہ قبیلے جو مسلمانوں کے خلاف احزاب کے ساتھ مل کر لڑائی
[illegible]
کے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، ان کی گوشمالی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جمادی ثانیہ 6 ھ میں پندرہ جانبازوں کے ساتھ الطرف نامی چشمے کی طرف بھیجا۔ یہ چشمہ مدینہ سے تقریباً 66 کلومیٹر دور المراض کے قریب اس راستے پر واقع تھا جو البقرہ سے المحجہ کو جاتا ہے۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ جب الطرف پہنچے تو مقامی دیہی لوگ دیکھ کر یہ سمجھے کہ اس دستے کے پیچھے خود رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور یہ مسلمانوں کا ہراول دستہ ہے۔ ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ اپنے جانور چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ ان کا کوئی آدمی ہاتھ نہیں آیا، البتہ ان کے بیس اونٹ اور کچھ بکریاں ہاتھ لگیں۔ مجاہدین چار روز بعد مالِ غنیمت لے کر واپس مدینہ تشریف لائے۔ ان کا شعار (Code Word) ''أَمِتْ أَمِتْ'' تھا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 87/2، عیون الأثر، ص: 307.

بنی ثعلبہ کے قدیم محل کے حجری آثار

سریہ وادی القریٰ

رجب 6ھ میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں بارہ آدمیوں کا دستہ وادی القریٰ کی جانب روانہ کیا۔ اس کا مقصد دشمن کی نقل وحرکت معلوم کرنا تھا۔ جب ان مجاہدین نے وادی القریٰ کے علاقے میں پڑاؤ کیا تو دشمن دبک گیا اور موقع کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جونہی موقع ملا وادی القریٰ کے باشندوں نے اس چھوٹی سی جماعت پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے نو ساتھی شہید ہوگئے، صرف تین بچے جن میں خود سیدنا زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[1]

[1] الرحیق المختوم، ص:335.

وادی القریٰ کا ایک خوبصورت منظر

سریّہ دومۃ الجندل

جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی لشکر جن دور دراز مقامات پر گئے، یہ ان میں سب سے دور جانے والا لشکر تھا۔ دومۃ الجندل اس وقت کے شام کی سرحد کے قریب واقع ہے اور دمشق سے اس کی جتنی مسافت ہے، اس سے یہ تین گنا زیادہ مدینہ سے دور ہے۔ یہ مقام عرب کے صحرائے نفود کے عین بیچ میں روم اور جزیرہ نمائے عرب کے مابین تعلق کا ذریعہ تھا۔ اس کے باسی کلب قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اہلِ روم عیسائی تھے اور بنو کلب ان کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے ان سے بہت متاثر تھے اور عیسائیت قبول کر چکے تھے، چنانچہ دومۃ الجندل کی طرف جانے والا یہ اسلامی لشکر رومی سلطنت سے ٹکراؤ کے نبوی منصوبے کا ایک حصہ تھا۔[1]

سریے کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سات سو مجاہدین کا لشکر شعبان 6 ھ میں دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور آغاز ہی سے دعوتِ اسلامیہ کے اہم رکن بن گئے۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 137,136/1.

جنگ کا مقصد

اس سریے کے دو نمایاں پہلو تھے: 1 دعوتی نقطۂ نظر 2 جنگی نقطۂ نظر۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ وہ ابتدائے اسلام ہی سے اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تربیت یافتہ مجاہد تھے۔ اس جنگ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«تَجَهَّزْ فَإِنِّي بَاعِثُكَ فِي سَرِيَّةٍ مِّنْ يَّوْمِكَ هٰذَا أَوْمِنْ غَدٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''تیاری کرلو، میں تمھیں آج یا کل جنگ پر روانہ کرنے والا ہوں۔ ان شاء اللہ۔''

ابن عوف رضی اللہ عنہ کی دستار بندی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: صبح میں مسجد ہی میں تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، ابوسعید خدری اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن کو حکم دیا تھا کہ رات ہی کو سفر شروع کر دو اور دومۃ الجندل پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ لیکن آپ ﷺ نے انھیں فجر کی نماز میں دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مَا خَلَّفَكَ عَنْ أَصْحَابِكَ؟»

''تجھے تیرے ساتھیوں سے کس چیز نے پیچھے رکھا؟''

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھی سحری کے وقت ہی جا چکے تھے اور مقام الجرف میں اکٹھے

عبداللہ بن مسعود پرائمری سکول، جبیل (سعودی عرب)

ہو رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر عرض کیا: اللہ کے رسول! میرا جی چاہتا تھا کہ میں سفر کا لباس پہن کر سب سے آخر میں آپ سے مل کر جاؤں۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سر پر سیاہ پگڑی باندھ رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی پگڑی کے پیچ کھولے پھر خود اپنے دستِ مبارک سے پگڑی باندھی، اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا اور ان سے فرمایا:

«هٰكَذَا فَاعْتَمَّ يَا ابْنَ عَوْفٍ!»

''ابن عوف! اس طرح پگڑی باندھا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ کی ابن عوف رضی اللہ عنہ کو وصیت

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغُلَّ وَلَا تَغْدِرْ وَلَا تَقْتُلْ وَلِيدًا»

''اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اللہ کے نام سے جنگ کرو اور جو شخص اللہ کا انکار کرے اس سے لڑو۔ خیانت مت کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔''[1]

پانچ کے بدلے پانچ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ، وَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَّضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ يَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ»

1 المغازي للواقدي: 57/2، السيرة لابن هشام: 280/4، سبل الهدٰى والرشاد: 93/6.

"اے مہاجروں کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہوگئے (تو ان کی سزا ضرور ملے گی) اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم انھیں پاؤ: 1 جب کسی قوم میں بے حیائی علانیہ ہونے لگتی ہے تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گزرے ہوئے لوگوں میں نہیں ہوتی تھیں۔ 2 جب بھی وہ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، انھیں قحط سالی، روزگار کی تنگی اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے سے سزا دی جاتی ہے۔ 3 جب وہ اپنے مالوں کی زکاۃ دینا بند کرتے ہیں تو ان سے آسمان کی بارش روک لی جاتی ہے اور اگر جانور نہ ہوں تو انھیں کبھی بارش نصیب نہ ہو۔ 4 جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا عہد توڑتے ہیں تو ان پر دوسری قوموں میں سے دشمن مسلط کر دیے جاتے ہیں، وہ ان سے ان نعمتوں میں سے کچھ چھین لیتے ہیں جو ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ 5 جب بھی ان کے امام، حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے، اسے اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں باہم لڑائی ڈال دیتا ہے۔"[1]

ابن عوف رضی اللہ عنہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جھنڈا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ انھوں نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا۔ وہ جھنڈا لے کر، آپ ﷺ کی ہدایات سن کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام جرف پر اپنے لشکر سے آملے۔ وہاں سے انھوں نے اپنے اصلی ہدف دومۃ الجندل کا رخ کیا۔

دومۃ الجندل میں انقلاب

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل پہنچ گئے اور وہاں کے باسیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے دن دعوت دی، پھر بھی وہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ تیسرا دن تھا کہ بنوکلب کا عیسائی سردار اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا۔ اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد بنوکلب کے بہت سے باشندوں کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ انھوں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ کچھ لوگ عیسائیت ہی پر اڑے رہے، انھوں نے اسلام قبول نہ کیا، وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ اب مسلمان اسلامی احکام نافذ ہونے کی وجہ سے خوشحال اور آزادانہ زندگی گزارنے لگے اور جو مسلمان نہیں ہوئے، وہ جزیہ دے کر امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس انقلاب کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ کو لکھ بھیجی۔

[1] سنن ابن ماجه: 4019، السيرة لابن هشام: 280/4.

کلبی سردار کی بیٹی سے ابن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی

اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہوگیا۔ دومۃ الجندل کی کایا پلٹ گئی۔ علاقے میں مکمل امن و امان ہوگیا، اب سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ کلب میں شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شادی کی اجازت لینے کے لیے قبیلۂ جہینہ کے صحابی رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھیں پیغام دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا عبدالرحمٰن قبیلہ کلب میں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پیغام پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا کہ عبدالرحمٰن سے کہنا کہ تماضر بنت اصبغ سے شادی کرلو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے روانہ کیا تو انھیں نصیحت فرمائی:

«إِنِ اسْتَجَابُوا لَكَ فَتَزَوَّجِ ابْنَةَ مَلِكِهِمْ أَوِ ابْنَةَ سَيِّدِهِمْ»

''اگر وہ تمھاری دعوت قبول کرلیں (اور مسلمان ہو جائیں) تو ان کے حکمران یا سردار کی بیٹی سے شادی کرلینا۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تماضر رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی اور انھیں مدینہ لے آئے۔ ان کے بطن سے سیدنا عبدالرحمٰن کے صاحبزادے ابوسلمہ پیدا ہوئے۔ اس لیے تماضر بنت اصبغ رضی اللہ عنہا ام ابوسلمہ کے نام سے معروف ہوئی۔ [1]

سبق آموز باتیں

اس سریے سے ہمیں بہت سے اسباق ملتے ہیں، مثلاً:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طرح کی خاطر مدارات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے بڑھاتی تھی اور انھیں دین کی مزید خدمت پر آمادہ کرتی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قائد اور ماتحتوں میں اخوت ومحبت کامیابی کی ضمانت ہے۔
- سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا یہ لشکر عقیدے کی اصلاح اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھانے نکلا اور اس نے لق و دق صحرا کی وسعتیں عبور کر کے مشرکوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ لشکر مقاصدِ جہاد کی تکمیل کا ذریعہ بنا۔ اس سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کی جنگ اللہ تعالیٰ کے منکروں سے ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ مسلمانوں کی جنگ جاہلیت کے طرز اور اصولوں پر نہیں ہوتی جیسا کہ اس شعر میں جاہلیت کی جنگوں کا تذکرہ ہے:

1 دلائل النبوة للبيهقي: 85/4، المغازي للواقدي: 58/2، سبل الهدى والرشاد: 94/6.

وَأَحْيَانًا عَلٰى بَكْرٍ أَخِينَا إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

"جب ہم اپنے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہ پائیں تو کبھی کبھی ہم اپنے بھائی بنو بکر ہی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

- رسول اللہ ﷺ نے سالارِ لشکر کو خیانت، یعنی قبل از تقسیم، مالِ غنیمت سے کچھ لینے سے، بدعہدی سے اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ یہ اسلامی جہاد کے آداب کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ جنگ میں عموماً ظلم وستم ڈھایا جاتا ہے لیکن ان مسلمانوں کے نزدیک جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خیانت اور حسد سے پاک رکھا ہے، یہی جنگ حق کو غالب کرنے اور باطل کو دبانے کا ذریعہ بنتی ہے، مسلمان صرف حق کو غالب کرتے، اہل حق کی مدد کرتے اور ظالم کو ظلم سے روکتے ہیں۔ جہادِ اسلامی اخلاقِ عالیہ کا حامل ہے۔ یہ اخلاق انسان کو قوت دیتے اور اس میں نرمی اور رحم دلی کے اوصاف پیدا کرتے ہیں۔
- دومۃ الجندل میں بنوکلب کے سردار اصبغ کا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا، جعفر بن ابی طالب کے ہاتھ پر نجاشی کا قبول اسلام اور سیدنا مصعب کے ہاتھ پر سردارانِ اوس وخزرج کے قبول اسلام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ یہ تینوں جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کے اولین سپوت تھے۔
- دومۃ الجندل اسلام کے دشمن رومیوں کے خلاف ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔ روم کے دور دراز علاقے میں جنگ کے لیے اس سے بہتر کوئی قلعہ اور مرکز نہ تھا۔
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بنوکلب کے سردار کی بیٹی سے شادی کرنا دومۃ الجندل کے نئے مسلمان حکمران اور اسلامی ریاست مدینہ کے درمیان روابط کو مزید مستحکم کرنے کا ذریعہ بنی۔ یہ امر اسلامی دعوت کے لیے بڑا مفید تھا کیونکہ سسرالی رشتہ قرب کا ذریعہ ہے جو اسبابِ عداوت کو جڑ سے اکھاڑ کر بالآخر اسلام میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔[1]

[1] السيرة النبوية للصلابي :2/326-329، التربية القيادية للدكتور الغضبان : 4/172-174، التاريخ الإسلامي للحميدي : 6/184 و 186.

سریۂ مدین

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مدین کی طرف بھیجا۔ ان کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے غلام ضمیرہ اوران کے بھائی بھی تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور بندرگاہ پر بسنے والے لوگوں میں سے بہت سے افراد قیدی بنا لیے، پھر انھیں فروخت کیا گیا اور فروخت کرتے وقت ماں اور اس کے بچے کو اکٹھا رکھنے کا دھیان نہیں رکھا گیا، یعنی ماں کسی کے ہاتھ فروخت کر دی اور اس کا بچہ کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس طرح ماں اور بچے کی جدائی دونوں کے لیے تکلیف در تکلیف کا سبب بنی۔

ممتا کا احترام

رسول اللہ ﷺ ان قیدیوں کی طرف تشریف لائے تو انھیں روتے دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ کو ان کے رونے کا سبب بتایا گیا کہ ان میں جدائی ڈال دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبِيعُوهُمْ إِلَّا جَمِيعًا»

''انھیں اکٹھا ہی فروخت کرو۔''

یعنی ماں اور اس کی اولاد میں جدائی مت ڈالو۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 284/4.

البدع (مدین) میں قوم شعیب کے آثار

سریۂ فدک

فدک مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے چھ دن کی دوری پر واقع ہے۔ یہاں بنوسعد بن بکر آباد تھے۔ بنوقینقاع اور بنونضیر کے بہت سارے یہودی خیبر جا بسے تھے۔ انھیں اپنی جلاوطنی پر بہت غصہ تھا۔ اب وہ رسول اللہ ﷺ پر بھرپور وار کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے وہ گاہے گاہے شرارتیں بھی کرتے اور نجدی قبائل کو بھڑکاتے رہتے تھے۔ اب وہ بنوسعد بن بکر کو اپنا معاون بنا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چل گیا کہ بنوسعد بن بکر خیبر کے یہودیوں کی مدد کے لیے لشکر تیار کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے شعبان 6 ھ میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سو مجاہدین دے کر بھیجا۔ یہ لشکر بہت محتاط تھا، رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ جاتا تھا۔ مجاہدین تیزی سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راستے میں ہمج نامی کنویں کے پاس بنوسعد کا ایک جاسوس ہاتھ لگ گیا۔ اسے بنوسعد نے خیبر بھیجا تھا تاکہ یہودِ خیبر سے اس بارے میں گفت و شنید کرے کہ بنوسعد اہلِ خیبر کی مدد ضرور کریں گے لیکن اس شرط پر کہ انھیں خیبر کی کھجوروں میں حصہ دار بنایا جائے اور دوسروں کی طرح انھیں بھی نوازا جائے۔

مجاہدین کی کامیابی

مجاہدین نے اس جاسوس کو پکڑ لیا اور اس سے بنوسعد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں، اس نے کہا:

فدک (الحائط) کے آثار

مجھے جان کی امان دے دو تو تمھیں سب کچھ بتا دوں گا۔ مجاہدین نے اسے جان کی امان دے دی اور خبردار کیا کہ سب کچھ صحیح صحیح بتانا ورنہ تمھارا وہ حشر ہوگا کہ یاد کرو گے، چنانچہ اس نے بنوسعد کے گھروں اور مویشیوں کے متعلق ٹھیک ٹھیک رہنمائی کی۔ اس اطلاع کی روشنی میں مجاہدین نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔

بنوسعد اس اچانک اور بھیانک حملے سے سنبھل نہ سکے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ محمد (ﷺ) کے جاں نثار اس قدر اچانک اور زور دار حملہ کریں گے۔ بنوسعد کا سردار وبر بن عُلَیم بار برداری کے اونٹ، اپنے قبیلے کے بچے، عورتیں اور سب مردوں کو لے کر بھاگ گیا۔ بنوسعد کے پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مجاہدین کے قبضے میں آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس مال غنیمت سے ایک دودھیل اونٹنی نبی کریم ﷺ کے لیے الگ کر دی۔ اس اونٹنی نے ابھی چند دن پہلے ہی بچہ دیا تھا۔ یہ اونٹنی مالِ خمس سے الگ خالصتاً نبی کریم ﷺ کے لیے تھی۔ بعد ازاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ (خمس) الگ کیا اور باقی سارا مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔[1]

1 المغازي للواقدي :60,59/2، تاريخ الطبري :287,286/2، الطبقات لابن سعد :90,89/2.

مسجد علی بن ابی طالب، جناح (ہرمزگان، ایران)

احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ الجموم (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ عیص (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ الطرف (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ وادی القریٰ (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ دومۃ الجندل (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ)
سریہ مدین (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ)
سریہ فدک (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)
دومۃ الجندل
جبل حسمیٰ
(جبل ارم)
مدین
تبوک
تیماء
صحرائے نفوذ
مدائن صالح
العلا
البدائع
وادی القریٰ
جبال حجاز
الوجہ
وادی الحمض
خیبر
فدک (الحائط)
نقرہ
وادی نخل
قردہ
ذوالقصہ
ذی قرد
الطرف
الجموم
ربذہ
نجد
مدینہ منورہ
وادی قناۃ
وادی بطحان
عیص
وادی عیص
عین المبارک
بواط
وادی بواط
جبل رضویٰ
ینبع
الحمراء
بدر
مصر
حرہ
معدن بنی سلیم
صفینہ
ابواء
مستورہ
رابغ
وادی رابغ
الجحفہ
قدید
وادی قدید
المریسیع
حجاز
حویہ
برکہ
الرجیع
عسفان
جموم
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
بقران

سریۂ ام قرفہ

ام قرفہ کا تعارف

ام قرفہ ایک عورت کا نام ہے۔ یہ ربیعہ بن بدر فزاری کی بیٹی تھی۔ قوت وحفاظت میں اس کا نام بطورِ ضرب المثل بیان کیا جاتا تھا۔ اہل عرب کسی کے حفاظتی انتظامات اور قوت ظاہر کرنا چاہتے تو کہتے:

أَعَزُّ وَ أَمْنَعُ مِنْ أُمِّ قِرْفَةَ .

”یہ تو ام قرفہ سے بھی بڑھ کر غالب آنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔“

اس کے گھر میں ہر وقت پچاس شمشیر زن سربکف تیار رہتے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام قرفہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کی کنیت ام قرفہ تھی۔ اس کا اصل نام فاطمہ بنت ربیعہ تھا۔ یہ وادی القریٰ کے ایک طرف مدینہ سے سات رات کی مسافت پر رہتی تھی۔

ام قرفہ کے جارحانہ جذبات

ام قرفہ بوڑھی عورت تھی، انتہائی گستاخ اور بد زبان تھی۔ رسالتِ مآب ﷺ کی شان میں گستاخی گویا اس کی روحانی غذا تھی۔ ایک دفعہ اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں پر مشتمل تیس افراد کا جتھا تیار کیا اور انھیں حکم دیا کہ مدینہ پر حملہ کر دو اور محمد (ﷺ) کو قتل کر ڈالو۔ یہ عورت اسلام اور نبیِ اسلام ﷺ کی سخت دشمن تھی۔

سریے کی تاریخ اور سبب

یہ سریہ ماہ رمضان 6 ھ میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما تجارت کی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اموال بھی تھے۔ راستے میں جب وادی القریٰ سے گزرے تو بنوفزارہ کی شاخ بنوبدر کے کچھ لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو بہت مارا پیٹا اور ان کے اموال بھی چھین لیے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے آ کر رسول ﷺ کو سارا ماجرا سنایا تو جب یہ صحت یاب

ہوگئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایک دستہ دے کر بنو بدر فزاری کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔

مجاہدین کی مہم جوئی

رسول اللہ ﷺ نے فوجی دستے کو روانہ کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی:

«اُكْمُنُوا النَّهَارَ وَ سِيرُوا اللَّيْلَ»

''تم دن کو چھپے رہنا اور رات کو سفر کرنا۔''

یہ چھوٹا سا اسلامی دستہ سالارِ اعظم ﷺ کی ہدایت کے مطابق دن کو چھپ جاتا اور رات کو سفر کرتا۔ بنو بدر کو یقین تھا کہ مسلمان اپنا مال واپس لینے ضرور آئیں گے، چنانچہ انھوں نے جاسوس پھیلا دیے۔ یہ لوگ دن رات پہاڑوں پر چڑھے رہتے راستے دیکھتے رہتے اور اندازہ لگاتے کہ مسلمان کدھر سے حملہ آور ہوں گے۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے ایک رات پہلے ایسا اتفاق ہوا کہ اسلامی دستے کا رہبر راستہ بھول گیا اور جس وقت تک اسلامی دستے کو وہاں پہنچنا چاہیے تھا، اس وقت اسلامی دستہ ایک رات کی مسافت پیچھے تھا۔ بنو بدر کو یقین ہوگیا کہ مسلمان اب نہیں آئیں گے۔

بنو بدر پر حملہ

مسجد زید بن حارثہ، السویس (سویز، مصر)

بنو بدر اطمینان سے سو گئے، مجاہدین راستہ بدل کر رات کی تاریکی ہی میں وہاں جا پہنچے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہہ رکھا تھا کہ جب میں تکبیر کی آواز بلند کروں تو تم میرے بعد تکبیر کا نعرہ لگانا، چنانچہ سالارِ مجاہدین نے جب دشمن کا گھیراؤ کرلیا تو نعرہ تکبیر بلند کیا۔ مجاہدین نے بھی بلند آہنگی سے اللہ اکبر کہا۔ دشمن کے بہت سے آدمی قتل ہوگئے۔ مسعدہ بن حکمہ کے دو بیٹے نعمان اور عبیداللہ بھی قتل کر دیے گئے۔

گستاخ عورت کا حشر

ام قرفہ، اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر فزاری اور عبداللہ بن مسعدہ بن حکمہ بن مالک کو گرفتار

کر لیا گیا۔ سیدنا قیس بن مُحَسِّر نے نعمان بن مسعدہ، عبداللہ بن مسعدہ بن حکمہ اور گستاخِ رسول ام قرفہ کو قتل کر دیا۔ یوں وہ بدبخت اپنے انجام کو پہنچی۔

اسلامی لشکر کی واپسی

مسلمان بڑے شاداں وفرحاں تھے۔ انھوں نے بڑی اہم کامیابی حاصل کی تھی۔ دشمن اسلام ام قرفہ کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ان کے جنگجو قتل کیے۔ ام قرفہ کی بیٹی کو لونڈی بنایا۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما صحیح سلامت مدینہ پہنچے اور سیدھے نبی ﷺ کی خدمت میں چلے گئے۔ آپ ﷺ کاشانۂ اقدس میں تھے۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے دروازے پر دستک دی، آپ ﷺ اپنا لباس مبارک گھسیٹتے ہوئے تیزی سے باہر آئے اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ انھیں گلے لگایا اور ان کا ماتھا چوما۔ پھر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنی مہم کی تفصیل سنائی اور قیدیوں کے بارے میں آگاہ کیا۔

ام قرفہ کی بیٹی جاریہ بنت مالک کو سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا، اس لیے وہ انھی کے پاس تھی، وہ بے حد معزز خاندان سے تھی۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ سے ام قرفہ کی بیٹی کو مانگا تو انھوں نے وہ لونڈی آپ ﷺ کو ہبہ کر دی۔ آپ ﷺ نے وہ لونڈی اپنے ماموں حَزن بن ابووہب کو ہبہ کر دی۔ پھر اس کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حزن پیدا ہوئے۔[1]

عبداللہ بن مسعدہ کو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں آزاد کر دیا۔[2]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 91,90/2، تاريخ الطبري: 287/2. [2] أسد الغابة: 73/3.

سریّۂ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

سریے کا سبب

بنونضیر سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی ابورافع سلام بن ابی الحُقَیق لوگوں کو اسلامی حکومت کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف نفرت اس کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے غطفان اور اس کے اردگرد کے مشرک قبائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور انھیں بڑے انعام کا لالچ دیا۔ اس کا یہ سازشی کردار زبان زد عام تھا۔ احزاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھا کرنے والوں میں ایک یہ شخص بھی تھا، اس لیے اس کو لگام ڈالنا بہت ضروری تھا۔

سریے کی تاریخ

اسلام کے اس بہت بڑے دشمن کو ٹھکانے لگانا آسان نہ تھا کیونکہ وہ اپنے علاقے کا سردار تھا۔ حاشیہ نشینوں کی ایک بہت بڑی جماعت ہر وقت اس کے اردگرد رہتی تھی۔ لیکن قوتِ ایمانی سے لبریز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام دشمن قوتوں سے ٹکرانا جانتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان 6 ھ میں عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت روانہ کیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 91/2.

قلعہ کعب بن اشرف (مدینہ منورہ)

بنوخزرج کی مسابقت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ انعام بھی کیا کہ اوس وخزرج کے انصار ہمیشہ آپ ﷺ کی خیر خواہی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان دونوں قبیلوں میں سے اگر کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیتا تو دوسرا قبیلہ اس سے بھی بڑے کام کرنے کی دُھن میں لگ جاتا۔

قبیلۂ اوس کے انصار نے جنگِ احد سے پہلے اسلام کے دشمن کعب بن اشرف کو قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔ بنوخزرج اب موقع کی تلاش میں تھے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اوس رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اور اسلام میں ہم سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ انھوں نے ٹوہ لگائی کہ وہ کون بد بخت ہوسکتا ہے جو کعب بن اشرف کی طرح کا اسلام دشمن ہو۔ لوگوں نے خیبر میں رہنے والے ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا نام بتایا۔ اس کے قتل پر بنوخزرج کا اتفاق ہوگیا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور ابورافع کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور تاکید فرمائی کہ عورتوں اور بچوں کو کچھ نہ کہنا۔[1]

مہم میں شریک مجاہدین

ابورافع کو قتل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک مختصر سی جماعت روانہ کی۔ اس میں عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن اُنَیس، ابوقتادہ حارث بن ربعی، خزاعی بن اسود اسلمی رضی اللہ عنہم شامل تھے، بعض روایات میں عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اس دستے کا امیر مقرر فرمایا۔[2]

[1] السيرة لابن هشام :286/3. [2] فتح الباري :428/7، السيرة لابن هشام :287/3.

خیبر کے آثار اور ہجومِ نخیل

مجاہدین سوئے منزل چلے

ابورافع سلام بن ابوالحقیق ان بہت بڑے مجرموں کا سرغنہ تھا جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو ورغلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور مال و رسد کے ذریعے ان کی امداد کی تھی۔ بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد یہ خیبر میں جابسا تھا اور وہاں اپنے مضبوط قلعے میں رہتا تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ مجاہدین کی چھوٹی سی جماعت لے کر خیبر کی طرف چل دیے اور ابورافع کے قلعے تک جا پہنچے۔

قلعہ میں داخل ہونے کی تدبیر

جب مجاہدین کا دستہ ابورافع کے قلعے کے پاس پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے اپنے جانور لے کر قلعے میں داخل ہو گئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں جا کر دربان کے ساتھ کوئی حیلہ کرتا ہوں، شاید اس طرح قلعے میں داخل ہو جاؤں۔ یہ آئے اور دروازے کے قریب سر پر اس طرح کپڑا ڈال کر بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کر رہے ہیں۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سب لوگ قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے آواز لگائی: او اللہ کے بندے! اگر تم داخل ہونا چاہتے ہو تو جلدی سے داخل ہو جاؤ، میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔ میں اندر گھس گیا اور گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ دربان نے دروازہ بند کر لیا اور چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں۔ جب دربان سو گیا تو میں چپکے سے گیا، چابیاں اٹھائیں اور دروازہ کھول دیا۔ یوں میرے سارے ساتھی قلعے کے اندر آ گئے۔ ابورافع کے پاس ہر رات محفل ہوتی تھی۔ لوگ باتیں سناتے، گپ شپ کرتے اور سرود وغنا کی انجمن سجاتے تھے۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو محفل گرم تھی۔ میں نے لوگوں کے جانے کا انتظار کیا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس پہنچنے کے لیے سیڑھی چڑھنے لگا۔ میں جو دروازہ کھولتا تھا، اسے اندر سے بند کر لیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرا پتہ چل بھی گیا تو جب تک وہ میرے پاس پہنچیں گے میں اللہ کے اس دشمن کو قتل کر چکا ہوں گا۔

دشمن اسلام کا خاتمہ

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں دشمنِ اسلام ابورافع کے پاس پہنچ گیا، وہ ایک کمرے میں اپنے بچوں کے بیچ میں تھا، کمرے میں اندھیرا تھا، پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے پکارا: اے ابورافع! اس نے پوچھا: کون ہے؟ میں فوراً آواز کی سمت میں دوڑا اور اس پر تلوار کا وار کیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میرا یہ

حملہ کارگر ثابت نہ ہوا، اسے کاری زخم نہ آیا۔ وہ چیخنے لگا، میں کمرے سے باہر نکل آیا اور کچھ فاصلے پر رک گیا۔ میں پھر داخل ہوا اور اس کے مددگار کے انداز میں آواز بدل کر پوچھا: ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے کہا تیری ماں ہلاک ہو! ایک آدمی نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے۔ میں اس کی آواز سن کر جھٹ اس پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے دوبارہ اس پر وار کیا، کاری ضرب لگائی لیکن اسے قتل نہ کر سکا۔ میں نے اپنی تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی، پھر اپنے بدن کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا حتی کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اب اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی واپسی

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو رافع کو قتل کرنے کے بعد میں نے واپسی کی راہ لی تاکہ اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سنا دوں اور دشمن کے بیدار ہونے سے پہلے پہلے ہم کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔ کہتے ہیں کہ میں ایک ایک دروازہ کھولتا گیا حتی کہ سیڑھی کے آخری زینے پر پہنچا۔ چاندنی رات تھی۔ میری نظر چوک گئی میں نے پاؤں رکھا اور سمجھا شاید فرش آ گیا ہے جبکہ وہ آخری زینہ تھا۔ میں بے قابو ہو کر گر پڑا اور میری پنڈلی سرک گئی۔ میں نے فوراً اپنی پگڑی کھولی اور اپنی پنڈلی پر باندھ لی۔ پھر دروازے پر جا بیٹھا اور تہیہ کر لیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے ابو رافع کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔

صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی، اس وقت موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر چڑھا اور اعلان کرنے لگا: ”میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر دیتا ہوں۔“ یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگ نکلا اور ان سے کہا: جلدی بھاگو، اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے۔[1]

قاتل کی تلاش

ابن اسحاق اور دیگر سیرت نگار کہتے ہیں کہ ابو رافع کے قتل میں تمام ساتھی شریک تھے۔ جب یہ لوگ اسے قتل کرنے لگے تو ابو رافع کی بیوی چیخ پڑی۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اسے قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی، معاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت یاد آ گئی تو میں رک گیا۔

ابن سعد اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب وہ قتل کر کے واپس آئے تو قلعے کے اندر آنے والے ایک چشمے میں گھس گئے۔ ابو زینب حارث یہودی تین ہزار یہودیوں کو لے کر ان کی تلاش میں نکلا لیکن خائب و خاسر ہو کر واپس آ گیا۔ یہ یہودی اپنے سردار کی لاش کے گرد اکٹھے بیٹھے تھے۔ ہم میں سے ایک ساتھی حالات کا جائزہ لینے گیا تو ابو رافع کی

[1] صحيح البخاري: 4040,4039.

بیوی واویلا کر رہی تھی، وہ بتا رہی تھی کہ میں نے عبداللہ بن عتیک کی آواز سنی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو جھٹلایا اور کہا بھلا عتیک کا بیٹا یہاں کیسے آسکتا ہے؟ وہ باتیں کرتے کرتے جب اپنے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھتی تو رونا شروع کر دیتی اور کہتی:

فَاظَ وَإِلٰهِ يَهُودَ!

''یہودیوں کے معبود کی قسم! یہ مر گیا ہے۔''

صحابی کہتے ہیں: مجھے اس کا یہ کلمہ سن کر بڑی مسرت ہوئی، پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔[1]

مجاہدین کی مدینہ واپسی

ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے جانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مشن کی تکمیل پر بہت خوش تھے۔ وہ خوشی خوشی مدینہ واپس آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابی کی خبر دی اور سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کا واقعہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُبْسُطْ رِجْلَكَ»

''اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔''

سیدنا عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ اس طرح ہوگئی جیسے کبھی اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔[2]

قاتل کون تھا؟

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شرکاء میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس کا وار فیصلہ کن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَجِّلُوا بِأَسْيَافِكُمْ»

''جلدی جلدی اپنی تلواریں لے آؤ۔''

دستے میں شریک تمام مجاہدین اپنی تلواریں لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا اور فرمایا:

1 السيرة لابن هشام:288,287/3، الطبقات لابن سعد: 91/2، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 221/3. 2 صحيح البخاري: 4039.

«هٰذَا قَتَلَهُ»

''اس نے اُسے قتل کیا ہے۔''

یہ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔ ان کی تلوار پر (ابورافع کے) خون کے کچھ اثرات بھی باقی تھے۔[1]

ظاہری تعارض کا حل

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ابورافع کو قتل کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ہی تھے جبکہ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق ابورافع کے قتل میں تمام ساتھی شریک تھے۔ لیکن صحیح بخاری میں یہ وضاحت موجود ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ چھپا دیا تھا اور انھیں کہا تھا: اِجْلِسُوا مَكَانَكُمْ. ''تم اسی جگہ بیٹھے رہو۔'' میں کوشش کر کے قلعے میں داخل ہوتا ہوں۔ لہٰذا انھوں نے بڑی ہوشیاری سے یہ مہم مکمل کی اور جب ابورافع کی موت کا اعلان ہوا تو اپنے ساتھیوں سے جا ملے اور تیزی سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

سریۂ ابن عتیک رضی اللہ عنہ سے ماخوذ اسباق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس قصے سے حاصل ہونے والے فوائد اور اسباق کا استخراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

- اس حدیث کی رو سے ایسے کافر پر اچانک حملہ کرنا جائز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہاتھ، مال یا زبان سے تعاون کرے۔
- اہل حرب کی جاسوسی کرنا اور ان کی غفلت کے اوقات ڈھونڈنا صحیح تدبیر ہے۔
- مشرکین سے جنگ میں سختی برتنی چاہیے۔
- مصلحت کا تقاضا ہو تو بات کو مبہم رکھنا بھی صحیح ہے۔
- مسلمان تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود زیادہ تعداد کے مشرکین سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔
- دلیل اور علامت کی بنیاد پر فیصلہ کر لینا ٹھیک ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابورافع کی آواز ہی سے اس جگہ کا اندازہ لگایا تھا جہاں وہ موجود تھا۔ اسی طرح انھوں نے موت کی خبر دینے والے کی آواز پر بھی اعتبار کیا۔[2] واللہ أعلم
- سیدنا عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کا عام سپاہی کے طور پر سریہ میں شامل ہونا ان کی بڑائی اور عجز و انکسار کی بہت بڑی

[1] السيرة لابن هشام: 288/3، الطبقات لابن سعد: 92,91/2. [2] فتح الباري: 431/7.

دلیل ہے۔ یہ بدری صحابی تھے، بیعت عقبہ میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کرنے والے تھے، انصار کے السابقون الاولون میں سے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جہاد اور بہادری کے میدان میں غیر معروف نہیں تھے۔ وہ اکیلے ہی مکہ کے پاس سفیان بن خالد ہذلی کو ٹھکانے لگا آئے تھے جو مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن انیس اپنی مہم جوئی میں بہت کامیاب رہے تھے۔ غرضیکہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صاحبِ عظمت و فضیلت ہونے کے باوجود اس گروہ کے امیر نہیں بلکہ ایک عام سپاہی تھے۔ یہ وہ تربیتی سبق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکمل طور پر حاصل کر رکھا تھا۔ تربیت کی دنیا میں ایسی درخشاں مثال نہیں ملتی۔[1]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 343/2.

سریہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

یہودی سردار ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کو سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کر دیا تو خیبر کے یہودیوں کی سرداری کا تاج اسیر بن رزام کے سر پر سج گیا۔ اسے یسیر اور اسیرم بھی کہا جاتا ہے۔ نئے سردار نے اپنے ایجنڈے کا اعلان کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! آج تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب چاہا، جہاں چاہا حملہ کر کے یا اپنے فوجی دستوں کے ذریعے سے یہودیوں کو برباد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں وہ حکمت عملی اپناؤں گا جو میرے پیش رو اپنانے میں ناکام رہے۔ لوگوں نے پوچھا: تمھارا پلان کیا ہے؟ تم کیسے مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے؟ یہودیوں کے مفادات کا تحفظ کس طرح یقینی بناؤ گے؟ اسیر نے اپنی حکمت عملی واضح کرتے ہوئے کہا: میں غطفان قبیلے میں خود جاؤں گا۔ ان کے تمام سرکردہ لوگوں سے ملاقات کر کے انھیں مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکے کے لیے تیار کروں گا۔ پھر ہم سب مل کر مسلمانوں کے گھر پہنچ کر معرکہ لڑیں گے۔ کیونکہ جب بھی کوئی لشکر کسی قوم کے مرکز پر حملہ کرتا ہے تو حملہ آور اپنے مقاصد میں کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔ لہٰذا آئندہ جنگ مسلمانوں کے شہر میں لڑی جائے گی۔ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ہم ان پر کاری وار کریں گے۔

یہودیوں کی سرکوبی کا حکم

یہودی اپنے لیڈر کی یہ حکمت عملی سن کر بہت خوش ہوئے اور سردار کی سوچ کو سراہتے ہوئے کہنے لگے: ”آپ

عبداللہ بن رواحہ پرائمری سکول (مدینہ منورہ)

کی پلاننگ بڑی شاندار ہے۔'' یقیناً یہی پلاننگ یہودیوں کے تحفظ کی ضامن ہوگی۔ چنانچہ اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل کو اپنا ہمنوا بنانے اور انھیں جنگ کے لیے تیار کرنے کی غرض سے ان قبائل کا سفر شروع کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہودیوں کے اس منصوبے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیگر تین ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تصدیق کے لیے روانہ کیا۔ یہ ماہِ رمضان کا واقعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی زیرکمان یہ مختصر سا دستہ خیبر کے قریب پہنچا اور پھر امیر لشکر کے حکم پر مختلف باغات میں منتشر ہوگیا۔ تین دن تک اُسیر بن رزام اور اس کے ہمنواؤں کی خبر لینے کے بعد یہ حضرات واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مشاہدات اور اطلاعات سے آگاہ کیا۔ اسی دوران حسیل الاشجعی مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھی خیبر کے حالات دریافت فرمائے۔ انھوں نے بھی یہی رپورٹ دی کہ اسیر بن رزام یہودی جتھے بنا رہا ہے تاکہ مدینہ منورہ پر لشکر کشی کر سکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اعلان کیا کہ وہ ان یہودیوں کی سرکوبی کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس صحابہ کرام کا دستہ خیبر روانہ کیا۔ اس لشکر میں سیدنا عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔

اسلام کے فدائی خیبر میں

یُسیر بن رزام کے خاتمے کے لیے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی خبر ہی کافی تھی لیکن نبیِ رحمت ﷺ نے شوال 6 ھ میں تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا تاکہ وہ یسیر بن رزام سے مذاکرات کریں۔ تیس سرفروشانِ اسلام جب خیبر پہنچے تو امیرِ لشکر نے شاہِ خیبر کو پیغام بھیجا کہ ہم امن کا پیغام لائے ہیں۔ تم سے مفید مذاکرات کے خواہش مند ہیں۔ بادشاہ نے کہا: میں بھی تم سے یہی توقع رکھتا ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یسیر سے بات کی، انھوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے ساتھ چلو اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر خود بات چیت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ تمھیں خیبر کا گورنر مقرر کر دیں گے۔

یسیر کا انکار و اقرار

یسیر نے پہلے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش مسترد کر دی اور مدینہ جانے سے انکار کر دیا، پھر اس نے زعمائے یہود سے مشورہ کیا، انھیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور مدینہ جانے کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی۔ ان میں سے کسی نے بھی اتفاق نہ کیا بلکہ وہ اسے روکنے لگے کہ تم مدینہ نہ جاؤ، محمد (ﷺ) کسی اسرائیلی کو گورنر نہیں بنائیں

گے۔ وہ سوچ بچار میں پڑ گیا۔ ادھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اسے مسلسل امیدیں دلاتے رہے اور اس کا چراغ آرزو روشن کرتے رہے حتی کہ وہ مدینہ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

یُسیر خیبر کا سردار تھا، اس لیے اس کے فیصلے کے خلاف کسی یہودی کو بغاوت کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھ تیس معتمد ساتھیوں کو لیا اور مدینہ کا رخ کیا۔ ہر مسلمان نے ایک ایک یہودی اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔ مجاہدین کے اس گروہ میں بنوسلمہ کے حلیف سیدنا عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو بہت بہادر تھے۔ شاہِ خیبر یسیر بن رزام ان کے پیچھے سوار ہو گیا۔

شاہِ خیبر کا قتل

دھوکا بازی، غداری، مکر و فریب اور خیانت یہود کی نس نس میں بھری ہوئی ہے۔ انھوں نے ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت عالم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان خونریزی نہ ہونے پائے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا کردار بھی اسی پالیسی کا حصہ تھا لیکن کینہ پرور یہودی ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف بغض وعناد کا زہر اگلتے رہتے تھے۔ اب بھی ان پر یہی بغض و عناد غالب تھا۔ یوں امن و آشتی کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا مگر جیسی نیت ویسی مراد! انھیں اپنے فاسد ارادوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

جب یہ گروہ خیبر سے چھ میل دور قرقرۃ ثبار پہنچا تو یسیر بن رزام کو اپنے فیصلے پر پشیمانی ہوئی۔ اس نے چپکے سے سیدنا عبداللہ بن انیس کی تلوار پر ہاتھ ڈالنا چاہا، وہ اس کا مقصد بھانپ گئے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھڑا لی اور کہا: ارے اللہ کے دشمن! تم دھوکا دینا چاہتے ہو؟ پھر وہ اونٹ سے اترے اور ایسا وار کیا کہ یُسیر کی ٹانگ کٹ گئی۔ یسیر کے ہاتھ میں ایک مضبوط ڈنڈا تھا، اس نے وہی ڈنڈا عبداللہ بن انیس کے سر پر دے مارا اور انھیں زخمی کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سوار کو قتل کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک یہودی بچ کر بھاگ گیا۔ مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

مجاہدین کی دربارِ رسالت میں حاضری

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دشمنوں کا صفایا کرنے کے بعد ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم وہاں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کارگزاری سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَجَّاكُمُ اللّٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ»

”اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم لوگوں سے نجات دے دی ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبیِ کریم ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ کو اپنا زخم دکھایا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا، اس کے بعد زندگی بھر کے لیے وہ زخم مندمل ہو گیا اور کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

عبداللہ بن انیس کو عصائے مبارک کا عطیہ

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوا اور اپنا زخم دکھایا۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک لعاب دہن میرے زخم پر لگایا تو وہ بہترین علاج ثابت ہوا۔ اس دن کے بعد اس زخم سے کبھی پیپ نکلی، نہ کبھی درد ہوا، حالانکہ میرے سر کی ہڈی بگڑ چکی تھی۔ آپ ﷺ نے میرے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور برکت کی دعا دی۔ پھر مجھے اپنا عصا عطا کیا اور فرمایا:

«أَمْسِكْ هٰذِهِ مَعَكَ عَلَامَةً بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْرِفُكَ بِهَا فَإِنَّكَ تَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَحَصِّرًا»

”یہ عصا اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔ یہ تمھاری نشانی ہے۔ میں قیامت کے دن تمھیں اسی سے پہچان لوں گا۔ تم اس سے سہارا لے کر آؤ گے۔“

جب سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا ان کی میت کے ساتھ رکھ کر انھیں دفنایا گیا۔[2]

---

1 السيرة لابن هشام: 267,266/4، المغازي للواقدي: 64/2، الطبقات لابن سعد: 93,92/2. 2 مسند أحمد: 496/3، دلائل النبوة للبيهقي: 43/4، زاد المعاد: 360/3، سبل الهدٰى والرشاد: 112,111/6.

سریہ کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ

سَرِیّے کا سبب

شوال 6 ھ میں عُکل اور عرینہ قبیلے کے آٹھ آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، انھوں نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا۔ اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم دودھیل جانوروں والے تھے، زراعت پیشہ نہ تھے۔ کچھ دن گزرے کہ ہم بیمار ہو گئے ہیں، ہمیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی۔ نبی کریم ﷺ کے اونٹ مدینہ سے تقریباً 6 میل کے فاصلے پر قباء کے علاقے میں عَیر پہاڑ کے قریب ذی الجدر میں چرتے تھے۔ ان کی نگرانی پر آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام یسار رضی اللہ عنہ مامور تھے۔

نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو اپنی دودھیل اونٹنیوں کی طرف بھیج دیا اور فرمایا کہ تم ان اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب استعمال کرو۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے حکم پر عمل کیا تو چند ہی روز میں بالکل تندرست، بھلے چنگے اور موٹے تازے ہو گئے۔ ان بدبختوں نے شکر گزار ہونے کی بجائے اونٹنیوں کے چرواہے کو بڑی بے دردی سے شہید کیا۔ چرواہے کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے، اس کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیر دیں اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے۔ [1]

1 صحيح البخاري: 4192، صحيح مسلم: 1671.

یسار رضی اللہ عنہ کی میت قباء میں

ادھر سے بنوعمرو بن عوف کی ایک عورت کا گزر ہوا، اس نے دیکھا کہ یسار رضی اللہ عنہ درخت کے نیچے شہید ہوئے پڑے ہیں۔ وہ عورت گدھے پر سوار تھی، اس نے اپنے گدھے کا رخ اپنی قوم کی طرف پھیر دیا اور لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ لوگ فوراً آئے اور یسار رضی اللہ عنہ کی لاش اٹھا کر قباء میں لے آئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو اس سانحے کی اطلاع دی۔ [1]

مرتدین کا تعاقب

یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان ظالموں کے تعاقب میں بیس شہسواروں کو روانہ فرمایا اور ان کا امیر سیدنا کُرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان مرتدین کے خلاف دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعْمِ عَلَيْهِمُ الطَّرِيقَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ أَضْيَقَ مِنْ مَّسْكٍ»

''اے اللہ! ان پر راستہ اندھا اور کنگن سے بھی زیادہ تنگ کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ ابھی سورج تھوڑا سا بلند ہوا تھا کہ مجاہدین کو ایک خاتون ملی، وہ اونٹ کا کندھا اٹھا کر جا رہی تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے پوچھا: یہ کہاں سے لائی ہو؟ اس نے بتایا کہ میں آ رہی تھی کہ مجھے چند لوگ ملے، انھوں نے ایک اونٹ ذبح کیا ہوا تھا، اس میں سے انھوں نے مجھے یہ حصہ دے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ حرہ کے ویرانے میں ہیں، جب تم اس طرف جاؤ گے تو تمھیں دور ہی سے ان کی آگ کا دھواں نظر آ جائے گا۔

مجاہدین نے ادھر کا رخ کیا۔ جب یہ پہنچے تو وہ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ مجاہدین نے ان کا گھیراؤ کر لیا اور انھیں ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔ وہ ہر طرف سے گھیرے میں آ چکے تھے۔ انھوں نے ہتھیار پھینکنے ہی میں عافیت سمجھی۔ مجاہدین نے انھیں گرفتار کر لیا اور رسیوں سے باندھ کر گھوڑوں پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ جب مجاہدین مدینہ پہنچے تو نبیِ کریم ﷺ غابہ نامی چراگاہ میں تھے۔ مجاہدین انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ [2]

مرتد چوروں کا انجام

ان بدبختوں نے خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔ نبیِ کریم ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت

[1] المغازي للواقدي :2/66. [2] المغازي للواقدي :2/66، إمتاع الأسماع :1/273.

سے کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں گئیں، اس کے بعد انھیں تپتی ہوئی سنگلاخ چٹانوں میں پھینک دیا گیا، وہ پانی مانگتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا جاتا تھا حتی کہ وہ اسی طرح سسک سسک کر مر گئے۔

ابوقلابہ جو راوی حدیث ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے چوری کی، نہایت سفاکی سے خونِ ناحق کیا، ایمان قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے، پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف انھوں نے اعلانِ جنگ کیا۔[1]

اونٹنیوں کی بازیافت

جب اونٹنیاں واپس لائی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سلمہ بن اکوع اور ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہما کو ان کی نگرانی پر مامور کیا، پھر رسول اللہ ﷺ غابہ سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ ذوالجدر نامی چراگاہ سے بھگائی جانے والی اونٹنیاں پندرہ تھیں۔ آپ ﷺ نے اونٹنیوں کی طرف نظر دوڑائی تو الحناء نامی اونٹنی گم پائی۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

خلیل ڈیم (غابہ) نزد مدینہ منورہ

«أَيْ سَلَمَةُ! أَيْنَ الحِنَّاءُ؟»

''سلمہ! الحنّاء کہاں ہے؟''

سلمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اللہ کے رسول! اسے تو ان بدبختوں نے ذبح کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اب ان کے چرنے کے لیے بہترین چراگاہ ڈھونڈو۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ذوالجدر سے بہترین کوئی چراگاہ نہیں تو آپ ﷺ نے انھیں ذوالجدر کی طرف بھیج دیا۔[2]

1 صحيح البخاري: 233، صحيح مسلم: 1671. 2 المغازي للواقدي: 2/67.

فرمانِ باری تعالیٰ کا نزول

جب ان مرتدین کو قصاص میں وہی سزا دی گئی جس طرح انھوں نے چرواہے کو شہید کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

مُثلہ ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد کبھی کسی کی آنکھ نہیں داغی گئی اور اس کے بعد آپ ﷺ نے جو لشکر بھی روانہ کیا، اسے تاکید کے ساتھ مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔[2]

[1] المآئدة 5:33. [2] سنن أبي داود: 4370، سنن النسائي: 4030، إمتاع الأسماع: 1/273.

سریّہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ

سریے کا سبب

ایک مرتبہ سردارِ قریش ابوسفیان بن حرب نے قریشی لوگوں سے کہا: کیا تم میں ایسا کوئی آدمی نہیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے خبری میں قتل کر دے؟ وہ بازار بھی آتے جاتے ہیں۔ ایک بدو آیا اور کہنے لگا: میں بہت مضبوط دل کا مالک ہوں، میری گرفت بڑی سخت ہے اور بہت تیز دوڑتا ہوں۔ اگر تم مجھے قوت دو تو میں ان کی طرف جاتا ہوں۔ میرے پاس ایک خنجر ہے جو گدھ کے پر کی طرح ہے، اس سے میں ان پر حملہ کروں گا، پھر کسی قافلے میں گھس جاؤں گا اور بھاگ کر اس جماعت سے آگے بڑھ جاؤں گا کیونکہ راستے کا میں خوب ماہر ہوں۔

ابوسفیان نے کہا: ارے! تمھی تو ہمارے کام کے آدمی ہو۔ ابوسفیان نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ اسے اونٹ اور زادِ راہ دیا اور رخصت کرتے ہوئے تاکید کی کہ اس منصوبے کا کسی کو علم نہ ہونے دینا۔ وہ رات کو مکہ سے نکلا اور مسلسل سفر کرتے ہوئے پانچ دن کے بعد چھٹے دن کی صبح حرہ کے علاقے میں پہنچ گیا۔ وہ لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتا پھرتا تھا، کسی نے بتایا کہ وہ بنوعبدالاشہل کی مسجد میں ہیں۔

بدو نے اپنی سواری کا رخ بنوعبدالاشہل کے محلے کی طرف کر دیا۔ بنوعبدالاشہل پہنچ کر اس نے مسجد کے پاس اپنی سواری باندھ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محوِ گفتگو پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ يُرِيدُ غَدْرًا، وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُرِيدُهُ»

”بلاشبہ یہ آدمی دھوکا دینا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی مراد کے درمیان حائل ہو جائے گا۔“

بدو مسجد میں آیا اور دیہی لہجے میں پوچھنے لگا: عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

”میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس طرح لپکا جیسے سرگوشی کرنا چاہتا ہو۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور کھینچتے

ہوئے پیچھے کیا۔ جب انھوں نے اس کا ازار پکڑ کر اسے کھینچنا چاہا تو ان کا ہاتھ بدو کے خنجر پر جا پڑا۔ وہ چیخ پڑے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ شخص گھبرا گیا اور اس کا خنجر زمین پر گر پڑا۔ وہ چلانے لگا: میرا خون، میرا خون اے محمد!۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُصْدُقْنِي مَا أَنْتَ وَمَا أَقْدَمَكَ؟ فَإِنْ صَدَقْتَنِي نَفَعَكَ الصِّدْقُ وَ إِنْ كَذَبْتَنِي فَقَدِ اطُّلِعْتُ عَلٰى مَا هَمَمْتَ بِهِ»

''سچ بتا دو، تم کون ہو؟ کیا ماجرا ہے؟ اور کس نیت سے آئے ہو؟ اگر سچ بتا دو گے تو تمھاری سچائی تمھیں فائدہ پہنچائے گی، جھوٹ بولو گے تو (اللہ کی طرف سے) مجھے تمھارے ارادے کی خبر کر دی جائے گی۔''

بدو نے کہا: اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ بتا دوں تو کیا مجھے امان مل جائے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں تم ہماری پناہ میں ہو۔'' اس نے صاف بتا دیا کہ ابوسفیان نے مجھے آپ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے اور بدلے میں منہ مانگا معاوضہ اور انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری بات سن کر اسے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ہی کی قید میں رہنے دیا۔ اگلی صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس بدو سے فرمایا:

«قَدْ أَمِنْتُكَ فَاذْهَبْ حَيْثُ شِئْتَ أَوْ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ ذٰلِكَ»

''میں نے تمھیں امان دی، جہاں چاہو جا سکتے ہو لیکن اس سے بہتر ایک اور بات بھی ہے۔''

اس نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ»

''(وہ بات یہ ہے) کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''

شکاری خود شکار ہو گیا

اس نے یہ مبارک کلمات سنتے ہی کلمۂ حق کی گواہی دے دی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں کسی سے نہیں ڈرتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے، میرا دل و دماغ اپاہج ہو گیا، میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں حیرت زدہ ہو گیا کہ مجھ سے پہلے یہاں کوئی سوار نہیں پہنچا اور میرے معاملے کی کسی کو خبر نہیں تھی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ پتہ چل گیا! یہ بات دیکھ کر میری آنکھوں سے پردہ اتر گیا، مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابوسفیان کا گروہ بداعمالیوں کا

بنڈل اور شیطانی ٹولہ ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کی بات سن کر مسکرا پڑے۔ یہ شخص کچھ دن آپ ﷺ کے پاس ٹھہرا، پھر اجازت لے کر اپنے وطن چلا گیا۔

ابوسفیان کے قتل کی مہم

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن امیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انھیں ابوسفیان کے قتل کی ذمہ داری سونپتے ہوئے کہا کہ تم مکہ جاؤ، وہاں موقع کی تلاش میں رہنا جونہی موقع ملے اس دشمن اسلام (ابوسفیان) کا خاتمہ کر دینا۔ یہ دونوں ساتھی مدینہ سے روانہ ہوئے، جب وادی یأجج پہنچے تو عمرو بن امیہ کہتے ہیں: مجھ سے میرے ساتھی نے کہا: کیوں نہ ہم مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کر لیں اور دو رکعتیں پڑھ لیں؟ میں نے کہا: میں مکہ والوں کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، وہ ظلم و شقاوت کے پیکر ہیں۔ جب ظلم کر لیتے ہیں تو فخر و مباحات کے لیے مجلسیں سجاتے ہیں۔ اگر انھوں نے مجھے دیکھ لیا تو فوراً پہچان لیں گے۔

بھید کھل گیا

میں نے اپنے ساتھی کو بہت سمجھایا لیکن ان کا اصرار تھا کہ ہم طواف ضرور کریں۔ میں اپنے ساتھی کی دلجوئی کے لیے چل پڑا۔ ہم نے طواف کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔ جب ہم بیت اللہ سے نکلے تو اچانک معاویہ بن ابوسفیان مل گیا، اس نے مجھے پہچان لیا اور قریش مکہ کو فوراً میری آمد کی خبر دے دی۔ قریش مکہ کہنے لگے: عمرو ضرور کسی شر کے ارادے سے آیا ہے۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی بہت معروف تھے اور بڑے خطرناک خیال کیے جاتے تھے۔

عمرو رضی اللہ عنہ نے خطرے کی بُو محسوس کر لی۔ انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا: ہمیں اپنی جان بچا کر بھاگ جانا چاہیے۔ معاویہ جیسے ہی قریش کو ہمارے متعلق خبر دے گا، وہ فوراً ہماری تلاش میں آنکلیں گے۔ وہ کہتے ہیں: پھر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ

مدینہ منورہ سے 15 کلومیٹر مشرق اور العاقول کے جنوب میں وادی الخنق پر واقع ڈیم کے آثار جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کروایا تھا۔
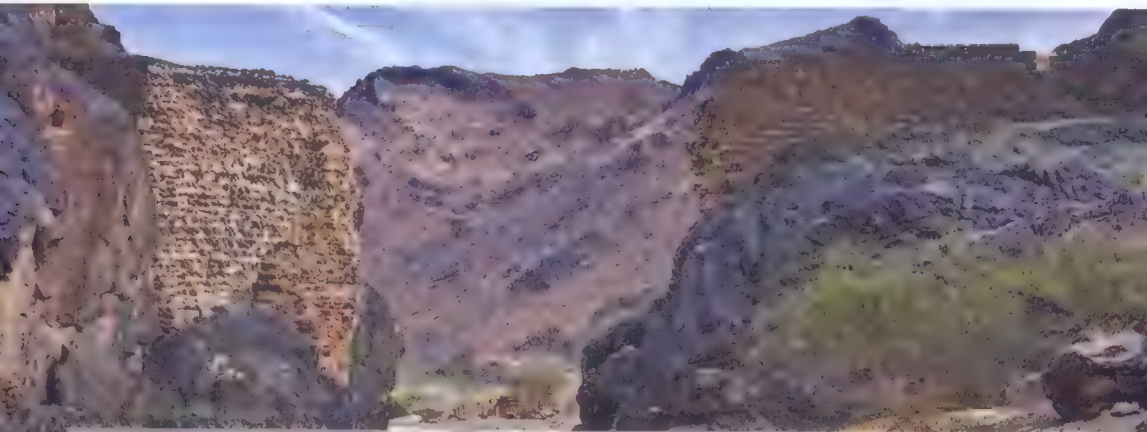
تھا۔قریش کو جونہی پتہ چلا وہ ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ہم بھاگ کر پہاڑی غار میں چھپ گئے، صبح تک ہم نے غار ہی میں پناہ لیے رکھی۔قریشِ مکہ ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ پھر خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔

ایک مشرک کا صفایا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ صبح ہوئی تو عثمان بن عبیداللہ بن مالک بن عبیداللہ تیمی اپنے گھوڑے کے لیے گھاس کاٹنے پہاڑی علاقے کی طرف آیا، وہ ہماری طرف ہی آرہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی سلمہ سے کہا: اگر اس نے ہمیں دیکھ لیا تو فوراً شور مچا کر اہلِ مکہ کو اکٹھا کر لے گا۔ وہ آہستہ آہستہ ہمارے قریب آرہا تھا حتی کہ وہ غار کے منہ تک پہنچ گیا۔ جونہی وہ میری زد میں آیا، میں اس پر پل پڑا اور اس کی چھاتی کے نیچے خنجر گھونپ دیا۔ وہ گر پڑا اور چیخ چیخ کر تڑپنے لگا۔ اہلِ مکہ جو ہماری تلاش سے مایوس ہو کر ابھی اپنے گھر ہی گئے تھے، شور سن کر واپس آگئے۔ دیکھا کہ ان کا ساتھی خاک اور خون میں تڑپ رہا ہے، اس کی زندگی کی آخری رمق باقی تھی، انھوں نے اس سے پوچھا: تمھارا یہ حشر کس نے کیا ہے؟ اس نے بتایا: عمرو بن امیہ ضمری نے۔ ابوسفیان بولا: دیکھا، میں نہ کہتا تھا کہ وہ خیر کے ارادے سے نہیں آیا۔ عثمان بن عبیداللہ آخری سانس لے رہا تھا، وہ اپنے قاتل کا نام بتا کر دم توڑ گیا، قریش کو ہماری پناہ گاہ کے حوالے سے کچھ نہ بتا سکا۔

دوسرے مشرک کا خاتمہ

قریش نئے سرے سے ہمیں تلاش کرنے لگے۔ ہم دو راتیں غار ہی میں چھپے رہے۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ دشمن ہمیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے ہیں اور مایوس ہو کر گھر بیٹھ گئے ہیں تو ہم مدینہ جانے کے لیے نکل پڑے۔ ہمیں بنو دیل بن بکر کا ایک لمبا تڑنگا آدمی ملا، وہ ایک آنکھ سے کانا تھا اور اپنی بکریاں چرانے کے لیے غار کی طرف آنکلا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو پوچھنے لگا: تم کون ہو؟ میں جھٹ بولا: بنو بکر سے ہوں۔ میرا جواب سن کر وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا، اس نے جواباً کہا: میں بھی بنو بکر سے تعلق رکھتا ہوں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ اس نے غار کی دیوار سے ٹیک لگائی، ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹ گیا اور یہ شعر گانے لگا:

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَّا دُمْتُ حَيًّا   وَلَسْتُ أَدِينُ دِينَ الْمُسْلِمِينَا

''میں جب تک زندہ رہوں گا کبھی مسلمان نہیں ہوں گا۔ نہ مسلمانوں کا دین اپناؤں گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ میں موقع کی تاک میں رہا۔ وہ بہت جلد نیند کی آغوش میں جھولنے لگا۔ میں نے اپنا خنجر نکالا اور اسے ابدی نیند سلا دیا۔ میں غار سے نکلا اور بھاگنے لگا۔ راستے میں مجھے دو آدمی ملے وہ قریش کے جاسوس تھے۔ میں نے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو مضبوطی سے باندھ لیا۔

میں اسے لے کر مدینہ پہنچا تو انصار کے بچے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھا تو فوراً بھاگ کر نبی کریم ﷺ کو اطلاع دے دی۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا قیدی بھی تھا۔ آپ ﷺ ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگے اور میرے لیے دعائے خیر کی۔ جب یہ دونوں ساتھی سیدنا عمرو اور سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہما عثمان بن مالک کو قتل کر کے بھاگے تھے تو راستے میں بچھڑ گئے تھے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ عمرو سے تین دن بعد مدینہ پہنچے تھے۔[1]

1 الطبقات لابن سعد :94,93/2، البداية والنهاية :4/71-73، السيرة لابن هشام :4/282-284. ابن اسحاق اور ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ رجیع کے بعد ظہور میں آیا۔ انھوں نے اس کے ضمن میں سیدنا خبیب کی لاش کو سولی سے اتارنے کا بھی ذکر کیا ہے، ابن اسحاق نے عمرو رضی اللہ عنہ کے دوسرے ساتھی کا نام جبار بن صخر رضی اللہ عنہ بتایا ہے۔

سریّہ خبط

اس سریے میں اسلامی لشکر کو غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ مجاہدین درختوں کے پتے کھاتے رہے، اس لیے اس سریہ کو سریۂ خبط کہتے ہیں۔ خبط کے معنی درخت سے جھاڑے ہوئے پتے کے ہیں۔ یہ لشکر ساحل سمندر کی طرف بھیجا گیا تھا، اس لیے اسے سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس سریّے کے امیر سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے اس سریہ کو سریۂ ابوعبیدہ بن جراح بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد ابوعبیدہ بن الجراح، الدوحہ (قطر)

سریے کا سبب

ابن سعد اور دیگر سیرت نگار اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ساحل سمندر پر بسنے والے قبیلہ جہینہ کے لوگوں نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ ان کے اس شرانگیز منصوبے کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے تین سو مجاہدین کا لشکر بھیجا۔[1]

صحیح بخاری میں صراحت کے ساتھ اس سریے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ مکہ واپس آ رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلے کا راستہ روکنے کے لیے تین سو جانباز بھیجے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجا ہو لیکن راستے میں قریشی قافلے سے ٹکراؤ ہو گیا ہو۔[3] لیکن صحیحین کی صراحت اس سے موافقت نہیں کرتی۔ واللہ اعلم

سریہ کی تاریخ

جمہور سیرت نگار اور اہل مغازی اس سریے کی تاریخ رجب 8ھ بتاتے ہیں جبکہ صحیحین کی روایت کے مطابق یہ

---

[1] الطبقات لابن سعد: 132/2، المغازي للواقدي: 221/2، عيون الأثر، ص: 345. [2] صحيح البخاري: 4361، صحيح مسلم: 1935. [3] فتح الباري: 98/8.

سریہ صلح حدیبیہ سے پہلے 6ھ میں ہوا تھا۔ اگر اس سریے کی تاریخ رجب 8ھ مان لی جائے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سریہ کا وقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ﴾

''وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرمائیے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[1]

جبکہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ فرمانِ الٰہی کے باوجود نبیِ کریم ﷺ حرمت والے مہینے میں کسی دستے کو لڑنے کے لیے بھیجیں۔ اگر اس سریے کا دوسرا سبب تسلیم کیا جائے کہ آپ ﷺ نے قریشی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا تو یہ بھی محال ہے کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے، لہٰذا اس شرط کی موجودگی میں بھلا کیسے ممکن ہے کہ نبیِ کریم ﷺ عہد شکنی کریں ہر چند قریش نے رجب کے دو ماہ بعد رمضان میں عہد شکنی کی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر اس سریے کی یہی تاریخ (8ھ) تسلیم کی جائے تو پھر ہم اس سریے کے بھیجنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب صلح حدیبیہ ہو چکی تھی۔ (جس میں ایک شق یہ تھی کہ قریش اور مسلمان دس سال تک ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے) اس لیے صحیح حدیث کی روشنی میں یہی بات راجح محسوس ہوتی ہے کہ یہ سریہ 6ھ یا اس سے پہلے کا ہے جبکہ صلح حدیبیہ نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اگر یہی تاریخ درست ہو تو یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے یہ لشکر قریشی قافلے سے لڑائی کے لیے نہیں بلکہ جہینہ قبیلے سے ان کی حفاظت کے لیے بھیجا ہو۔ اسی لیے اس سریے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ مجاہدین نے کیا کارروائی کی۔ اس سریے کے حوالے سے بس یہی معلوم ہے کہ مجاہدین نصف مہینہ یا اس سے زیادہ دن ایک ہی جگہ ٹھہرے رہے۔[2]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ سریہ خبط لکھنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں کہ اس قصے کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ

[1] البقرة 2:217. [2] فتح الباري: 8/98.

سریہ صلح حدیبیہ اور عمرۂ حدیبیہ سے پہلے زمانے کا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے صلح سے فتح مکہ تک کسی قریشی قافلے کا تعاقب نہیں کیا۔ یہ عرصہ امن و صلح کا ہے۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ سریہ دو مرتبہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ صلح حدیبیہ سے پہلے اور دوسری مرتبہ صلح کے بعد۔ واللہ اعلم [1]

لشکر کی روانگی

سلم نامی درخت

رسول اللہ ﷺ نے سیف البحر (ساحل سمندر) کی طرف ایک لشکر بھیجا، اس کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ ساحل سمندر مدینہ سے پانچ دن کی پیدل مسافت پر تھا۔ اس سفر میں مسلمانوں کو سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ وہ سَلم نامی درخت کے پتے کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ آیئے اس واقعے کی تفصیل سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی زبانی سنیے۔ وہ اس لشکر میں بنفس نفیس شریک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تین سو سواروں کو بھیجا اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا اور ہمیں زادِ راہ کے طور پر کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مرحمت فرمایا۔

لشکر کی فاقہ کشی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم راستے ہی میں تھے کہ زاد راہ ختم ہو گیا۔ سالارِ لشکر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کچھ زادِ راہ ہو، وہ لے آئے، چنانچہ سارے لشکر سے زاد راہ اکٹھا کیا گیا تو وہ چمڑے کے ایک برتن میں بھر گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں روزانہ ایک ایک کھجور دیتے، ہم اسے اس طرح چوستے رہتے جیسے بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے، اس کے بعد ہم پانی پی لیتے تھے جو ہمیں ایک دن کے لیے کافی ہوتا۔

ہمیں کھجور کی اہمیت کا اندازہ اس دن ہوا جب وہ بھی ختم ہو گئیں اور ہمیں ایک دانہ بھی نہ ملا۔ جب ہم بھوک سے نڈھال ہو گئے تو سلم نامی درخت کے پتے جھاڑ کر پانی میں بھگونے لگے جب وہ نرم ہو جاتے تو ہم انھیں کھا لیتے۔ یہ پتے کھانے سے ہمارے ہونٹ اور باچھیں زخمی ہو گئیں اور ہمارے ہونٹ سوج کر اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہو گئے۔

[1] زاد المعاد: 390/3.

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے قیس بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ اپنے باپ کی طرح یہ بھی بڑے دریا دل تھے۔ مجاہدین کی یہ حالت دیکھ کر انھوں نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجوریں خرید لے۔ وہ مجھے اس جگہ اونٹ دے دے اور میں مدینہ جا کر اسے کھجوریں دے دوں گا۔ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کی قیس سے ملاقات ہوئی تو قیس رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے سامنے بھی یہی پیش کش دہرائی۔ اس نے کہا: میں تو تمھیں نہیں جانتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر بولے: واہ رے صاحبزادے! تمھارے پلے تو ہے کچھ نہیں مگر دوسروں کے مال پر اتنا بڑا سودا کر رہے ہو!

سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تنقید نظر انداز کر دی اور جہنی سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: میں سعد بن عبادہ بن دُلیم کا بیٹا قیس ہوں۔ جہنی نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی کہا: بس بس! سعد کے نام کے بعد اب کسی تعارف کی ضرورت نہیں، وہ یثربی سردار تو میرا بڑا گہرا دوست ہے، چنانچہ سودا طے ہو گیا۔ ہر اونٹ کے عوض ایک وسق (تقریباً 4 من) کھجوریں دینے کا فیصلہ ہوا۔ جہنی نے شرط لگائی کہ میں بنو دُلیم کی ذخیرہ شدہ خشک کھجوریں لوں گا۔ سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے اس کی شرط بخوشی تسلیم کی اور اس سے پانچ اونٹ خرید لیے۔ جہنی نے یہ سودا پکا کرنے کے لیے گواہ مانگے تو انصار و مہاجرین کی ایک جماعت نے گواہی دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گواہی طلب کی گئی تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: اس نوجوان کے پلے کچھ نہیں، اس کا اپنا کوئی مال نہیں، سارا مال اس کے باپ کا ہے۔ میں اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔ جہنی بول پڑا کہ اللہ کی قسم! سعد خیانت کرنے والا نہیں اور وہ بڑے اعلیٰ کردار کا مالک ہے، وہ تھوڑی سی کھجوروں کے بدلے اپنے بیٹے کے عہد سے خیانت نہیں کرے گا۔

سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور مجاہدین کو کھانا کھلایا۔ دوسرے دن پھر ایک اونٹ ذبح کیا، تیسرے دن پھر ایک اونٹ ذبح کیا۔ چوتھے دن وہ اونٹ ذبح کرنے لگے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں روک دیا اور کہا: اے قیس! تمھارے پاس مال تو ہے نہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنا معاہدہ توڑ کر معاہدہ شکن کہلاؤ۔ سیدنا قیس نے بڑا خوبصورت جواب دیا، کہنے لگے: آپ میرے باپ کو جانتے ہیں، وہ لوگوں کے قرض ادا کرتے ہیں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں اور قحط کے دنوں میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ کیا وہ میرے ذمے لگی کھجوریں ادا کرنے میں بخل سے کام لیں گے، جبکہ میں نے یہ قرض اللہ کی راہ میں اپنے مجاہد ساتھیوں کی خاطر لیا ہے؟ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر نرم پڑ گئے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے منع کر دیا، چنانچہ تین اونٹ ذبح کر دیے گئے اور دو اونٹ واپسی پر مجاہدین کی سواری کے کام آئے۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں تین دن تین تین اونٹ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

اللہ کی طرف سے نرالی مہمان نوازی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سمندر کے کنارے پڑاؤ ڈالے پڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی باہر پھینک دی۔ یہ اتنی بڑی مچھلی تھی کہ دور سے ایک پہاڑی ٹیلہ معلوم ہوتی تھی۔ ہم اس کے قریب گئے تو وہ عنبر نامی مچھلی تھی۔ ہم اسے تقریباً ایک مہینہ (بروایات بعض 15 یا 18 دن) کھاتے رہے۔ ہم اس مچھلی سے بیل کے گوشت کی طرح بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتے اور بھون بھون کر کھا جاتے تھے۔ ہم نے اس کا کچھ حصہ اپنی اپنی ہمت کے مطابق خشک کر کے زادِ راہ کے طور پر رکھ لیا۔ ہم تین سو آدمی اس کا گوشت کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو گئے۔ ہم اس کے تیل کی مالش کرتے تھے، اس طرح ہماری جسمانی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی۔

عنبر کا حجم

عنبر مچھلی سمندر کے بڑے بڑے جانوروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی عموماً 75 فٹ ہوتی ہے۔ سیدنا جابر کہتے ہیں کہ ہم اس مچھلی کی آنکھ کے گڑھے سے پیالے بھر بھر کر تیل نکالتے تھے۔ ایک بار سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو اس گڑھے میں بٹھا دیا اور اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لے کر کھڑی کر دی، پھر لشکر میں موجود سب سے بڑا اونٹ منگوایا اور مجاہدین میں سب سے زیادہ دراز قامت شخص سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کو اس پر سوار کیا۔ وہ اس پسلی کے نیچے سے گزر گئے مگر ان کا سر مچھلی کی پسلی سے مَس نہیں ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مچھلی تناول فرمائی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سفر کا حال سنایا اور اس مچھلی کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہیل (عنبر) کے چھلانگ لگانے کا انداز

«كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ، أَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ مِّنْهُ»

”یہ رزق کھاؤ، اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے لیے ہی نکالا تھا۔ اگر تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔“

ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں وہ گوشت پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا۔

باپ بیٹے کی پیاری پیاری باتیں

جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو لشکر کی خستہ حالی کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے فرزند قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: لشکر کی کسمپرسی اور بھوک کی حالت میں تم نے ان کے لیے اونٹ ذبح نہیں کیا؟ انھوں نے جواب دیا: ذبح کیا تھا، انھوں نے پوچھا: پھر کیا کیا؟ جواب دیا: دوسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ پوچھا: پھر جب بھوک لگی تو کیا کیا؟ انھوں نے کہا: تیسرے دن بھی اونٹ ذبح کیا۔ پوچھا: جب بھوک لگی تو کیا؟ انھوں نے جواب دیا: پھر مجھے روک دیا گیا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کس نے روکا؟ انھوں نے جواب دیا: میرے امیر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے۔ پوچھا: کیوں روکا؟ کہنے لگے: وہ کہتے تھے کہ تمھارے پاس کوئی مال نہیں، سارا مال تو تمھارے باپ کا ہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرے چار باغ تمھارے ہیں، ان میں سے جو سب سے کم پھل والا ہے، اس میں سے پچاس وسق کھجوریں تم حاصل کرسکو گے۔ انھوں نے یہ باغ اپنے بیٹے کے نام لکھ دیے اور اس پر ابوعبیدہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا۔ اس کے بعد جہنی مدینہ آیا اور اس نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو قیس رضی اللہ عنہ نے اُسے معاہدے کے مطابق کھجوریں دے دیں۔ مزید برآں اسے لباس بھی عنایت کیا اور سواری بھی فراہم کی۔

خاندانِ سعد کے لیے بشارت

رسول اللہ ﷺ کو جب سیدنا قیس رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْجُودَ لَمِنْ شِيمَةِ أَهْلِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ»

”بلاشبہ سخاوت کرنا اس خاندان کا طُرۂ امتیاز ہے۔“[1]

یہ ہیں وہ سرایا اور غزوات جو جنگ احزاب اور بنی قریظہ کے بعد پیش آئے۔ ان میں سے کسی بھی سریے یا غزوے

[1] صحيح البخاري :4360-4362، صحيح مسلم : 1935، فتح الباري : 8/98-102، زاد المعاد :3/389,390، السيرة لابن هشام :4/281، الطبقات لابن سعد :2/132، عيون الأثر، ص 345,346، المغازي للواقدي :2/221-223، سبل الهدىٰ والرشاد :6/176-181.

میں سخت جنگ نہیں ہوئی۔ کہیں کہیں معمولی جھڑپیں ہوئیں، لہٰذا ان مہمات کو جنگ کے بجائے فوجی گشت اور تادیبی نقل وحرکت کہا جاسکتا ہے جس کا مقصد ڈھیٹ بدوؤں اور اکڑے ہوئے مغرور دشمنوں کو خوف زدہ کرنا تھا۔ حالات پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد صورت حال بدل گئی تھی اور اعدائے اسلام کے حوصلے ٹوٹتے جارہے تھے۔ اب انھیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ دعوتِ اسلام کو خاموش کرنے اور اس کی شوکت کو دُھندلایا نہیں جا سکتا۔ یہ تبدیلی اچھی طرح کھل کر اس وقت رونما ہوئی جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہوچکے تھے۔ یہ صلح دراصل اسلامی قوت کا اعتراف اور اس بات پر مہر تصدیق تھی کہ اب اس قوت کو جزیرہ نمائے عرب میں برقرار رہنے اور پھلنے پھولنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

قریش کا تجارتی قافلہ
تیماء
حائل
صحرائے نفوذ
فید
جبل سلمٰی
مدائن صالح
البدائع
العلا
جبال حجاز
بنوفزارہ
(ام قرفہ)
الغمرہ
(غمر مرزوق)
قطن
عقلہ صخور
فدک
خیبر
نقرہ
وادی الحمض
وادی عیص
عیص
املج
عین المبارک
بواط
وادی بواط
جبل رضوی
قردہ
ذوالقصہ
ذی قرد
الطرف
(الصویدرہ)
حناکیہ
(نخل)
وادی نخل (وادی الحناکیہ)
ربذہ
(برکہ ابوسلیم)
برحسون
ضریہ
(بنوقرطاء)
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
قبلیہ
ینبع
وادی ینبع النخل
الحمراء
سفوان
بدر
وادی بطحان
نجد
حرہ
(چٹانی علاقہ)
ریانہ
معدن بنی سُلیم
(مہد الذہب)
دفینہ
صفینہ
ابواء
مستورہ
رابغ
وادی رابغ
الجحفہ
قدید
وادی قدید
المریسیع
حویہ
ظلم
حجاز
برکہ
الرجیع
عسفان
جموم
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
بقران
تہامہ
اللیث
جبال عسیر
بلجرشی
بیشہ
بحیرہ قلزم
احزاب اور حدیبیہ کے درمیان بعض غزوات وسرایا
سریہ زید بن حارثہ (ام قرفہ)
سریہ عبداللہ بن عتیک (خیبر)
سریہ عبداللہ بن رواحہ (خیبر)
سریہ کرز بن جابر فہری (سفوان)
سریہ عمرو بن امیہ ضمری (مکہ)
سریہ ابوعبیدہ بن جراح (سیف البحر)

ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات

سیدہ ام رومان بنت عامر بن عُو یمر بن عبد شمس کنانیہ رضی اللہ عنہا کا نام زینب تھا، ایک قول کے مطابق ان کا نام دِعد تھا۔ یہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی قبیلہ ازد سے تعلق رکھنے والے عبداللہ بن حارث بن سخبرہ بن جُرثومہ سے ہوئی۔ وہ انھیں مکہ لے آئے۔ ان کے بطن سے عبداللہ بن حارث کا بیٹا طفیل پیدا ہوا۔ عبداللہ بن حارث سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حلیف تھا۔ مکہ آکر عبداللہ وفات پا گیا تو ام رومان رضی اللہ عنہا سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شادی کرلی۔ یہ اسلام قبول کرچکی تھیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی کی۔

ام رومان رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو بچے پیدا ہوئے: ام المؤمنین سیدہ عائشہ اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما۔ ذوالحجہ 6 ھ میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ ان کی تدفین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ان کی قبر میں اترے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! لَمْ يَخْفَ عَلَيْكَ مَا لَقِيَتْ أُمُّ رُومَانٍ فِيكَ وَفِي رَسُولِكَ»

''اے اللہ! ام رومان کو تیری اور تیرے رسول کی خاطر جو مشکلات آئیں وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں۔''

پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہت بڑے اعزاز سے نوازتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى امْرَأَةٍ مِّنَ الْحُورِ الْعِينِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى أُمِّ رُومَانٍ»

''جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ جنت کی حوروں میں سے کسی عورت کو دیکھے تو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔''[1]

---

[1] إمتاع الأسماع: 182/6، الروض الأنف: 26,25/4، الإصابة: 392,391/8، أسد الغابة: 447,446/5.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد ہفتم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

جمل: جمل یہ ایک بہادر آدمی کا نام ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے بہادری میں بطور تمثیل یہ شعر پڑھا تھا۔ علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ یہ جمل نہیں حمل ہے، یعنی حمل بن سعدانہ بن حارثہ بن معقل بن علیم بن جناب کلبی۔ یہ قدیم رجز یہ شعر ہے جو سعد رضی اللہ عنہ نے بطورِ تمثیل پڑھا۔ (السيرة لابن هشام، حاشية: 236/3، الروض الأنف :430/3)

حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ: حارثہ بن نعمان بن نفع بن زید بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار خزرجی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ انھیں ابن نفع کے بجائے ابن رافع بھی کہا گیا ہے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بہت زیادہ دیندار تھے اور والدہ کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک کرتے تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ انھوں نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء : 2/378-380، إسعاف المبطا : 8/1، الإصابة :708,707/1)

شریف (740-816ھ/1340-1413ء): علامہ علی بن محمد بن علی رحمہ اللہ شریف جرجانی کے نام سے معروف ہیں۔ ان کا شمار فلسفی اور کبار عربی علماء میں ہوتا ہے۔ ایران کے شہر آستر آباد (موجودہ نام گُرگان) کے قریب تاکو نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ شیراز میں تعلیم حاصل کی۔ جب 789ھ میں تیمور نے وہاں دھاوا بولا تو علامہ جرجانی سمرقند بھاگ گئے۔ تیمور وفات پا گیا تو یہ شیراز واپس آ گئے اور تادمِ زیست شیراز ہی میں رہے۔ ان کی تقریباً پچاس تصنیفات ہیں جن میں سے چند کتب یہ ہیں: التعریفات، شرح مواقف الإيجي، مقاليد العلوم، شرح السراجية في الفرائض، رسالة في فن أصول الحديث، حاشية على الكشاف۔ (الأعلام للزركلي : 7/5)

عرقہ: یہ قلابہ بنت سُعَید بن سعد بن سہم ہے۔ اس کی کنیت ام فاطمہ تھی اور اس کو اس کی بہترین خوشبو کی بنا پر عَرِقہ کہا جاتا تھا اور یہ خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نانی تھی۔ (الروض الأنف :431/3)

ولفسن (1305-1394ھ/1887-1974ء): اس کا مکمل نام Harry Austryn Wolfson ہے۔ 1887ء میں روس میں پیدا ہوا۔ 1903ء میں یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کی طرف ہجرت کی۔ امریکہ کے شہر کیمبرج میں ہارورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر

1912 ء سے 1914 ء تک تحصیل علم کے سلسلے میں یورپ رہا۔ 1915 ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں استاد مقرر ہوا۔ 1920 ء میں ترقی پا کر عبرانی زبان وادب اور یہودی فلسفے کا استاد بن گیا اور وفات تک اسی یونیورسٹی میں استاد رہا۔ اس نے فلسفے پر بہت سی کتابیں لکھیں، مثلاً: Crescas' Critique of Aristotle, The Philosophy of Spinoza, Foundations of Religious Philosophy in Judaism. (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

اماکن

أجم الشيخين: کو أحمر السبختين بھی کہا گیا ہے۔ ایک قول اجم السمر بھی ہے۔ یہ جگہ مدینہ کے قریب ہے۔ جس رات رسول اللہ ﷺ مشرکین سے احد میں لڑائی کے لیے نکلے تو آپ ﷺ کے لشکر نے یہیں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دو گڑھیاں تھیں جہاں ایک بوڑھا اور بوڑھی آپس میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اُجم السمر کے معنی بھی یہی ہیں۔ اجم کے معنی گڑھی اور السمر کے معنی قصہ گوئی کے ہیں۔ (مرويات غزوة الخندق، ص : 195,194)

حمراء الاسد: مدینہ سے عقیق کے راستے پر ذوالحلیفہ سے آگے 20 کلومیٹر دور ایک سرخ پہاڑ ہے جو وادی عقیق الحسا کے بائیں طرف واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة : حمراء الأسد، معجم المعالم الجغرافية، ص : 106,105) یہیں 3 ھ میں غزوہ حمراء الاسد پیش آیا تھا۔

صورَین: یہ جگہ مدینہ منورہ سے بنوقریظہ کی طرف جاتے ہوئے بقیع سے دور عوالیٔ مدینہ کے قریب واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية، ص : 180)

ضریّہ: یہ نجد کے وسط میں واقع چراگاہ ہے۔ ضریہ نامی قصبہ ربذہ سے 165 کلومیٹر اور الحنا کیہ سے 247 کلومیٹر مشرق میں، الحنا کیہ عنیزہ شاہراہ پر واقع البتراء سے 135 کلومیٹر جنوب میں اور العفیف سے تقریباً 90 کلومیٹر شمال میں ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، لوحه : 9)

اقوام وقبائل

بنوبکر بن کلاب: یہ قبیلہ بکر بن کلاب سے منسوب ہے جو قیس بن عیلان کی اولاد میں سے تھے۔ نجد میں ان کے علاقے ہرکنہ، وعامۃ السیّ اور الفالق تھے۔ یہ لوگ المطالی، المضاجع، ضریہ کی چراگاہ، الحفر، احسن اور الہردہ کے مقامات پر بھی رہتے تھے۔ (معجم قبائل العرب : 93,92/1)

بنوبلی: یہ قحطانی قبیلہ قضاعہ کی بہت بڑی شاخ ہے۔ ان کا نسب بلی بن عمرو بن الحافی بن قضاعہ ہے۔ یہ مدینہ سے وادی القریٰ کے درمیان رہتے تھے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ یہ قبائلِ جہینہ کے شمال سے عقبہ ایلہ تک بحیرۂ قلزم کے مشرقی کنارے پر آباد تھے۔ پھر ان کی کچھ جماعتیں بحیرۂ قلزم کے مغربی کنارے کی طرف جا آباد ہوئیں اور سوڈان اور حبشہ میں پھیل گئے۔ 8 ھ میں بنو بلی نے اپنے ساتھ دوسرے عربی قبائل لخم، جذام، بلقین، بہراء کو ملا کر ایک لاکھ کی فوج اکٹھی کی اور جنگ مؤتہ میں رومیوں کا ساتھ دیا۔ جمادی الآخرہ 8 ھ میں نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کی طرف سریہ بھیجا تھا۔ 9 ھ میں بنو بلی کا وفد نبیِ کریم ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔(معجم قبائل العرب :1/104-106)

بنو قیس: یہ قبیلہ خزرج کی شاخ ہے۔ ان کے جدامجد کا نام ونسب یہ ہے: قیس بن سعد بن عبادہ بن دُلیم بن حارثہ بن ابی جزیمہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج۔(معجم قبائل العرب : 3/971,972)

متفرقات

رگِ اکحل: یہ رگ کلائی کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اس کو عرق الحیات کہتے ہیں۔ جسم کے ہر عضو میں اس کا کچھ حصہ ہوتا ہے۔ ہاتھ میں موجود اس رگ کو اکحل کہتے ہیں۔ پشت میں اسے اَبہر کہتے ہیں اور ران میں پائی جانی والی عرق النساء کہلاتی ہے۔ اگر یہ کٹ جائے تو اس سے خون کا بہاؤ نہیں رکتا۔(فتح الباري : 7/516)

عزل: ہم بستری کے دوران انزال کے وقت آلۂ تناسل کو باہر نکال دینا تاکہ مادہ منویہ عورت کے رحم میں نہ جائے اور اسے حمل نہ ٹھہرے، عزل کہلاتا ہے۔(دیکھیے : فتح الباري : 9/389)

علہز: ایک قسم کا کھانا ہے، عرب لوگ قحط کے دنوں میں اونٹ کے بال اور خون ملا کر آگ پر بھون لیتے، پھر اسے کھاتے تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ابوسفیان (قحط سالی کے دنوں میں) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: يَا مُحَمَّدُ! أَنْشُدُكَ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ فَقَدْ أَكَلْنَا الْعِلْهِزَ - يَعْنِي الْوَبَرَ وَالدَّمَ - فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۝﴾ (المؤمنون 23:76) ’’اے محمد! میں آپ کو اللہ کا اور رشتے داری کا واسطہ دیتا ہوں۔ بلاشبہ ہم نے علہز، یعنی خون اور بال ملا کر کھالیے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا، پھر بھی وہ نہ اپنے رب کے آگے جھکے اور نہ عاجزی اختیار کرتے تھے۔‘‘(صحیح ابن حبان : 3/247، حدیث : 967) بعض نے کہا ہے کہ علہز ایک بوٹی ہے جو بنوسلیم کے علاقے میں اگتی ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی اور کہنے لگا: ..... وَلَا شَيْءَ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ عِنْدَنَا سِوَى الْحَنْظَلِ - الْعَامِيِّ وَالْعِلْهِزِ الْفَسْلِ وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا إِلَيْكَ فِرَارُنَا - وَ أَيْنَ فِرَارُ النَّاسِ إِلَّا إِلَى الرُّسُلِ. ’’ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ البتہ قحط کے سال کی اندرائن ہے اور خراب علہز ہے۔ آخر ہم لوگ بھاگ کر کدھر جائیں گے؟ ہماری دوڑ تو صرف آپ تک ہے۔ اور لوگ بھاگ بھی کہاں سکتے ہیں سوائے رسولوں کی طرف۔‘‘(دلائل النبوة للبيهقي : 6/313، النهاية لابن الأثير، مادة: علهز)

سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

سیرت انسائیکلو پیڈیا کی زیرِ نظر ساتویں جلد چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں غزوۂ بنونضیر، غزوۂ مریسیع، غزوۂ خندق، غزوۂ بنوقریظہ اور مختلف سرایا کی تمام جزئیات اور محسن کش اور سازشی یہودیوں کے انجامِ رسوائی کی تفصیلات درج ہیں۔ ان ابواب میں آپ کو وہ لمحاتِ مسرت بھی ملیں گے جب رسول اللہ ﷺ کی یکے بعد دیگرے تین شادیاں ہوئیں جو انتہائی فیض رساں نتائج کے برگ و بار لائیں۔ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کے باعث عربوں میں بہت بڑا سماجی تغیر رُونما ہوا۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ طہارت پر بدباطن منافقوں نے دھبہ لگانا چاہا، تو خود اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و نامراد کر کے سیدہ کی عفت و عظمت کی گواہی دی۔ یہ واقعہ مستند براہین کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ مجاہدینِ اسلام کس شانِ شجاعت سے غزوات اور سرایا میں جاتے تھے اور فتح و نصرت کس طرح ان کے قدم چومتی تھی، یہ ایمان افروز نظارے بھی اس جلد کا حصہ ہیں۔

دارُالسّلام
کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ